مُحصنات

عرف

فسانۂ مبتلا

مصنّفہ

شمس العلماء مولانا نذیر احمد دہلوی

ناشر

دارالاشاعت مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی

دیباجۃ الکتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اللہ وہ بھی کیا دن تھے کہ سر ولیم میور ممالک مغربی و شمالی کے لفٹننٹ گورنر تھے اور مسٹر ایم کمپسن تعلیم کے ڈائرکٹر۔ تعلیم کے اعتبار سے یہ دونوں صاحب مسلمانوں کے گویا ہارون الرشید اور منصور تھے۔ اور ہنود کے بکرماجیت اور بھوج۔ انگریزی جتنی پڑھی جائے تھوڑی مگر کتنی ہی کیوں نہ پھیلے ہندوستان کی ملکی زبان تو بن بیٹھنے سے رہی۔ قوم من حیث القوم اور بر سویر جب کبھی ترقی کرے گی اپنی ہی زبان میں۔ پڑھنے لکھنے سے سر ولیم میور کا یہی گر تھا وہ زبان اردو کی پرداخت کے پیرائے میں ہماری فلاح کی فکر میں تھے۔ ان ہی کی قدر دانی مجھے تصنیف و تالیف کی باعث ہوئی یہاں تک کہ عورتوں کی تعلیم کا سلسلہ مرتب ہو گیا۔ خانہ داری میں **مراۃ العروس** معلومات ضروری میں **بنات النعش** خدا پرستی میں **توبۃ النصوح** ان کتابوں نے ایسا رواج پایا کہ انگریزی بنگالی۔ گجراتی۔ بھاکا۔ مرہٹی — پنجابی۔ کشمیری سات زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اور اس وقت تک بدفعات چالیس ہزار جلدیں چھپ چکیں۔ ان ہی دنوں مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ مسلمانوں کی معاشرت میں

عورتوں کی جہالت۔ اور نکاح کے بارے میں مردوں کی آزادی دو بہت بڑے نقص ہیں میں نے ایک نقص کے رفع کرنے میں (جہد المقل) کوشش کی ہے تو دوسرے نقص کے دفع میں بھی کچھ کرنا ضرور ہے۔ قصّے کا منصوبہ ذہن میں ٹھیرا چکا تھا کہ سر ولیم میور ولایت چلے گئے۔ اور میں حیدرآباد اب کہ خدمت سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہوا۔ فرزند ارجمند اصلح واسعد مولوی بشیر الدین احمد موقع پا کر متقاضی ہوئے۔ اگر اس کتاب سے کوئی فائدہ مترتب ہوا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہو گا تو لوگوں کو مجھ سے بڑھ کر مولوی بشیر الدین احمد کا شکر گذار ہونا چاہئے۔ کیوں کہ انھوں نے اس کتاب کے لکھنے میں میری اس قدر مدد کی ہے کہ فی الواقع شریک تصنیف ہوئے اور شریک بھی شریک غالب۔ فقط

دہلی۔ ۲۲ر اگست ۱۸۸۵ء

نذیر احمد۔ وفقہ اللہ الترود لغد

تمہیدِ قصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مبتلا[ا] تھا تو تخلص مگر چونکہ پھبتا ہوا تھا ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام کو دور کے رشتہ دار تک بھی نہیں جانتے تھے اور مبتلا کے نام سے لڑکے شہر کے تمام گلی کوچوں میں جب تک اَمرد رہا غزلیں اور واسوخت جوان ہوا تو گیت اور ٹھمریاں اور مرے پیچھے بھی مدتوں بعد تک مرثئے اور نوحے گاتے اور پڑھتے بڑے پھرتے تھے۔ ہمارے یہاں کی شاعری میں عشق بازی اور بے تہذیبی کے سوا ہے کیا؟ شریف خاندانوں کے نوجوان لڑکے اکثر اسی مکتب سے خرابی کے لچھن سیکھتے اور اسی اکھاڑے میں برے کوتکوں کی

[ا] صرف عربی کی رو سے مبتلا کے الف مقصورہ لوی کی صورت میں لکھنا چاہئے مگر ہم نے جان بوجھ کر صاحب متخلص کی نقل و تقلید کی ہے ۱۲

مشق بہم پہنچاتے ہیں جس شاعری سے ہم بحث کر رہے ہے اس کے تین درجے ہیں۔ سننا۔ سیکھنا۔ کہنا۔ ان میں سے پہلے دو درجے تو ہمارے طرزِ تعلیم میں داخل ہیں جس کا شمار پڑھے لکھوں میں ہے ممکن نہیں کہ حرف شناسی کے بعد اس کا پہلا سبق یہ نہ ہو ؎

اے داغ بر دل از غم خال تو لالہ را
شرمندہ ساخت آہوئے چشمت غزالہ را

جن باتوں کی بھنک کان میں پڑنا نوجوانوں کے حق میں سم قاتل ہے سبقاً سبقاً ازبر کرائی جاتی ہیں اور جن خیالات کا ایک بار دل میں گزر جانا دنیا و دین دونوں کی تباہی کا موجب ہو سکتا ہی برسوں کی مشق و تمرین سے خاطر نشین کئے جاتے ہیں تاکہ طبعی ہو جائیں ناممکن الزوال اور فطری بن جائیں جن کا نکلنا محال۔ بے چارہ مبتلا اس عموم سے مستثنیٰ اس کلیے سے خارج نہ تھا بلکہ اس پر تو ایک دوسری خلقی بلا مسلط تھی کہ کمبخت صورت شکل کا اچھا رنگ گورا اعضا کا متناسب یعنی شعر کا موضوع لہٗ واقع ہوا تھا۔ یہ تو عقل میں نہیں آتا کہ تخلص تک نوبت پہنچی ہو اور شعر نہ کہا ہو مگر مخمس قصیدے اور مثنوی اور واسوخت اور غزل اور رباعی کا کیا مذکور ہم تک تو مبتلا کا کوئی مصرع بھی نہیں پہنچا۔ بس جا ہتا ہے کہ اگر اس نے شعر گوئی کی ہو گی تو اوائل عمر میں کیونکہ تیس برس کی عمر سے تو ہم

۔ محمود نامہ فارسی کی ایک مشہور کتاب مبتدیوں کو پڑھائی جاتی ہے یہ اسکا پہلا شعر ہے۔

اس کو خانہ داری کی ایسی مصیبتوں میں پھنسا ہوا پاتے ہیں کہ ایسی حالت میں فراغ خاطر اور اجتماع حواس جو شرط شاعری ہے میسر ہو نہیں سکتا۔ مبتلا کے اوائل عمر کا کلام غالب ہے۔ کہ حسن ادا اور شوخی اور نزاکت سے خالی نہ ہو اور اُس میں تو شبہ ہی نہیں کہ کہ جب وہ مشاعرے میں غزل پڑھتا ہوگا تو میر انشاء اللہ خاں[1] کی طرح واہ واہ اور سبحان اللہ اور مکرر پڑھنے کی فرمائشوں کا بڑا غل ہوتا ہوگا۔ مبتلا کا زمانہ کچھ ایسا متقدم نہیں ہے کچھ نہیں تو تنو دو تنو[2] اس کے دیکھنے والے اب بھی شہر میں زندہ اور موجود ہوں گے پس اگر ہم جبت جو کرتے تو اس کا کلام تھوڑا بہت کسی نہ کسی جگہ سے ملنا پر ملتا مگر ہم نے اس کے قصے کے آگے اس کے کلام کا کچھ خیال نہیں کیا۔

پہلی فصل مبتلا کی ولادت اور طفولیت

اس اعتبار سے مبتلا ایک خوش حال باپ کا بیٹا تھا اور چونکہ اکھٹی نو بیٹیوں پر جن میں سے پانچ زندہ تھیں باپ کے بڑھاپے میں بڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد پیدا ہوا۔ اس سے بڑھ کر

---

[1] میر انشاء اللہ خاں بھی بڑے خوبصورت اور طرحدار تھے داڑھی موچھ کا کہیں پتہ نہ تھا کہ شعر کہنے لگے مشاعرے میں آدھے سے زیادہ میر انشاء اللہ خاں کے ہوا خواہ ہوتے تھے ۱۲

اللہ آمین اور کس کی ہوگی بیٹے کا ارمان تو شروع ہی سے تھا۔ ہر مرتبہ ملنے جلنے دیکھنے بھالنے والے مولوی۔ ملاں۔ نجومی۔ رمال۔ حتےٰ کہ دائی جی کے خوش کرنے کو کہدیا کرتے تھے کہ اب کے ضرور بیٹا ہوگا۔ مگر ایک عمر اسی میں گذر گئی توقع کی ناامیدی کے واسطے امید لگائی ناکامیابی کے لئے مبتلا کی نوبت میں تو یاس اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ سارے گھر میں کسی کو بیٹے کا شان گمان تک بھی نہ تھا۔ دم کے پانی۔ تعویذ۔ گنڈے۔ ٹونے۔ ٹوٹکے۔ اور دوا درمن برسوں سے موقوف تھے۔ مبتلا پیدا ہوا تو سب سے پہلے دائی کو معلوم ہوا کہ بیٹا ہے اس نے اتنی عقلمندی کی کہ لوگوں پر بیٹے کا ہونا فوراً ظاہر نہیں ہونے دیا ورنہ زچہ جس کو سکون اور قرار درکار تھا مارے خوشی کے پھولی نہ سماتی اور الٹے لینے کے دینے پڑ جاتے بارے بتدریج سب کو خبر ہوئی سنتے کے ساتھ جو کھڑا تھا تو کھڑا اور بیٹھا تھا تو بیٹھا سجدے میں گر پڑا کسی کے منہ سے دعا نکلی کوئی لگا بسیاختہ زچہ گیریاں گانے کسی نے دوڑ کر چٹا چٹ زچہ اور بچہ کی بلائیں لے لیں غرض گھر کیا اسی وقت سارے محلے میں غل مچ گیا اور صبح ہوتے ہوتے تو گلی میں ڈولیوں سے اور گھر میں بیبیوں سے تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ہر چند بیٹے کا ارمان اس بلا کا تھا کہ کیسا ہی بدصورت بیٹا ہوتا چوم چاٹ کر ماتھے چڑھاتے مگر اس خاندان میں ہمیشہ سے صورتوں کی پرچول رہا کرتی تھی گھر میں جو آتا بچے کو

دیکھنا چاہتا یہ لوگ پرچھادیں اور نظر کے ڈر سے اس کے دکھانے میں مضائقہ کرتے تھے جب بیبیوں کا بہت تقاضا ہوا اور گرمی پڑنے لگیں تو زچہ کے پاس گھر کی کوئی عورت بیٹھی تھی اس نے کہا خدا کے لئے بیبیو ذرا ہوا کا رخ چھوڑو کہ دم گھٹا جاتا ہے مرد بچے کی صورت کیا دیکھنا ہے خدا عمر دے پروان چڑھائے الہی ماں باپ کا کلیجہ ٹھنڈا رہے ایک بی بی باوجودیکہ خود بھی ہجوم کرنیوالیوں میں تھیں لوگو بھیڑ کیا لگائی ہے اللہ رکھے پانچ بہنوں کا بھائی ہے انیس بیس کے فرق سے اپنی بہنوں میں ملتا ہوا ہوگا۔ اتنے میں دائی اندر سے نکلی تو ساری بیبیوں نے اسکو گھیر لیا کیوں بوا بچہ پورے دنوں کا صحیح سلامت تو ہوا دائی ہاں پورے دن بھی کیسے خوب بھرپور ہاتھ پاؤں بال ناخن سب خاصے توانا ماشاءاللہ بڑے کاٹھ کا بڑا اور ان کے جتنے بچے ہوئے سب اسی طرح کے خدا کے فضل سے کوکھ بہت صاف ہے۔ بیبیاں۔ کیوں بوا بہنوں میں ملتا ہوا تو ہے۔ دائی۔ بہنوں کو اس سے کیا نسبت لڑکیاں بھی اچھی صورت کی ہیں مگر اس سے پہلے کی دو لڑکیاں کہ ایک دو مہینے کی ہو کر اتر گئی اور دوسری دو سوا دو برس کی بس دونوں آفتاب ماہتاب تھیں اور یہ تو خدا جیتا رکھے نور کا پتلا ہے۔ بڑی بڑی غلافی آنکھیں اونچی اور ستی ہوئی ناک پتلے ہونٹ چھوٹا سا دہانہ چمکتے ہوئے سیاہ گھونگر والے بال کتابی چہرہ۔ صراحی دار لمبی گردن۔ سانچے میں ڈھلا ہوا بدن میری اتنی عمر ہونے آئی تیرہ برس کی بیاہی آئی تھی تب سے اپنی ساس کے ساتھ یہ کام

کرنے لگی خدا جھوٹ نہ بلوائے اتنے بچے میرے ہاتھ سے ہوئے کہ جن کا شمار نہیں. مگر ایسا قبول[1] صورت بچہ میں نے تو بڑے بڑے نامی گرامی امیروں کے ہاں بھی جن کے حسن کی آج بڑی دھاک ہے نہیں دیکھا بات یہ ہے کہ اللہ عمر دے اور بھاگوان ہو. سب نے کہا آمین. مبتلا کے پیدا ہونیکی روداد جو ہم نے اوپر بیان کی. اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مبتلا کے ساتھ ماں باپ اور عزیز و اقارب نے کیا کچھ چوچلے نہ کئے ہوں گے غرض وہ تمام خاندان اور سارے کنبے میں ایک انوکھی چیز سمجھا جاتا تھا اور حقیقت میں جس جس پہلو سے دیکھئے وہ انوکھی چیز تھا بھی. جب سے پیدا ہوا سارے سارے دن ساری ساری رات گودوں ہی میں رہتا نہا لچے پر لٹانے کی نوبت نہ آتی تھی اپنے ہی گھر میں. ماں. نانی. خالہ. ممانی ایک کم آدھی درجن سگی بہنیں اتنے آدمی لینے والے تھے کہ ایک سے ایک چھلنے لیتا تھا باپ کا یہ حال کہ جتنی دیر ممکن تھا گھر میں رہتے اور جتنی دیر گھر میں رہتے خود لئے رہتے یا پیش نظر رکھتے مبتلا کے پہلے پانچ بلکہ سات آٹھ برس کی زندگی یعنی جب تک وہ محتاج پرورش رہا اس قابل ہے کہ مستقلاً ان حالات کی ایک کتاب لکھی جائے مگر ہم کو تو اس کے دوسرے ہی معاملات سے بحث کرنی ہے اس کی پرورش کے متعلق ہم اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگرچہ خاندان کے لوگ سب کے سب دین کے پابند نہ تھے. مگر مبتلا کا باپ بڑا نمازی اور پرہیزگار آدمی

---

[1] مقبول کی جگہ بولا جاتا ہے ۱۲

تھا۔ مولوی شاہ حجت اللہ صاحب کے وعظ سے اس کو ایسا عشق تھا۔ کہ آندھی جائے مینہہ جائے طبیعت درست ہو نہ ہو جہاں سنا کہ مولوی صاحب کا وعظ ہے سب سے پہلے موجود گھر کی بڑی بوڑھیاں بھی نماز پڑھتی تھیں بااین ہمہ جو احتیاطیں مبتلا کی پرورش میں برتی جاتی تھیں ان سے ایسا مستنبط ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے پندار میں مبتلا کی تندرستی نہ صرف غذا سے اور آب و ہوا سے بلکہ مکان سے برسوں سے مہینوں سے دنوں سے لیل و نہار کے خاص خاص اوقات سے اپنے بیگانے کی نگاہ سے آئے گئے کی پرچھائیں سے لوگوں کی باتوں سے دلی خیالات سے تنہائی سے تاریکی سے چاندنی سے کسوف و خسوف سے کُتّے سے بلّی سے چھپکلی سے دیو سے بھوت سے جن سے پری سے غرض ہر چیز سے جو واقعی ہے اور ہر چیز سے جو ادّعائی ہے معرض خطر میں ہے۔ ہم تو معاذ اللہ کسی کلمہ گو مسلمان پر کفر اور شرک کا الزام کیوں لگانے لگے مگر بمجبوری اتنی بات کہنی پڑتی ہے کہ مبتلا کے ساتھ جو برتاؤ کئے جاتے تھے واہمۂ شرک اور مظنۂ کفر سے خالی نہ تھے۔ یہ بات کہ جس خدا نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ وہی ایک وقت مقرر تک جس کا حال اسی کو معلوم ہے ہماری زندگی اور تندرستی کی حفاظت کرتا ہے اور جس طرح بدون اس کے فضل و کرم کے ہم دنیا میں آ نہیں سکتے تھے اسی طرح بغیر اس کی مدد اور حمایت کے ایک لمحہ دنیا میں رہ بھی نہیں سکتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کہیں اور کسی

حالت میں ہوں ہم اسکی پناہ میں ہیں اور اس کا سایۂ رحمت ہمارے سر پر ہے وہ ہر مرض میں ہمارا طبیب ہے اور ہر مصیبت میں ہمارا معین و مددگار ہر تکلیف میں ہمارا غمگسار۔ بدون اس کی مرضی کے نہ غذا میں تقویت ہے نہ دوا میں تاثیر۔ بغیر اس کے حکم کے نہ زہر زہر ہے نہ اکسیر اکسیر۔ غرض یہ بات ان لوگوں کے معتقدات میں تو ضرور ہوگی جو مبتلا کو پال رہے تھے۔ مگر ان کے برتاؤ میں توکل و انابت کی کوئی بات ہمارے دیکھنے میں نہ آئی بلکہ ان کی تدبیریں سن کر حیرت ہوتی تھی کہ مبتلا کا پلنا اور پرورش پانا کیا یہ گراں جان ان نادان دوستوں کے ہاتھ سے بچ کیوں کر گیا۔ کوئی دکھ کوئی روگ نہ تھا کہ جس کو یہ لوگ اسباب غلط اور ادعائی نظر آسیب وغیرہ کی طرف منسوب نہ کرتے ہوں اور چونکہ تشخیص میں غلطی ہوتی تھی اسی وجہ سے جو تدبیریں کی جاتی تھیں غلط در غلط مگر مبتلا خلقتہً توانا پیدا ہوا تھا ہمیشہ اس کی طبیعت امراض پر غالب آتی رہی بہر کیف مبتلا کسی نہ کسی طرح خدا کے فضل سے پل پلا کر بڑا ہوا یہاں تک کہ ان گنا[1] برس بھی خیریت کے ساتھ گزرا مبتلا کی تعلیم و تربیت سے مستورات کو ظاہر میں تو کچھ سروکار نہ تھا ہر چند وہ مکتب میں نہیں بیٹھا کسی استاد سے اس نے سبق نہیں لیا تاہم ہمارے نزدیک (اور ہمارے نزدیک کیا بلکہ واقع میں) ایک اعتبار سے اس کی تعلیم و تربیت بہت کچھ ہو چکی تھی دنیا میں سارے لوگ پڑھے لکھے نہیں ہوتے اور نہ پڑھنے لکھنے پر زندگی یا معاش کا انحصار ہے اصل چیز ہے عادات کی

---

[1] آٹھویں برس کو ان گنا اور بیٹھا برس کہتے ہیں ۱۲

درستیٔ مزاج کی شائستگی طبیعت کی اصلاح ہو جس وقت سے بچہ پیدا ہوتا ہے اسی وقت سے وہ اخذ[1] کرچلتا ہے ان لوگوں کی خو بو جو اس کو پالتے اس کو اٹھاتے بٹھاتے اس کو سلاتے، اس کو کھلاتے پلاتے ہیں۔ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ بچے ایک مضغہ گوشت کی طرح پڑے ہیں نادان اور لا یعقل نہیں نہیں وہ اپنے سارے حواس سے ظاہری ہوں یا باطنی بڑی کوشش کے ساتھ کام لے رہے ہیں۔ چیزوں کو دیکھتے ٹٹولتے اور آوازوں کو سنتے اور جو دیکھتے سنتے ہیں اس کو حافظہ میں رکھتے جاتے ہیں اس کی ایک آسان شناخت ہے کہ اگر بڑی عمر میں ہم کوئی دوسری زبان سیکھنی چاہیں تو کس قدر کوشش کرنی ہوتی ہے بعض اوقات سارے سارے دن رٹنا پڑتا ہے اور ہم کو اپنی مادری[2] زبان سے لکھنا آتا ہے تو لکھنے سے اس زبان کی صرف و نحو سے لغت سے بھی بڑی مدد ملتی رہتی ہے تب ہم کو کہیں برسوں میں جا کر وہ زبان آتی ہے۔ تاہم ناقص و ناتمام بچے جن کو ہماری سہولتوں میں سے کوئی سہولت بھی حاصل نہیں کیا کچھ زحمت اٹھاتے ہوں گے کہ ذہین ہوئے تو برس کے اندر ہی اندر ورنہ ڈھائی تین برس کی عمر میں تو مٹھے لدھڑ کند ذہن تک طوطے کی طرح چرغنے لگتے ہیں۔ کیا اتنی بات سے کہ کسی نے ہپا اور ممّا اور ابّا اور امّا۔ دس بیس بار سکھانے کے طور پر

---

[1] یعنی لے چلتا ہے اخذ بمعنی گرفتن ۱۲
[2] وہ زبان جو ماں باپ اور پالنے پوسنے والے سکھاتے ہیں۔ یعنی دیس کی زبان ۱۲

ان کے سامنے کہدیا کوئی دعوی کر سکتا ہے کہ ہم نے ان کو بولنا سکھایا زبان
کی تعلیم کی نہیں۔ یہ سب بچوں کی ذاتی کوشش ہے پھر یہ خیال کرنا
بھی غلط ہے کہ بچوں کی ساری ہمت صرف زبان کے سیکھنے میں
مصروف رہتی ہے ایک زبان کیا بھلا برا۔ ادب قاعدہ نشست
برخاست رغبت اور نفرت سود وزیان دوست، دشمن، خویش و
بیگانہ محبت اور عداوت حیا اور غیرت غصہ اور لالچ حسد اور رشک
وغیرہ وغیرہ سارے سبق ان کو ایک ساتھ شروع کرادئے جاتے
ہیں پس مبتلا جس کی عمر آٹھ برس کی ہو چکی تھی پڑھ چکا تھا جو
کچھ اس کو پڑھنا تھا اور سیکھ چکا تھا جو کچھ اس کو سیکھنا تھا
ماں سے باپ سے نانی سے خالہ سے بہنوں سے گھر کے نوکروں
سے آئے گئے سے عمر کے اعتبار سے اس کی تعلیم و تربیت کی
ایسی مثال تھی کہ جیسے کپڑا مول لیا گیا درزی نے قطع کیا سیا
اور کھڑا کرنے کے بعد اس نے پہنا کر بھی دیکھ لیا صرف بخیہ کر
دینا باقی ہے اب اگر کپڑا بد رنگ یا گلا ہوا نکلے یا کہیں سے
تنگ ہو جائے تو درزی اس میں کیا کمال کرے گا کپڑا لیتے
وقت یا قطع کراتے وقت یہ باتیں دیکھنے کی تھیں اور نہیں دیکھیں
تو جھک مارو اور وہی پہنو گلا ہوا کہ پہنا اور کھسکا کچے رنگ کا جس
میں پہلے ہی دن دھبے نمودار ہوں گے تنگ کہ پہننے سے بدن میں
بدھیاں پڑیں اور سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر رہ جائے

اب دیکھنا چاہیئے کہ مبتلا پر زنان خانے کی تعلیم کا کیا اثر مترتب ہوا تھا۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا ضدّی۔ چڑچڑا۔ غصیلا۔ مچلا۔ ہٹیلا۔ زودرنج مغرور۔ خودپسند۔ طماع۔ حریص۔ تنگ چشم۔ بودا۔ ڈرپوک۔ شوخ۔ شریر بے ادب۔ گستاخ۔ کاہل۔ آرام طلب۔ جابر۔ سخت گیر۔ گھرگھسنا۔ زنانہ مزاج بنتا گیا۔ اس کو دنیا و ما فیہا[1] کی کچھ خبر تو تھی نہیں کبھی وہ بے رُت کے پھلوں اور بے موسم کے میووں کے لئے گھنٹوں لوٹتا اور پٹخنیاں کھاتا پہروں ایڑیاں رگڑتا اور آخر کو ایڑیوں کے بدلے اپنے چاہنے والوں اور نازبرداروں سے ناک رگڑوا لیتا تب بمشکل چپ کرتا وہ جب جی چاہتا جو چیز چاہتا کھاتا اور اپنی بے اعتدالیوں اور بے احتیاطیوں سے بیمار پڑتا اور الٹا ماں سے لڑتا ایک مرتبہ سنا کہ وہ اس بات پر خوب رویا اور بہت بکھرا کہ ہائے بادل کیوں گرج رہا ہے۔ ہرچند سارا گھر اس بات کے اہتمام میں لگا رہتا تھا کہ کوئی امر اس کے خلاف مزاج نہو مگر اس کو رونے اور بگڑنے کے لئے ہر وقت کوئی نہ کوئی بہانہ ایک نہ ایک حیلہ مل ہی جاتا تھا۔ اس کی ناخوشی کا روکنا حقیقت میں انسان کے اختیار سے خارج اور آدمی کی قدرت سے باہر تھا کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ وہ کس بات پر روٹھ جائے گا اور روٹھے پیچھے کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ کیوں کر منے گا۔ لاکھ اللہ آمین کیوں نہ ہو کہاں تک

---

[1] یعنی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ۱۲

برداشت کتنا تحمل آخر رفتہ رفتہ لوگ اس کے لاڈ پیار میں کمی کرنے لگے سب سے پہلے بڑی اور بیاہی ہوئی صاحب اولاد بہنوں نے بے رخی ظاہر کی آخر تھیں تو اسی کی بہنیں جب اس کی شوخی و شرارت سے عاجز آتیں جھڑک دیتیں اور گھرک بیٹھتیں بلکہ ایک تو ایسی جلے تن تھی کہ یہ اس کے پاس بھانجے کو دق کرنے اور بوٹیاں توڑنے گیا اور اس نے دور ہی سے ڈانٹا کہ خبردار جو میرے بچے کو چھیڑا ہو گا میں ایسے چوچلے ایک نہیں سمجھتی دیکھ خدا کی قسم میں مار بیٹھوں گی۔ماں کا بھی مبتلا کے ہاتھوں دم ناک میں تھا۔ مگر سچ کہا ہے۔ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ[1] وہ کھسیانی تو ہوتی تھی مگر ادھر جوش آیا اور فوراً ٹھنڈی پڑ گئی تیوری پر بل پڑ چلا تھا کہ کھل کھلا کر ہنس دی مبتلا کی برائیوں کو برائی سمجھنا تو درکنار وہ اس کی طرف سے ساری دنیا کے ساتھ ہر وقت لڑنے کو طیار رہتی۔ ایک مرتبہ مبتلا خدا جانے کس بات پر پیچھے سے ماں کی چوٹی گھسیٹے جاتا تھا سب سے بڑی بہن نے (جس کی پہلونٹی کی بیٹی مبتلا سے بھی دو برس بڑی تھی) دیکھ کر کہا سبحان اللہ کیا ماں کا وقر ہے لاڈ پیار بہت دیکھے مگر اتنا ناہموار اس درجے بے تمیز جب ماں کا یہ ہڑا کر رکھا ہے تو ہمارا تو سر مونڈ کر بھی بس نہیں کرے گا۔ ہائے تو میرا بیٹا نہ ہوا نجھ کو ایسا ٹھیک بناتی کہ یاد ہی تو کرتا۔ باوجودیکہ بیٹی نے نصیحت کی بات کہی تھی مگر ماں پنجے جھاڑ کر

---

[1] انسان کو ایک چیز کی محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے ۱۲

پیچھے لپٹی اور سر ہو گئی۔ ماں کی پردہ داری کی وجہ سے باپ کو مبتلا کی شوخیوں کی پوری پوری خبر نہیں ہونے پاتی تھی پھر بھی جس قدر حال چار و ناچار معلوم تھا اس سے انہوں نے اتنا تو سمجھ لیا تھا کہ اس کا اٹھان اچھا نہیں مبتلا کو چھٹا سال لگا تھا باپ نے اس کو مکتب میں بٹھانا چاہا۔ عورتوں نے عذر کیا کہ آئے دن تو یہ بیمار رہتا ہے مکتب کی قید استاد کی تنبیہہ سے اس کا نگوڑا اتنا سا جی رہا سہا اور بھی اداس ہو جائے گا۔ ابھی جینے تو دو اور مبتلا کی ماں نے تو کھلم کھلا کہدیا کہ جب تک اصل خیر سے ان گنا نہ گذر جائے گا میں تو اسکو نہ پڑھاؤں گی نہ لکھاؤں گی غرض عورتوں کی ہٹ اور سکیڑی نے مبتلا کے پورے تین برس کھوئے مگر سچی بات یہ ہے کہ مبتلا کا باپ اپنی طرف سے برابر اس کی کوشش میں لگا رہا اس پر بھی جو مبتلا تین برس تک آوارہ ہوتا رہا تو یہ اس کے باپ کا مساہلہ اور ضعیف ماں کی نادانی اور حماقت اور خود مبتلا کی بدقسمتی اور کمبختی۔ اتنا تھا کہ جب باپ کو مبتلا کی کوئی بیجا بات معلوم ہوتی تو ڈرانے دھمکاتے تو نہیں مگر نرمی اور دلجوئی کے ساتھ اسکو سمجھا ضرور دیتے کہ بیٹا! یہ حرکت نامناسب ہے اور خود اسکے ساتھ ظاہری پیار اخلاص اتنا نہ رکھتے کہ ماں کی چوٹی کے ساتھ انکی داڑھی بھی کھسوٹنے لگتا مبتلا کو باپ کا کسی طرح کا خوف تو نہ تھا مگر یوں کہو کہ زیادہ میل جول نہ ہونے کی وجہ سے ایک طور کی جھجک یا دور کا وٹ تھی چاہو اس کو لحاظ سے تعبیر کر لو مگر کیا اتنا کرنے سے مبتلا کے باپ نے باپ ہونے کا فرض ادا کیا؟ ہر گز نہیں۔ اس نے عورتوں کو مبتلا کی شرارتوں کی پردہ داری کرنے دی

اُس نے بیٹے کے حالات سے پوری پوری خبر نہ رکھی۔ اُس نے جتنی خبر رکھی اُس کا بھی تدارک جیسا چاہیئے تھا نہ کیا۔ اُس نے مستورات ناقصات العقل کی رائے میں جلد سے جلد بیٹے کو پڑھنے کے لئے نہ بٹھایا اور اُس کے اکٹھے تین تین برس ضائع ہونے دیئے اتنا غنیمت ہوا کہ مبتلا کو اُس کی ماں نے اپنے وہم کے پیچھے اکیلا دوکیلا گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا ورنہ محلّے میں دھوبی کنجڑے، بھٹیارے، قصائی، تیلی اس قسم کے لوگ بھی رہتے تھے۔ اگر کہیں مبتلا ان لوگوں کے لڑکوں میں کھیلنے کودنے پاتا تو ساری خوبیاں جاکر ایک ذاتی شرافت باقی تھی وہ بھی گئی گزری ہوتی جب تک بیٹھا برس ختم ہو مبتلا کے مزاج کی تلخی اضعافاً مضاعفۃً بڑھ گئی تھی۔ ادھر ابھی سال گرہ کو دو تین مہینے باقی تھے کہ باپ نے بسم اللہ اور مکتب کی چھیڑ چھاڑ شروع کی بارے اس مرتبہ عورتوں نے بھی چنداں مزاحمت نہیں کی اور سالگرہ اور بسم اللہ دونوں تقریبیں ایک ساتھ ہو گئیں۔

دوسری فصل مُبتلا کی تعلیم مکتبی اور اُس کا اثر

اتنا تو ہوا کہ مبتلا کے لئے دروازے پر مکتب بٹھانا پڑا۔ شروع شروع میں تو میاں جی کے پاس تک جانے اور مکتب میں بیٹھنے

کے لئے مبتلا نے خوب فیل مچائے اور غضب بکھرا مگر آخر سودے کی چاٹ اور پیسوں کے لالچ اور ماں کے چمکارنے پچکارنے سے جانے اور بیٹھنے لگا بیٹھے پیچھے پڑھنا چنداں مشکل نہ تھا ذہن اور حافظہ دونوں خداداد اس بلا کے تھے کہ جو دوسرے لڑکے ہفتوں میں کرتے تھے وہ بھی بڑی ریں ریں کے ساتھ مبتلا گھنٹوں میں کھیلتے کودتے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کر لیتا کہتے ہیں کہ دو دن میں تو اس نے الف بے کے حروف مفرد ایسی اچھی طرح پہچان لئے تھے کہ کتابوں میں سے آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر بتاتا پڑھتا تھا کہ اس کے ساتھ واہ واہ شاباش شروع ہوئی اس سے دل کی امنگ بڑھتی چلی اور ہردا کھلتا گیا مبتلا نہ مطالعہ دیکھتا نہ سبق یاد کرتا نہ آموختہ پڑھتا مگر ایک ہی دفعہ کے دیکھ لینے سے وہ سب ہم سبقوں میں میر ہی رہتا تھا۔ بدشوقی اور شوخی اور شرارت کی نسبت جو چاہو سو کہو پڑھنے لکھنے کے متعلق تو میاں جی کو اس کی شکایت کرنے کا موقع ملا نہیں۔ پرلے سرے کی بے توجہی اور حد درجے کی بدشوقی پر چھ برس میں اس کی فارسی کی استعداد ایسی ہوگئی تھی کہ مکتب کے لڑکے تو کیا خود میاں جی باوجودیکہ اچھے جیّد فارسی داں تھے اور درسی کتابیں بھی اُن کو خوب مستحضر تھیں۔ اس کو سبق دیتے ہوئے بھناتے تھے، مبتلا کو مکتب

کی تعلیم نے اتنا فائدہ پہنچایا کہ اُس کو ایک دوسرے ملک کی زبان جس
کے بدون اُردو کی تکمیل نہیں ہو سکتی اچھی خاصی آگئی مگر اُس
تعلیم سے اس کو ایک بہت بڑا نقصان بھی پہنچا جس کو اندر باہر
کسی نے جانا پہچانا نہیں یہ کہنا مشکل ہے کہ مبتلا کو اپنا حسین ہونا
کب سے معلوم ہوا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اس خاندان میں
صورت شکل کی بڑی پرچول رہتی تھی اس خاندان کی عورتوں
کے نزدیک تو دُنیا بھر کے ہنر، سلیقے، حسب، نسب، دولت، تندرستی
نیک مزاجی صاحب اولاد ہونا دینداری ساری نعمتیں اور برکتیں
ایک طرف اور گورا رنگ اور نقشہ ایک طرف صورت شکل تو
انسان کے اختیار کی بات نہیں خدا جس کو جیسا چاہتا ہے بناتا ہے
ایک ہی ماں کے پیٹ سے دس بچے پیدا ہوتے ہیں اور کیا
خدا کی قدرت ہے کہ دس کی دس شکلیں ورنہ ایک دوسرے
سے ملتبس ہو کر کوئی پہچان نہ پڑے انسان کے چہرے کی
بساط کیا اتنی ہی سی جگہ میں ہزاروں لاکھوں کروڑوں مختلف
نقشے یہ سب اُس کی قدرت کی دلیلیں ہیں آدمی اتنا سمجھے تو اپنے
چہرے مہرے پر ناز نہ کرے نہ دوسرے پر ہنسے مگر مبتلا کے
خاندان کو ایسے خیالات سے کیا واسطہ یہاں تو چھوٹے
بڑے بڈھے جوان بیاہے کوارے سب کو صورت شکل
کا پٹنا تھا۔ آپس ہی میں اسی صورت شکل کے پیچھے ایک

کی ایک سے نہیں بنتی تھی. ایک ایک کو چڑاتی ایک ایک کی نقلیں کرتی اور اگر اتفاق سے کنبے میں کوئی تقریب ہوتی اور یہ لوگ مہمان جاتے یا کہیں شامت کی ماری کسی نئی دلہن کو دیکھو آتے تو بس مہینوں ان کو صورتوں کا جھگڑا لگا رہتا یہاں تک کہ ان عورتوں کی ایسی عادتیں دیکھ کر لوگ ان سے ملنے میں مضائقہ کرنے لگے تھے مبتلاؔ کا ایسے خاندان میں پیدا ہونا اور پرورش پانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ جب اُس کو بات کے سمجھنے کا شعور ہوا تو شاید سب سے پہلی بات جو اُس نے سمجھی یہی ہوگی کہ حُسنِ صورت اس کو کہتے ہیں اور میں اس کا مصداق[1] ہوں۔ مگر جب تک مبتلاؔ زنان خانے کی نگرانی میں رہا اُس کی عمر ہی کیا تھی سات آٹھ برس اُس وقت تک وہ اتنا ہی سمجھ سکتا تھا کہ میٹھی چیز سب کو بھاتی ہے اور چونکہ وہ اپنے ذائقہ میں بھی اُس کی لذت پاتا تھا اُس نے سمجھا تھا کہ حقیقت میں بھانے کی چیز ہے آگ کو چھوتے ہوئے لوگ ڈرتے ہیں اور اُس نے بھی شاید دو چار بار اس سے چھکا کھایا ہو اُس سے اُس کو معلوم تھا کہ آگ سے جل جاتے ہیں غرض جس چیز کی نسبت لوگوں کو کہتے سُنا کہ اچھی یا بُری ہے آپ بھی تجربہ کیا تو ثابت ہوا کہ جس چیز سے آرام پہنچے دل کو خوشی

---

[1] یعنی میری صورت اچھی ہے ۱۲

ہو اچھی ہے اور جس سے ایذا پہنچے تکلیف ہو بُری۔ حُسن کی خوبی کی نسبت اس کو ایسا یقین کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا کیوں کر اُس کو حسن سے متلذذ ہونے کی اس وقت تک اہلیت ہی نہ تھی۔ مکتب میں بیٹھنے کے بھی ایک مدت بعد اس میں جوانی کے ولولوں کی تحریک شروع ہوئی اور جوں جوں یہ تحریک قوت اور اشتداد پکڑتی گئی اس پر پسندیدگی حسن کی وجہ منکشف ہوتی گئی۔ اسی کا تذکرہ گھر میں تھا اور اسی کا سبق مکتب میں اور اب لگا اندر سے دل بھی اسی کی گواہی دینے مبتلا نے جو زبان فارسی کے سیکھنے میں غیر معمولی ترقی کی اس کا بھی سبب یہی تھا کہ اکثر کتابیں نظم جن کو مبتلا کی صورت شکل کا آدمی بے مزا میر ذرا لے سے پڑھے تو اچھے خاصے نقلہ کو مجرے کا مزا ملے۔ مضمون دیکھو تو جھڑا عاشقی جس کے نام سے لو عمر آدمی کے مُنہ میں رال بھر آئے۔ مادّہ قابل طبیعت مناسب مبتلا کا تو حال یہ تھا کہ جو شعر عاشقانہ ایک بار بھی اس کی نظر سے گزرا دیکھتے کے ساتھ ہی کالنقش فی الحجر[1] ہو گیا غرض فیضانِ مکتب سے حضرت میں ایک صفت اور پیدا ہوئی یعنی عاشق مزاجی۔

---

[1] جیسے پتھر کی لکیر ۱۲

تیسری فصل مبتلا کا مدرسے میں تعلیم پانا اور بڑے لڑکوں کی صحبت میں آوارہ ہونا

مبتلا کے باپ کی تو پہلے ہی سے یہ رائے تھی کہ اس کو شروع سے مدرسہ میں بٹھایا جائے مگر عورتوں کو مبتلا کی اتنی مفارقت بھی گوارا نہ ہوئی ناچار پورے چھ برس میاں جی کو نوکر رکھ کر اُس کو گھر ہی پر تعلیم کرایا اب میاں جی کا بھی سرمایۂ معلومات ہو چکنے پر آیا اور فارسی کی درسی متداول کتابیں سب مبتلا کی نظر سے نکل گئیں اور بات صاف تو یہ ہے کہ مبتلا کے سر میں آب اور ہوا بھری ہوئی تھی اُس کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں یاروں کے جلسے دوستوں کی صحبتیں اور وہ گھر پر میسر نہ تھیں باپ نے کچھ اور سوچا مبتلا نے کچھ اور غرض سب کی صلاح سے مبتلا مدرسے میں داخل ہوا۔ گو مبتلا نے چھٹے برس مکتب میں تعلیم پائی مگر مکتب کیا تھا برائے نام اس کا جی بہلنے کے لئے چار پانچ ریزگی لڑکے اور بٹھائے گئے تھے۔ یعنی بحساب[1] چودہ برس کی عمر تک مبتلا بھونرے میں پلا اور دُنیا کی کسی قسم کی ہوا اُس کو نہ لگنے پائی اب جو مدرسے کی عربی جماعت میں داخل ہوا تو اُس نے دیکھا لڑکوں کا جنگل

---

[1] بحساب یعنی ایک حساب سے ۱۲۱۲

کہ سات سات آٹھ آٹھ برس کی عمر سے لے کر بیس بیس پچیس پچیس برس تک کے اچھے خاصے جوان ہر ذات کے ہر پیشے کے چار ساڑھے چار سو لڑکے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اگرچہ انگریزی، عربی، فارسی، سنسکرت ریاضی کی جماعتیں علیٰحدہ ہیں اور ہر جماعت کا کمرہ الگ مگر اوقات درس کے علاوہ سب ایک دوسرے سے بلا امتیاز آزادانہ ملتے بات چیت کرتے اور کھیلتے ہیں مبتلا کو یہ حال دیکھ کر بلا مبالغہ ایسی خوشی ہوئی جیسے کسی جانور کو قفس سے آزاد کر کے باغ میں چھوڑ دیا جائے۔ اب تک وہ یہی جانتا تھا کہ میاں جی مولوی ہوتے بڈھے ہی ہوتے ہوں گے کیوں کہ اس نے اپنے میاں جی کو دیکھا تھا پلکیں تک سفید یہاں مدرسے میں آکر دیکھا مدرس اکثر جوان کہ اب سے چار چار پانچ پانچ برس پہلے خود طالب علم تھے امتحان دیا کامیاب ہوئے زمرۂ مدرسین میں داخل کرلئے گئے اس کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ بعض مدرس اپنی جماعت کے بعض بعض طالب العلموں سے بھی کم سن ہیں۔ جس جماعت میں مبتلا داخل ہوا چونکہ عربی کی سب سے چھوٹی جماعت تھی اس میں طالب العلموں کی بڑی کثرت تھی رجسٹر میں تو ستر لڑکوں کا نام تھا مگر پچاس پچپن ہمیشہ حاضر رہتے تھے ان میں سے ایک تہائی کے

قریب مبتلا سے بہت بڑی عمر کے تھے اس جماعت کو جو مولوی صاحب پڑھاتے تھے جیسے اُن کی جماعت سب جماعتوں میں چھوٹی تھی ویسے ہی تمام مدرسوں میں خود بھی سب سے چھوٹے تھے. عُمر میں قد و قامت میں وقعت و وجاہت میں یعنی قسمت سے مدرس بھی ملے تو یار اُستاد۔ لونڈا تھا نکیلا اور طرح دار مدرسے کے احاطے میں پاؤں کا دھرنا تھا کہ یاروں نے مبتلا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعضے تو ٹکٹکی باندھ باندھ کر ایسی بُری طرح گھورتے تھے کہ گویا آنکھوں کے رستے کھائے جاتے ہیں پہلے ہی سے لڑکوں میں بہت سی ٹولیاں تھیں اب ایک بڑی بھاری اور نئی ٹولی مبتلا کی قایم ہوئی۔ ایک جماعت بندی تو سرکاری تھی کہ جس قدر لڑکے ہم سبق ہوتے سب کے سب وقت واحد میں ایک استاد سے پڑھتے مگر ایک جماعت بندی لڑکوں نے آپس میں ٹھہرا رکھی تھی جس کو ہم نے ٹولی سے تعبیر کیا۔ جس طرح سرکاری جماعت بندی کے اوقات مقرر تھے کہ مثلاً جب ریاضی کا گھنٹہ آیا عربی اور فارسی اور سنسکرت کی جماعتوں سے جو جو ریاضی کا پڑھنے والا تھا ماسٹر صاحب کی خدمت میں آحاضر ہوا اسی طرح ٹولیوں کے اجتماع کے بھی خاص اوقات تھے مدرسے کے وقت سے ذرا پہلے لڑکے سویرے مدرسے میں آپہنچتے یا جب ایک بجے نماز کے لئے ایک گھنٹہ کی چھٹی ہوتی یا مدرسہ برخاست

ہونے کے بعد ان تینوں وقتوں میں جو لڑکا جس ٹولی کا تھا اس میں
آملتا اور بعض بھٹیل بھی پڑے پھرتے تھے جو کسی ٹولی میں نہ تھے یہ
ٹولیاں ایک مجمع ناجائز تھیں اور ان کی اغراض مشترکہ تمام تر بیہودہ
مدرسے کے سارے انتظام اچھے تھے چیزیں وہ پڑھاتے جو دُنیا
میں بکار آمد ہوں۔ شوق کے مشتعل کرنے کو امتحان کا قاعدہ نہایت
عمدہ تھا فرداً فرداً ایک ایک لڑکے کو الگ الگ سبق پڑھانے
سے جماعت جماعت کو پڑھانے کا نہایت مفید طریقہ تھا اس سے
لڑکوں میں ایک طرح کی منافستؔ[1] پیدا ہوتی تھی کہ ایک پر ایک
سبقت لے جانی چاہتا تھا دوسرے ہم سبق ہونے سے ایک ایک
کی مدد کر سکتا تھا تیسرے لڑکوں کی لیاقت کا موازنہ اور مقابلہ بخوبی
ہو سکتا تھا۔ لڑکوں کو حاضر باشی کا پابند کرنے کے لئے ترتیب نشست
کا ردّ و بدل بھی بہت مؤثر تھا۔ پڑھائی اس قدر تھی کہ لڑکوں کے
تمام وقت کو مشغول رکھنے کے لئے بخوبی کافی تھی نوبت بنوبت
مختلف مضامین کے پڑھانے سے طبیعت ملول اور کُند نہیں ہونے
پاتی تھی غرض سبھی انتظام بھلے تھے مگر افسوس لڑکوں کے چال
چلن اور اخلاق کی طرف کسی کو مطلق توجہ نہ تھی ہر مدرس اس فکر
میں رہتا کہ جس چیز کا پڑھانا اُس سے متعلق ہے اس چیز کے
امتحان میں لڑکے برے نہ رہیں جب تک کوئی لڑکا اس شرط

[1] باہم ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا ۱۲

کو پورا کئے جاتا ہے اگرچہ چوری چھپے ناجائز طور پر دوسروں سے مدد لے کر ہی کیوں نہ ہو کسی کو اس کے کردار سے بحث نہیں۔ چوری کرو جھوٹ بولو۔ سربازار جوتی پیزار لڑو گالیاں دو اور گالیاں کھاؤ۔ شرافت کو بٹہ لگاؤ بدمعاشوں میں رہو اور بدمعاش بنو گیڑیاں کھیلو پتنگ لڑاؤ اکھاڑے میں جا کر ڈنڑ پیلو مگدر ہلاؤ گاؤ بجاؤ غرض تمہارا جو جی چاہے سو کرو مگر جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں اُن میں امتحان اچھا دو تو سکالرشپ بھی ہے انعام بھی ہے سُرخ روئی بھی ہے آفریں اور تحسین بھی ہے واہ واہ بھی ہے چھٹی بھی ہے سرٹیفکیٹ بھی ہے اور آخرکار نوکری بھی ہے۔ مدرس خوش پرنسپل صاحب راضی۔ مبتلا کی افتاد تو روزِ پیدائش سے بگڑی ہوئی تھی زنان خانہ میں پرورش پاتا تھا کہ اس کے دل میں بدی کا بیج بویا گیا۔ مکتب میں تھا کہ بیج کا درخت ہوا اب مدرسے میں آ کر وہ درخت پھولا اور پھلا گھر میں بچھڑا تھا مکتب میں بچھڑے کا بیل ہوا اور مدرسے میں بیل کا سانڈ۔ کسی قسم کی آوارگی نہ تھی جو اس سے بچی ہو اور کسی طرح کی بیہودگی نہ تھی جو اُس نے نہ کی ہو جس طرح مبتلا مدرسے کے بُرے لڑکوں کی صحبت میں بانکا چھیلا بنا طرح دار بنا مسخرہ بنا کوچہ گرد بنا ننگِ خاندان بنا اور کیا کیا بنا۔ اسی طرح مبتلا تخلص رکھ کر شاعر بنا اور نصیحتیں تو رفتہ رفتہ بھولی بسری ہو گئیں شاعری کی یادگار اس کا منحوس تخلص رہ گیا۔ ہم کو تو اس کے نام سے اس قدر

نفرت ہوگئی ہے کہ اس کے حالات کا دریافت کرنا کیسا سننے کو بھی جی نہیں چاہتا مگر خیر منہ پر بات آئی رک نہیں سکتی آٹھ برس یہ کمبخت مدرسے میں رہا آخر کچھ نہ کچھ تو پڑھتا ہی ہوگا کہ عربی کی دوسری جماعت تک اس نے ترقی کی دس روپے مہینہ وظیفہ پاتا تھا برس کے برس انعام بھی ملتے رہتے تھے ایک سال سُنا کہ ایسا اچھا امتحان دیا کہ تمغا ملا یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اور نہ اس سے آوارگی کا الزام رفع ہو سکتا ہے ہم کو اس کی ذکاوت کا حال معلوم ہے وہ اس بلا کا ذہین تھا کہ مدرسے کی پڑھائی کی اُس کے آگے کچھ حقیقت ہی نہ تھی۔ برس میں ایک بار تو امتحان ہوتا تھا اکثر انگریزوں کے بڑے دن سے پہلے پس امتحان کے مہینے ڈیڑھ مہینے آگے سے وہ تیاری کر لیتا ہوگا۔ لیکن فرض کیا کہ وہ اچھی طرح پڑھتا ہی ہو تو بدوضع کو پڑھنے سے فائدہ علم سے حاصل اُس سے جاہل بمدارج بہتر اَن پڑھ کہیں بھلا مدرسے سے پہر سوا پہر رات گئے بلکہ کبھی آدھی کبھی پچھلی رات کو تو اُس کا گھر میں آنے کا معمول شروع سے تھا اور پھر اچھی طرح سورج نہیں نکلا کہ اس کے شیاطین الانس[1] لگے گھر پر آکر کنڈی کھٹکھٹانے دستک دینے اور پکارنے سیٹی بجانے اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ تین تین چار دن تک برابر غایب ماں کو یہ تمام تفصیلی حالات معلوم تھے مگر اب اس کی

[1] شریر لڑکے ۱۲

محبت کا دوسرا رنگ تھا بیٹے سے اس قدر ڈرتی تھی جیسے قصائی سے گائے اس کے دل میں آپ سے آپ یہ خوف سما گیا تھا کہ بیٹا ہے ماشاء اللہ جوان ایسا نہ ہو میری بات کا برا مان کر کہیں کو نکل جائے یا اپنے تئیں ہلاک کرے تو میں کدھر کی ہوئی اس ڈر کے مارے بیچاری کبھی چوں نہیں کرتی تھی اور مبتلا نے اپنے تئیں اُس کے نزدیک ایسا ہوا بنا رکھا تھا کہ جب اُس کی صورت دیکھتی ہکا بکا ہو کر رہ جاتی پہلے سے بھی مبتلا کی شرارتوں کی باپ سے پردہ داری کی جاتی تھی اب انہیں شرارتوں کی بدکرداریاں ہو گئی تھیں ادھر شرارتوں میں ترقی ہوئی اُدھر پردہ داری میں زیادہ اہتمام ہونے لگا مگر باپ نے دھوپ میں ڈاڑھی سفید نہیں کی تھی بڈھا اُس چال ڈھال سے اُس کی گفتگو سے اُس کی کن انکھیوں سے تاڑ لیتا تھا مگر بی بی کا مغلوب[1] تھا اور خوب جانتا تھا کہ اس کو بیٹے کے ساتھ بلا کا شغف ہے اور یوں ابھی ہر کام میں مساہلت کرنا اس کی ہمیشہ کی عادت تھی اور انھیں وجوہ سے اس نے مبتلا کی اصلاح کی طرف کبھی پوری توجہ نہ کی اب جوان بیٹے کے کیا منہ لگتا ایک کہتا تو دس سنتا آخر اُس کے سوائے اور کچھ نہ سوجھ پڑی کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس کو پابند کر دیا جائے۔

---

[1] محبت، عشق ۱۲

چوتھی فصل مبتلا کا بیاہ اور اُس کا معاملہ بی بی کے ساتھ

یہ کب کی بات ہے کہ مبتلا کو مدرسے میں داخل ہوئے چوتھا برس شروع تھا۔ خوش حال باپ کا بیٹا صورت شکل کا اچھا بلکہ حد سے زیادہ اچھا پڑھا لکھا کماؤ دس روپے کا وظیفہ مدرسے میں اس روداد کے لڑکے کو بیٹیوں کی کیا کمی تھی قاعدے کے مطابق مبتلا کی طرف سے بیٹی والوں کے یہاں ابتداءً رقعہ جانا چاہیئے تھا مگر مبتلا کی ظاہری حالات دیکھ سن کر لوگ اس قدر ریجھے ہوئے تھے کہ کئی جگہ سے بیٹی والوں نے مُنہ پھوڑ کر رقعہ منگوا بھیجا دستور کی بات ہے کہ خریداروں کی کثرت ہوتی ہے تو بیچنے والے کے مغز چل جاتے ہیں مبتلا کی ماں بہنوں کا یہ حال تھا کہ کہیں کی بات ان کے خاطر تلے آتی ہی نہ تھی ورنہ کیا مبتلا جیسا اللہ آمین کا بیٹا سترہ اٹھارہ برس کی عمر تک کوارہ بیٹھتا اب تک تو اس کے ایک چھوڑ کبھی کے چار چار بیاہ ہو گئے ہوتے۔ اس گھر کی خوش حالی اتنی ہی تھی کہ قلعے کی تنخواہیں آسامیاں مکانات کا کرایہ ملا کر کل سوا سو روپے کی آمدنی تھی اور اس میں اتنا بڑا کُنبہ مگر وہ تو مبتلا کا باپ ایسا منتظم اور کفایت شعار آدمی تھا کہ اس نے اپنے سلیقے سے گھر کا بھرم بنا رکھا تھا اس حالت پر جہاں کہیں سے پیام آتا چھوٹتے کے ساتھ ایک دم

سے چاندی کا بھی نہیں سونے کے پلنگ کی فرمایش ایسے اصرار کے ساتھ ہوتی گویا کہ نکاح کی شرط اعظم ہے اور پھر معاملہ کی بات ہے جیسا لینا ویسا دینا ہیکڑی تو یہ تھی کہ لیں تو سنہرا پلنگ اور دینے کے نام پٹاری کے خرچ کے لئے ادھی نہیں کیونکہ ہمارے خاندان کا دستور نہیں۔ مہر شرع محمدی سو روپے کا چڑھاوا سو روپے کا جھومر۔ صورت شکل اپنی اپنی جگہ سبھی تلاش کرتے ہیں اور سمجھنے اور غور کرنے والے کو تو یہ بات ہے کہ باوجودیکہ ہر شخص خوبصورتی کا خواہاں ہے مگر بُری بھلی کالی گوری یہاں تک کہ کانڑی کھُدری اللہ کی بندیاں سبھی چلی جاتی ہیں ہم نے تو اتنی عُمر ہونے آئی کسی کو صورت کی وجہ سے کواری بیٹھے نہ دیکھا تاہم چونکہ مبتلا ایک خوبصورت خاندان کا آدمی اور خود بھی بڑا خوبصورت تھا اگر اُس کے لئے خوبصورت بی بی تلاش کی جاتی تھی تو کچھ بے جا بات نہ تھی مگر تلاش کرنے کے بھی طریقے ہوتے ہیں کہ عورتیں چوری چھُپے حیلے بہانے کسی نہ کسی طرح لڑکی کو یا تو خود کسی وقت دیکھ آتی ہیں یا اپنے دیکھنے کا موقع نہیں بنتا تو کسی کو بھیج کر دکھوا لیا کرتی ہیں یہاں تو یہ ضد کہ ہم تو اپنی آنکھ سے دیکھ بھال کر کریں گے۔ اور اپنے ہاتھوں سے لڑکی کے مُنہ میں مصری کی ڈلی دیں گے۔ کیسی کیسی جگہ سے پیام آئے کہاں کہاں رقعہ گیا مگر کہیں لین دین پر تکرار ہوئی کہیں صورت پسند نہ آئی۔ کہیں دیکھنے بھالنے کی شرط نامنظور ہوئی غرض کوئی بات ٹھیری ٹھیرائی نہیں

پچاسوں پیام منظور اور بیسیوں جگہ سے رقعہ واپس. رشتے ناطے کی بات چیت ہو کر چھٹم چھٹا ہو جانا یا رقعہ جا کر واپس آنا کچھ آسان نہیں ہے. بیٹی والے اس میں اپنی ہتک سمجھتے ہیں اور اُن کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک جگہ کا رقعہ واپس جائے گا تو دوسروں کو خدا جانے کیا کیا خیالات پیدا ہوں گے اکثر ایسے موقع پر دلوں میں رنجش آجاتی ہے خیر ایک دو جگہ بمجبوری ایسا اتفاق ہو تو مضایقہ نہیں نہ کہ مبتلا کا رقعہ آج بھیجا اور اُدبدا کر دس دن بعد ضرور اُلٹا منگوا لیا. جب متواتر واپسی رقعے کی نوبت پہنچی تو سارے شہر میں ایک غل سا پڑ گیا اور جہاں جہاں سے رقعہ واپس منگوایا گیا اُن کے ساتھ بیٹھے بٹھائے ایک طرح کی عداوت قایم ہوئی یہاں تک نوبت پہنچی کہ جن مشاطہ سے کہتے کانوں پر ہاتھ دھرتی جہاں رقعہ بھیجتے وہ لوگ لانے والے کے اندر آنے تک کے روادار نہ ہوتے پس اس خاندان کے ناز بے جا نے مبتلا کو ایسا نکو بنا دیا کہ اب کوئی اس کی بات کی ہامی نہیں بھرتا تھا رقعے کا بے ردّ و کد واپس آنا تو ممکن ہی نہیں ایک گھر کا تو ہم کو حال معلوم ہے کہ وہاں پہلے مشاطہ کی معرفت زبانی بات چیت ہوئی وہ لوگ ان کے کنبہ دار بلکہ کچھ دور کے رشتہ بھی تھے مہینوں سوال و جواب ہوتے رہے اکثر باتیں سطے ہو کر بعض کی نسبت کچھ تکرار در پیش تھی کہ یکایک ان کی طرف سے رقعہ جا موجود ہوا بیٹی والے خوش ہوئے کہ گفت و شنود کے بعد جو رقعہ آیا تو بس اُس کے یہی معنی ہیں کہ منظور کر لیا چنانچہ یہی سمجھ کر رقعہ تو رکھ لیا اور جواب

میں اتنا ہی زبانی کہلا بھیجا کہ ہم کو بسر وچشم منظور ہے خدا انجام اچھا کرے ان شاء
اللہ دو چار دن میں صلاح کر کے کوئی اچھی سی تاریخ ٹھیرا کر کہلا بھیجیں گے
سمدھنیں آ کر لڑکی کا منہ میٹھا کر جائیں پھر اللہ خیر کرے جب اُن کی مرضی
ہو گی بیاہ برات ہو رہے گا ہم تو اس وقت چاہیں تو اس وقت تیار ہیں ہمارے
یہاں ذرا دیر نہیں۔ جو عورت پیام لے کر گئی تھی مبتلا والوں نے اسی کے ہاتھ
کہلا بھیجا کہ پہلے ہماری شرطوں کے مطابق تحریری اقرار نامہ بھیج دیں تب
تاریخ ٹھیرائی جائے تاریخ کا ٹھیرانا ایسا کیا آسان ہے۔ یہ سن کر سب کو
سخت تعجب ہوا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ آخر مبتلا والوں کی طرف سے اپنی
رقعے کا تقاضا ہوا دن میں دو بار رقعے کے لئے آدمی جاتا اور ایسی سخت
سخت باتیں کہتا کہ گویا رقعہ کیا ہے مہاجن کا قرضہ ہے خیر ہار کر رقعہ واپس تو
کیا مگر اس طرح کہ مارے غصّہ کے نکال کر موہری پر پھینک دیا کہ کمخواب کی
تھیلی جس میں رقعہ دستور کے موافق لپٹ کر آیا تھا تمام کیچڑ میں لت پت
ہو گئی اور کہا کہ جاؤ اس کو شہد لگا کر چاٹو اور دیکھو خبردار لڑکے کی اماں سے
ضرور ضرور کہدینا کہ تم نے کنبے داری میں دو مہینے بات لگی رکھ کر آپ ہی رقعہ بھیجا
اور پھر آپ ہی اَن ہونی باتوں پر اصرار کر کے واپس منگوایا یہ کچھ بھلمنساہٹ کی بات
نہیں ہے ہم نے مانا کہ اُن کا بیٹا اُن کے لئے چوہے کو ہلدی کی گرہ اللہ آمین کا
ہے مگر دوسروں نے بیٹیاں کوڑے پر پڑی نہیں پائیں ایسی شرطوں سے جو نہیں
نہ دیکھیں اُنکو شہر میں تو انشاء اللہ بیٹی ملنے کی نہیں سونے کا پلنگ اُن کو مانگتے
ہوئے شرم نہیں آتی اس سے پہلے تین بیٹیاں بیاہ چکے ہیں اور ابھی اللہ رکھے آگے دو اور موجود ہیں

بیٹیوں کو توڑ ھنگ کے نواڑی پلنگ بھی نہ جڑے بیٹھے ہیں ایسا کیا سرخاب
کا پر لگا ہے کہ بدون سونے کے پلنگ کے اس کو نیند نہیں آتی اے نوج نگوڑا
ہیجڑا تھا جس کو سارا شہر تھُڑی تھُڑی کر رہا ہے۔ خدا نہ کرے جو کوئی بھلا
مانس اُس کو بیٹی دے منہ پر ہاتھ پھیر کر دیکھیں ناک رہی یا کٹ گئی۔ ہمارے
نزدیک اُدنیا جہان کے نزدیک تو جڑ بنیاد سے کٹ گئی جس گھر سے رقعے کی
واپسی کا مذکور ہے اس گھر کی عورتیں ایسی ملنسار تھیں کہ سارے شہر میں
ان کا حصہ بخرا جاتا تھا کہیں شادی بیاہ ہو کوئی دوسری تقریب ہو ان
کے یہاں ضرور بلاوا آتا اور یہ بھی اپنے یہاں کی چھوٹی بڑی تقریبات میں
سبھی کو بلاتے۔ سبھی کو یکساں پوچھتے تھے۔ ان عورتوں نے
ضد میں آکر مبتلا کا اچھی طرح خاکا اڑایا اور سارے شہر میں خوب ڈھنڈورا
پیٹا اور رسوا کیا غرض اس گھر کے بگاڑنے رہی سہی اور بھی آس توڑ دی۔
اب شہر میں مبتلا کی نسبت ناطے کا ہونا محال تھا بہت قریب کے
رشتہ داروں میں جس قدر بیٹیاں تھیں مبتلا تھے تو بڑے لاڈلے
دودھ پی پی کر ان سب کو رضاعی بہنیں بنا چکے تھے مبتلا کے نزدیک
نہ دور کے رشتہ داروں میں وہی مثل تھی۔ ازیں سو راندہ و زاں
سو درماندہ۔ اب صرف ایک گھر رہ گیا کہ ہو تو وہیں ہو ورنہ مبتلا ساری
عمر کوارا پڑا پھرے مبتلا کی پھوپی دلی سے دس بارہ کوس سید
نگر میں بیاہی ہوئی تھیں وہ لوگ زمیندار تھے مگر زمینداروں میں
سربرآوردہ بڑے بڑے سالم چھ گاؤں کے مالک ان کے بزرگ

تو مہمانداری اور مسافر نوازی اور داد دہش میں دُور دُور مشہور تھے
مگر اب کثرت پٹی داری کے سبب نہ ویسی آمدنی تھی نہ وہ دل قرب
شہر کی وجہ سے رعایا شوخ حصہ داروں میں طرح طرح
کی تکراریں غرض ہمیشہ ان میں کے دو چار آدمی مقدموں کی پیروی
کے لئے شہر میں موجود رہتے تھے جس طرح دائم المرض اپنی دوا
کرتے کرتے حکیم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ لوگ مقدمے لڑتے لڑتے
ایسے قانون داں ہو گئے تھے کہ بیرسٹروں کو مات کرتے وکیلوں کی
کچھ حقیقت نہ سمجھتے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لڑائیاں مول لیتے اور تلاش
کر کر کے جھگڑے خریدتے قرب وجوار میں یہ لوگ ایسے لڑاکو اور جھگڑالو
مشہور تھے کہ لوگ ان سے رشتہ ناطہ کرتے ڈرتے تھے رفعے کا پہنچا تو
بہت بڑی بات تھی اگر ان کے یہاں جھوٹوں بھی تذکرہ ہوتا اور یہ
چاہتے تو سچوں سر ہو جاتے اور کچھ ایسے قانونی اڑنگے لگاتے کہ کسی کی ایک
نہ چلتی مگر مبتلا کو کوئی دوسرا گھر نہ تھا خدا ایسا ان کے غرور کو ڈھایا
کہ کس کا پلنگ اور کہاں کا دیکھنا بھالنا مبتلا کی ماں گئیں اور منگنی ٹھہرا
کان دبا کر چپکی چلی آئیں اور اگر ذرا بھی چیں چپڑ کرتیں تو فوجداری کے
استغاثوں اور دیوانی کی نالشوں کے مارے ہوش بگڑ جاتے اب
مبتلا کی منگنی کو منگنی نہ سمجھ بلکہ بیچ ڈالنا یا غلام بنا دینا یا عمر قید
سمدھیانے تو برابر ہی کے اچھے ہوتے ہیں خیر اٹھارہ بیس تک کے
فرق کا مضائقہ نہیں مگر یہاں تو سید نگر والوں کی اس قدر ہیبت

چھا رہی تھی کہ جیسے کسی بڑے جابر کوتوال کی اُدھر سے حکم ہوتے تھے اِدھر سے تعمیل اُدھر سے فرمائش اِدھر سے بجا آوری اُدھر سے ناز اِدھر سے تعمیل اُدھر سے فرمائش اِدھر سے بجا آوری اُدھر سے ناز اِدھر سے نیاز بعد چندے انھوں نے کہلا بھیجا کہ اگلے مہینے کی دسویں کو اس طرح ساز و سامان کے ساتھ بارات یہاں پہنچے و بیاہ ہی ہوا تیس ہزار روپیہ مہر ماننا ہوگا۔ اور مان لیا ہزار روپیہ جوڑے چڑھاوے کا نقد دینا ہوگا اور دیا پچیس روپے مہینہ ٹہاری کا خرچ لکھوانا چاہا اور لکھوا لیا۔ مگر بات یہ ہے کہ سید نگر والوں نے بیٹی کو دیا بھی تو اتنا کہ سونے کا پلنگ تو نہ تھا شاید ان کے یہاں کا دستور نہ ہوگا مگر گلے اور کانوں کا اور سر کا سارے کا سارا زیور دوہرا الا جڑاؤ الگ شادی بیاہ میں پہننے کا اور سادہ الگ ہر روز کے استعمال کا غرض سید نگر والوں نے بیٹی کا بیاہ اپنے نام کے مطابق کیا دلّی میں اتنا جہیز ملنا مشکل تھا لوگ باہر کی سوجھا اور مال و اسباب کی فہرست دیکھ کر پانچ ساڑھے پانچ ہزار کا جہیز آنکتے تھے اوپر کا خرچ الگ سو گھر کا دھڑیوں گھی اور منوں غلّہ زمینداروں کے یہاں اس کا حساب کیا۔ اُنیسویں برس مبتلا کا بیاہ ہوا جہیز کے اعتبار سے تو دلہن بہت اچھی پائی ذات جماعت کچھ پوچھنی نہ تھی سگی پھوپھی کی بیٹی رہی صورت کوئی چیز تو چنداں بری نہ تھی بلکہ الگ الگ دیکھو تو رنگ بھی گورا نہیں تو کھلتا ہوا چینئی آنکھ۔ ناک۔ دہانہ

بانکا۔ بانگا۔ کسی میں کوئی خاص عیب نہ تھا۔ ہاں چہرے کی عجوبہ سی بناوٹ میں خدا جانے کیا بات تھی نزاکت اور جسم میں جامہ زیبی نہ تھی ہزار بیبیوں میں بیٹھی ہو تو صاف پہچان پڑتی کہ باہر کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مبتلا کے پہلو میں رہی سہی اور بھی بے رونق معلوم ہوتی تھی جن دونوں مبتلا کا بیاہ ہوا وہ اپنے آپے میں نہ تھا نشۂ شباب میں سرشار اور بدمست سیر تماشوں میں منہمک وہ اپنے بیاہ برات کی خبر سن کر خوش ہوتا تھا مگر صرف اس لئے کہ طرح طرح کے دیکھنے میں آئیں گے۔ شادی کی تیاریاں دیکھ کر مسرت ظاہر کرتا تھا مگر فقط اس غرض سے کہ گانا سنیں گے وہ اگر سمجھ کو کام میں لاتا تو اس کی سمجھ رسا تھی اور جان سکتا تھا کہ بیاہ کیا چیز ہے اور بیاہ سے کس طرح کی ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ مگر وہ دنیا کے کام میں مطلق غور کرتا ہی نہ تھا اس نے ایک لمحے کے لئے بھی بیاہ کے انجام کو نہ سوچا اس نے نکاح کے وقت قبلت[1] کہا گویا کہ کھیل ہے اقرار نامہ پر دستخط کئے یعنی ہنسی ہے اُس کو بی بی کی طرف ملتفت ہونا چاہئے تھا اور ملتفت ہونے کی اُس کی عمر بھی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں ڈھونڈھتی تھیں ناز و کرشمہ عمزہ و ادا ٹھک چمک وہ شریف زادیوں میں کہاں اور خصوصاً دیہات کی شریف زادیوں میں پس اُس نے بی بی کو دیکھا

---

[1] میں نے قبول کیا۔ نکاح کے وقت ایجاب و قبول اسی طرح ہوتا ہے۔

ناپسندیدگی سے استکراہ سے اور ناخوشی سے اور بی بی کے ساتھ اُس کی لشتم پشتم گزرنی گئی اور آپس میں دلبستی محبت ومؤانست پیدا نہ ہوئی جیسی سنے کیا ہے ہوتے دولہا دُلہن میں ہونی چاہیئے اور عموماً نہیں تو اکثر ہوا بھی کرتی ہے علاوہ اس کے مبتلا کو ابھی اپنی ہی پرداخت سے فرصت نہ تھی سو دلہنوں کی ایک دُلہن تو وہ آپ بنا بنایا سنگھار میں ہر دم مصروف زیب وزینت میں ہر لحہ مشغول وہ خود ہی اپنی حُسن صورت پر اس قدر فریفتہ تھا کہ آئینہ دیکھنے سے کبھی اُس کو سیری ہی نہیں ہوتی تھی اس کو یہاں تک خبط نے گھیر رکھا تھا کہ راستہ چلتا تو مڑ مڑ کر اپنے سایہ کو دیکھتا جاتا۔

پانچویں فصل مبتلا کی مصیبتوں کا آغاز اور اُس کی بدکرداریاں

بیاہ تک مبتلا کی زندگی نہایت ہی بے فکری سے گزری اُس نے چودہ برس کی عمر تک گھر میں ایسے عیش وآرام کے ساتھ پرورش پائی کہ کمتر کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ مدرسے میں اس کے یاردوستوں نے ماں باپ سے بڑھ کر اس کی نازبرداریاں کیں مگر اب اُس کے عیش کی مدت آرام کی مہلت پوری ہو چکی تھی اور یہی حال ہے دُنیا کی

تمام حالتوں کا کہ راحت ہے تو ایک وقت خاص تک اور مصیبت ہے تو وہ بھی ایک میعاد مقرر تک نہ اُس کو ثبات اور نہ اس کو قیام وہ عارضی اور یہ چند روزہ جن کو خدا نے عقل سلیم دی ہے وہ ہر حالت کو اسی طور پر انگیز کرتے ہیں کہ اس کے زائل ہونے پر ان کو ملال نہ ہو تا سعت نہ کر نا پڑے اتنا نہیں کھاتے کہ تخمہ ہو ایسے دوڑ کر نہیں چلتے کہ ٹھوکر لگے عادتوں کو طبیعت نہیں ہونے دیتے اور امور اتفاقی کو ضروری نہیں سمجھ لیتے۔ لیاقت یا ہنر یا صفت یا جوہر یا خوبی یا مابہ الامتیاز یا سرمایۂ فخر و ناز یا ذریعۂ تعلیف یا وسیلۂ تقرب جو کچھ سمجھو مبتلا کے پاس ایک حُسن صورت تھا اور بس یہی ایک چیز تھی جس کی وجہ سے وہ ہر دل عزیز تھا یہی عمل تھا یہی تسخیر تھی یہی کیمیا اور یہی اکسیر تھی میں تو اس کی سترھویں برس بھیگنے لگیں اٹھارہویں میں تو اس کی اچھی خاصی ڈاڑھی نکل آئی شعر

گیا حسن خوبانِ دل خواہ کا
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

اور ڈاڑھی بھی نکلی تو اس کثرت سے کہ ماتھا اور ناک اور آنکھوں کی جگہ چھوڑ کر کہیں تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہی جب ڈاڑھی نکلنے کو ہوئی اگر مبتلا اُس کو اُس کے طور پر نکلنے دیتا تو برس سوا برس وہ اور بھی حسینوں کے زمرے میں گنا جاتا

لہ یعنی جس کی وجہ سے اس کو ہم چشموں میں امتیاز ہو ۱۲

اور سبزۂ خط اس کی گوری رنگت پر خوب کھلتا مگر اس نے غلطی یہ کی کہ روئیں نمودار ہوتے ہی اُسترا پھروا دیا اُسترے کا پھروانا تھا کہ پھدپھدا کر ایک کی جگہ دس روئیں اور روؤں کی جگہ کالے کرخت بال نکل پڑے اور چہرے کی جلد پر جو ماء الشباب[1] کا ایک قدرتی روغن تھا وہ بھی گیا گزرا ہوا اب روکھی کھال رہ گئی اور اُس پر ہزار ہا بال۔ یہ پہلی مصیبت تھی جو مبتلا پر نازل ہوئی اور اُس نے اُس پہلی کیفیت کے اس قدر جلد زائل ہو جانے کا سخت رنج کیا اور جب اس کے اُن دنوں کے خیالات پر نظر کی جاتی ہے۔ تو اُس کا رنج حق بجانب بھی تھا رفتہ رفتہ زوالِ حسن کا اثر اس کی حالت پر مترتب ہونے لگا۔ جو لوگ اُس کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے نفرت اور جو درپے تھے گریز کرنے لگے ؎

یار اغیار ہو گئے اللہ
کیا زمانے کا انقلاب ہوا

گرم صحبتوں کی جگہ صاحب سلامت رہ گئی وہ بھی دور کی اختلاط کے عوض راہ گزر کی مٹ بھیڑ وہ بھی اتفاقی۔ اس کی طرزِ معیشت نے ادّعائی ضرورتوں کو اور ادعائی ضرورتوں نے خرچ کو اتنا بڑھا دیا تھا کہ مدرسے کا وظیفہ اور اُس کا چہار

---

[1] جوانی کی آب ۱۲

چند اس کو بمشکل وفا کرتا اب ادھر اس کے اعوان و انصار دست کش ہوئے اُدھر جو گھر سے مدد ملتی تھی اس میں بی بی نے حصہ بٹوانا شروع کیا ضرور نہیں اگر جائز اور واجبی ہو نہیں گھر سے مدد ملتی مگر حاجتیں ناجائز اعتراض بیہودہ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل جی للچاتا اور ناچار ضبط کرتا طبیعت بھر بھراتی اور بمجبوری پیتے کو مارنا انگریزی کی کہاوت ہے کہ مصیبتیں ایک ایک کر کے نہیں آتیں یعنی جب آنے کو ہوتی ہیں تو بس ایک تار بندھ جاتا ہے۔ مبتلا کے بیاہ کے بعد سے تو گویا اس کہاوت کے سچا کرنے کو موتیں کچھ ایسی تار بڑ تور ہوئیں کہ پانچ برس کے اندر ہی اندر جتنے بزرگ تھے کیا مرد کیا عورت ایک کے بعد ایک سبھی تو رخصت ہوئے بہنیں بیاہی جا کر اپنے گھروں میں آباد تھیں بس اب تن تنہا مبتلا رہ گیا۔ اور ایک بی بی کہ وہ بھی اس کی بے التفاتی کی وجہ سے پہلے تو اکثر میکے میں رہتی تھی چوتھے پانچویں مہینے مہمان داخل سسرال آ گئی اب کوئی برس دن ہوا تھا کہ ماں اور باپ دونوں کے مر جانے سے بھائیوں نے ترکے سے محروم کرنے کے لئے ملانا چلانا مطلقاً موقوف کر دیا تھا اور بمجبوری نہایت کس مپرسی کی حالت میں مبتلا کے یہاں ڈھئی دیے پڑی تھی مبتلا پر مصیبتوں کا ایسا پہاڑ ٹوٹا تھا کہ اگر وہ ذرا بھی عقل سلیم رکھتا ہوتا تو ساری عمر اس تازیانے کو نہ بھولتا۔ مگر اس کے دل پر مہر لگی ہوئی تھی

اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا کیسی عبرت اور کس کا ڈر نامطلق العنان ہوتے ہی لنگوٹی دوڑنے پویہ بھاگنے یہاں تک کہ جن حرکتوں کو پہلے چُراتا چھپاتا تھا اب کھلے خزانے ان کے کرنے میں ذرا بھی نہ ٹھہرتا تھا باپ کے مرتے ہی میدان خالی پاکر تعزیت کے حیلے اور غمگساری کے بہانے سے دوست آشناؤں نے پھر اُس کو آن گھیرا اور وہی اپنی قدیم بیٹھک اُس کو پڑھا پلے جہلم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ جلسے شروع ہوگئے۔

چھٹی فصل مبتلا کے چچا کا حج سے واپس آنا

مبتلا کے حقیقی چچا میر متقی ایک مدت سے نواب رام پور کی سرکار میں نوکر تھے اور وہیں ایک شریف خاندان میں اُنہوں نے اپنا نکاح بھی کرلیا تھا مبتلا ان دنوں مکتب میں پڑھتا تھا کہ میر متقی دلی ہوکر کھائی سے ملتے ہوئے حج کو گئے ارادہ تو صرف حرمین شریفین کی زیارت کا کرکے گئے تھے۔ مگر وہاں پہنچ کر یہ خیال ہوکہ سالہا سال کے ارادے میں تو اب بمشکل گھر سے نکلنا ہوا کیا معلوم کہ اب زندگی میں پھر یہاں آنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ لاؤ لگتے ہاتھوں جہاں تک ہوسکے تو زیارتیں

کر لو۔ پورے تین برس تو زیارتوں میں لگے پھر تین برس تک متواتر ایسا اتفاق پیش آ گیا کہ جب واپسی کا ارادہ کرتے تھے۔ بیمار ہو ہو جاتے تھے غرض ساتویں برس لوٹے تو بمبئی میں پہنچ کر انھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ بھوپال میں اُستاد سے احمد آباد میں پیر سے اور دہلی میں بھائی سے ملتا ہوا رام پور جاؤں گا۔ دہلی میں داخل ہوئے تو تھوڑی رات گئی تھی سیدھے بھائی کے دروازے پر آ کھڑے ہوتے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ پھاٹک بند اور طبلے کی تھاپ کی آواز اندر سے چلی آ رہی ہے سمجھے کہ ناچ ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں بڑے زور کے قہقہے سُنائی دیئے معلوم ہوا کہ بھانڈ نقلیں کر رہے ہیں میر متقی کو پہلے ذرا سا دھوکہ ہوا کہ میں نے گھر کی شناخت میں تو غلطی نہیں کی گلی کے نکڑ تک لوٹ کر گئے اودھر دیکھا اُدھر نگاہ کی بلاشبہ سات برس کے عرصہ میں تھوڑے بہت تغیرات بھی ہوئے تھے مگر نہ اس قدر کہ آدمی جہاں پیدا ہوا پرورش پائی بڑا ہوا رہا سہا اس گھر کو نہ پہچانے پھر خیال ہوا کہ شاید بھائی نے اس گھر کو چھوڑ دیا ہو۔ اسی سوچ میں کھڑے تھے کہ ایک شخص گلی کی طرف لپکا ہوا چلا آ رہا تھا جب ان کے برابر آیا اُنھوں نے اس سے پوچھا کیوں صاحب یہ کون سی گلی ہے وہ یہ کہتا ہوا اپنی دھن میں چلا گیا کہ اس کو سادات کا کوچہ کہتے ہیں۔ اب ان کو اس کا تو یقین کامل ہو گیا کہ گھر کے پہچاننے میں مجھ سے غلطی نہیں ہوئی اب

اتنی بات اور رہ گئی کہ بھائی اُس گھر میں ہیں یا نہیں - اس شخص کی جلدی نے ان کو اس کے پوچھنے کی مہلت نہ دی - اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھے سے آدمی بغل میں بچھونا دبائے لکڑی ٹیکتے ہوئے اندر گلی سے آہستہ آہستہ چلے آ رہے ہیں ان سے تھوڑی دور پیچھے ایک جوان سا آدمی ہے اور ذرا تیز چل رہا ہے یہاں تک کہ جب بڑے میاں کے برابر آیا تو کہنے لگا کہ اے حضرت خیر ہے یہ اس وقت آپ بچھونا لئے ہوئے کہاں جا رہے ہیں - لائیے بچھونا مجھکو دیجئے میں پہنچا دوں بڑے میاں نے کہا نہیں بھائی تم کیوں تکلیف اُٹھاؤ بچھونے میں ایسا کیا بوجھ ہے کیا کریں جب سے بیچارے میر مہذب مرے اُن کا لڑکا خدا اُس کو نیک ہدایت دے بُری صحبت میں پڑ گیا ایسا آوارہ ہو رہا ہے کہ سارے سارے دن اور ساری ساری رات گھر میں دھما چوکڑی مچی رہتی ہے ہم ٹھیرے دیوار بیچ اُن کے پڑوسی اتنا نہیں بن پڑتا کہ گھر میں دو رکعت نماز اطمینان سے پڑھی جائے ناچار میں تو اس مسجد میں چلا جاتا ہوں - متقی بھائی کے مرنے کی خبر سُن کر قریب تھا کہ چکر کھا کر وہیں زمین پر گر پڑے مگر آدمی تھا دیندار اُس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[1] کہکر ضبط کیا اور اپنے تئیں

---

[1] ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کے پاس لوٹ کر جائیں گے ۱۲

سنبھالا اور سوچا کہ اگر گھر چل کر دستک دوں پکاروں تو نقار
خانے میں طوطی کی آواز کون سُنے گا اور فرض کیا چیخنے چلانے سے
دروازہ کھلا بھی تو رات گئی ہے زیادہ سب کو تکلیف ہوگی رونا پیٹنا
پڑے گا ماتم برپا ہوگا بہتر ہے کہ رات کو کہیں پڑ رہوں پھر خیال کیا
پاس کے پاس اسی مسجد میں ٹھیر جانا مناسب ہے کہ بڑے میاں سے
اور بھی حالات دریافت ہوں گے مسجد میں گیا اور وضو کرکے نماز
پڑھی دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے بھائی سے اس کو محبت تھی بہت
یوں بھی ہمیشہ غائبانہ اس کے حق میں دعائے خیر کیا کرتا تھا۔
اب جو حضرت موسیٰ کی دعا اس کو یاد آئی اور اُس کے منہ سے
نکلا رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِاَخِي وَاَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ
اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ جی بھر آیا اور بے اختیار اتنا رویا کہ ہچکی
بندھ گئی۔ جس کے دل کو یکایک اتنا بڑا صدمہ پہنچا ہو اس کو بھوک کیا
لگے اور نیند کیوں کر آئے ساری رات گزر گئی کہ صحن مسجد میں ننگے سر بیٹھا
ہوا کبھی کچھ پڑھ پڑھ کر بھائی کی روح کو بخشتا تھا۔ اور کبھی اُس
کی مغفرت کے لئے خدا کی درگاہ میں زار نالی کرتا تھا۔ سفیدۂ
صبح نمودار ہوتے ہی اول وقت فجر کی نماز پڑھی اور پھر

لے اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے بھائی کو بخش اور ہم کو اپنی رحمت میں
داخل کر تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے ۔

اشراق تک معمولی اوراد میں مشغول رہا جب نافلہ اشراق سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ بڑے میاں بھی اپنا بچھونا لپیٹ لپاٹ کر گھر جانے کی تیاری کر رہے ہیں اُن کو ضعیفی کے سبب ذرا دھندلا بھی نظر آتا تھا متقی نے اُن کو پہچان کر السلام علیک کی اور قریب جا کر اپنے تئیں پہچنوایا اور رات کا ماجرا کہہ سنایا بیٹے تو میر مہذب کی صحبتوں کو یاد کر کے بڑے میاں بھی آب دیدہ ہوئے اور متقی تو رات سے رو رہا تھا سفر کا تکان ساری رات کا فاقہ جاگنا اور رونا آنکھیں سوج گئی تھیں منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی بارے بڑے میاں نے بہت کچھ سمجھایا اور دُنیا کے دستور کے مطابق صبر کی تعلیم کی اور کہا میاں مرحوم تو اللہ کے نیک بندے تھے یہاں بھی اپنی اچھی گزار گئے اور ان شاء اللہ وہاں بھی اُن کے لئے اچھا ہی اچھا ہے وہ اگر مرے تو اپنی عمر سے مرے اور ایک نہ ایک دن سبھی کو مرنا ہے بڑا رونا اُن کے فرزند ناخلف کا ہے کہ اپنے کردار ناسزا سے مرحوم کی روح کو ایذا دے رہا ہے اب تم باپ کی جگہ ہو اس کو سنبھالو اگر ہو سکے اُس کو روکو اگر بن پڑے۔ گھر کے نصیب اچھے ہیں کہ تم آ پہنچے خدا کو کچھ بھلا کرنا منظور ہے کہ تم کو بھیجا ابھی وقت ہے اگرچہ تنگ ہے۔ موقع ہے گو اخیر ہے اب تم یہاں مسجد میں اکیلے بیٹھ کر کیا کرو گے میرے ساتھ

ا؎ طلوع آفتاب کے بعد کی نماز نفل ۱۲

چلو تمہارے بھتیجے صاحب تو کہیں دوپہر تک اُٹھیں گے وہ بھی اُٹھائے سے تب تک میرے گھر کچھ ناشتا کر دہم بھی کوئی غیر نہیں ہیں تمہارے بھائی صاحب خدا اُن کو جنت نصیب کرے ہم کو عزیزوں سے بڑھ کر سمجھتے تھے کیا تم کو یاد نہ ہو گا۔ غرض میر متقی بڑے میاں کے ساتھ ساتھ چلے تو سارے رستے بھائی کا تصور پیش نظر تھا اور قدم قدم پر ایسا خیال ہوتا تھا کہ بھائی سامنے سے چلے آ رہے ہیں پیچھے سے پکار رہے ہیں اُس دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے ہیں اُس دوکان والے سے کچھ کہہ رہے ہیں کیوں کہ اپنے اتفاقات متقی کو بھائی کی زندگی میں صدہا بار پیش آ چکے تھے اُن ہی باتوں کی یادداشت اب تازہ ہو گئی۔ متقی رات سے بہتیرا رو بھی چکا تھا اور اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب اگر رونا آئے گا بھی تو روکوں گا ضبط کروں گا۔ مگر جوں جوں گھر کی طرف پاؤں اُٹھتا تھا دل کی کیفیت متغیر ہوتی چلی جاتی تھی یہانتک کہ دروازہ پر پہنچ کر تو نہ تھم سکا اور بے اختیار پکار کر رو دیا رونے کی آواز سن کر پاس پڑوس سے لوگ جمع ہو گئے پھاٹک تو باہر کی طرف سے نہ کھلوا سکے اندر ہی اندر کھڑکی کی راہ پہلے زنان خانے میں اور پھر مردانے میں خبر پہنچی۔ مبتلا اور اُس کے جیسے کے شرکا ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کہرؔ وا دیکھ اور پھیر دیں سن کر سوئے تھے

ؔ کہار دن کی طرح کا ناچ جو بازاری عورتیں مردانی ٹوپی اوڑھ کر ناچتی ہیں ۱۲

میر متقی کا آنا سُن کر سب کی نیندیں اُچاٹ ہو گئیں اور سب کے ہوش اُڑ گئے جو لوگ اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے بھانڈوں اور رنڈیوں کو بخوا رہے تھے اب لگے آپ ناچے ناچے پڑے پھرنے چاہتے تھے کہ نکل بھاگیں مگر راستہ کہاں تھا پھاٹک پر تو خود میر متقی صاحب اور اُن کے ساتھ محلّے کے چالیس پچاس آدمی کھڑے ہوئے تھے زنان خانے میں ہو کر جانا چاہتے تھے تو پہلے مُہرے پر گھروالی تھی کہ وہ میاں کے سامنے تو لومڑی یا بھیگی بلی جو کچھ تھی سو تھی مگر ان بدذاتوں کے حق میں خاصکر اس وقت شیرنی سے کم نہ تھی اس کے علاوہ زنان خانے سے اگر باہر جانے کا راستہ تھا تو دوسرے لوگوں کے گھروں میں سے ہو کر تھا وہ بھلے مانس ان بلاؤں کا اپنے یہاں سے ہو کر گزرنا کیوں جائز رکھتے غرض وہ سب کا سٹپٹانا اور ایک کا ایک سے پوچھنا اور ایک ایک کے سامنے ہاتھ جوڑنا ایک ایک کے پاؤں پڑنا ایک تماشہ قابلِ سیر ایک کیفیت تھی لائق دید کہ رنڈیاں جو اپنے حُسن کے غرور میں کسی کے ساتھ سیدھی بات تک نہیں کرتی تھیں اب ایک ایک کے آگے بچھی جاتی تھیں کہ خدا کے لئے کہیں ہم کو پناہ دو ایک ایک کے پیچھے لپٹی تھیں۔ کہ لِلّٰہ ہمیں نکال کر کہیں لے چلو ایک پکارتی تھی میں انعام اکرام سے باز آئی مجھے راستہ بتاؤ دوسری چلاتی تھی مجھے مجرے کی کوڑی مت دو مگر کسی ڈھب سے

گھر پہنچا۔ رات کے جلسے میں ایک طائفہ چلبلا بھانڈ کا بھی تھا ان کمبختوں کو سفے الوقت خوب سوجھتی ہے۔ ادھر تو یہ تمام ہل چل مچی ہوئی تھی اور اُدھر چلبلا بے طلب بے فرمائش تیار ہو اپنے ساتھیوں کو جمع کر لگا نقل کرنے۔

نقل - ایک اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑا دوڑا لوگوں کو ہٹاتا ہوا آتا ہوا پھرنے لگا کہ کیا ہے جی کیا ہے کلہ کا غل ہے کیوں شور مچا رکھا ہے دوسرا بولا اے احمق تو نے نہیں سُنا کہ حضرت کے چچا مکہ معظمہ سے تشریف لاتے ہیں۔ پہلا۔ کون چچا ابوجہل یا ابولہب۔ دوسرا (پہلے کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مار کر) چپ مردود کیا کفر بکتا ہے ابے حضرت پیغمبر صاحب کے چچا نہیں ہمارے (مبتلا کی طرف اشارہ کر کے) حضرت پیرو مرشد کے چچا پہلا ہاں۔ الحمد للہ پھر ڈرنا کیا ہے آؤ ہم سب مل کر بھی اُن کو چچا بنائیں حج نصیب ہونے اور سلامتی سے واپس آنے کی مبارکباد دیں ناچ دکھائیں گانا سُنائیں۔ دوسرا (پہلے کے منہ پر ایک طمانچہ مار کر) ابے توبہ کر توبہ کہیں اوپر سے چھت نہ گر پڑے سید آل رسول مولوی حاجی جو ابھی خدا کے گھر سے پھر کے ہوتے چلے آ رہے ہیں کہیں (ناچ دیکھنا حرام اور گانا سننے میں دنگا ناسُننا ممنوع) اُن کے نزدیک رنڈیاں جہنم کی چھپکیاں ہیں

ا۔ عین وقت پر ۱۲

اور بھانڈ دوزخ کے کندے. پہلا ہائے میرے اللہ رنڈیوں نے وہاں بھی بھانڈوں کو نہ چھوڑا نرے کندے ہوتے تو ذرا دیر میں تو جلتے اور کیوں صاحب یہ سب لوگ (مبتلا اور اُس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے) کیا ہوں گے۔ دوسرا۔ ان کو کہتے ہیں کہ بھاڑ میں بھونے اور کڑہائی میں تلے اور بھٹی میں جلائے جائیں گے۔ پہلا (دونوں ہاتھوں کو کلوں پر ہَولے ہَولے تھپڑ مار کر اور خوف زدہ آنکھیں بنا کر) الٰہی توبہ الٰہی توبہ خدا دوزخ کی آنچ سے بچائے اور بھانڈوں کو بھوت بنائے آسیب بنائے جو چاہے سو کرے مگر دوزخ کے کندے نہ بنائے بھلا پھر یہ حاجی صاحب چاہتے کیا ہیں. دوسرا۔ چاہتے یہ ہیں کہ نمازیں پڑھو روزے رکھو خدا کی بندگی کرو جو روپیہ رنڈیوں اور بھانڈوں کو دیتے ہو غریبوں اور محتاجوں کو دو۔ پہلا۔ بھئی بات تو واجبی ہے رنڈیوں کا دینا تو محض فضول ہے رہے بھانڈ ان سے بڑھ کر غریب محتاج اور کون ہوگا یہ کہہ کر عمامہ باندھ پائنچے ٹخنوں سے اونچے کر جہاں کھڑا تھا اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ منہ ہی منہ میں کچھ بڑ بڑانے لگا گویا امام بنا اور نماز شروع ہوئی۔ مسخراپن تو یہ تھا کہ نیت باندھ چکا ہے اور پھر ایک طرف کہہ رہا ہے کہ بس بے تاتی بچا ٹاٹ کھول دو اور مولوی یا حافظ یا حاجی یا زدار یا واعظ جو ہوں اُن کو آنے دو اور دوسری طرف سب کو اشارہ کر رہا ہے کہ میرے پیچھے مقتدی بن کر کھڑے ہو جاؤ اور پھر بڑ بڑانے لگا۔ طائفے کے جتنے بھانڈ تھے۔ سب صف بستہ ہو کر مقتدی بنے اور

اُس کے پیچھے کھڑے ہوئے ذرا دیر گذری تھی کہ ایک نے صف میں سے نکل کر امام کی پیٹھ پر ایک دوہتڑ مارا ایسے زور سے کہ تھوڑی دور آگے جا کر اوندھے منہ گر پڑا اور کہا ابے بدعتی یہ کیسی بے وقت اور بے رُخی جماعت کی نماز پڑھا رہا ہے اگر مولوی اسمٰعیل کے مقلد سن پائیں تو مارے کفر کے فتووں کے اُتو کر دیں امام ابے تو کیا جانے یہ صلوٰۃ الخوف[1] ہے اور پھر اُسی طرح اپنی جگہ جا کھڑا ہوا گویا اتنی حرکت پر بھی نماز باطل نہیں ہوئی تھوڑی سی دیر کے بعد پیچھے کی صف سے پھر ایک شخص آگے بڑھا اور اُس نے امام کا عمامہ اُتار تڑاتڑ آٹھ دس بیس لتیڑے رسید کئے امام سر ہلاتا ہوا یہ کہتا ہوا بھاگا کہ کفر کا فتویٰ تو یہ لتیڑے مارنے والا کیا کہتا ہے ابے ڈرمت فتویٰ نہیں تیری عبادت کا صلہ ہے امام بولا عبادت کا صلہ ہے تو اُس میں مقتدیوں کا بھی حق ہے پھر تو اِس سرے سے اُس سرے تک بلا امتیاز جوتی کاری ہونے لگی اور رنڈیاں اور بھڑوے اور میر محفل اور تماشائی سب ہی پر آفت آئی کہتے ہیں کہ چلبلا بھانڈ کے طائفہ کا بیس روپے روز معمول تھا اور مبتلا اس طائفے کا ایسا گرویدہ تھا کہ اگر خرچ مساعدت کرتا تو ہر رات اُن کا ناچ دیکھتا مگر اس پر بھی کئی سو روپے اُن لوگوں کے چڑھ گئے تھے اب مبتلا کے چچا کا آنا سُن کر بھانڈوں کو بالکل

---

[1] خوف کے عالم کی نماز جیسے لڑائی کے میدان میں ۱۲ -

نا امیدی ہو گئی اور ایسی نقل کی۔ نقل تو نہایت برجستہ تھی مگر طبیعت کس کی حاضر تھی اور دل کس کا ٹھکانے تھا کہ مزہ لیتا اور داد دیتا۔ مبتلا کی تو ایسی سٹی بھولی کہ ننگے پاؤں کبھی اندر جاتا اور کبھی باہر آتا مگر کوئی تدبیریں نہیں پڑتی تھی آخر اس نے اپنے باپ کے پرانے نوکر وفادار کو آواز دی۔ یہ بوڑھا آدمی اسم بامسمیٰ مبتلا کو بہت سمجھاتا تھا مگر نوکر کی بساط کیا۔ جب وفادار نے بار بار کہنا شروع کیا مبتلا نے اس کو جھڑک جھڑک دیا۔ وفادار نے دل تنگ ہو کر مبتلا سے کنارہ کشی اختیار کی مردانے میں اس کے رہنے کی ایک کوٹھڑی تھی رات دن اسی کوٹھڑی میں پڑا رہتا اندر سے کچھ فرمائش آتی تو اس کی تعمیل کر دیتا مبتلا کے کسی کام کاج کو ہرگز ہاتھ نہ لگاتا۔ آدمی تھا زمانہ دیدہ سمجھ چکا تھا کہ لیل و نہار اس طرح پر تو سدا چلنے والا نہیں یا تو یہ رسم و راہ نہیں اور رسم و راہ یہ ہے تو بندۂ درگاہ نہیں وفادار اکیلا کوٹھڑی میں بیٹھا ہوا دیکھتا نہیں تھا تو سنتا سب کی تھا اس کو میر متقی کا آنا اور ارباب جلسہ کا گبھرانا معلوم ہو چکا تھا۔ خلاف عادت مبتلا کے بلانے کی آواز سن کر مطلب تو سمجھا مگر جان بوجھ کر چادر تان لیٹ گیا۔ مبتلا نے ایک بار پکارا دو بارا پکارا تین بار پکارا جواب ندارد اگر کبھی پہلے ایسا اتفاق ہوا ہوتا تو وفادار کی مجال تھی کہ مبتلا نہ پکارے اور پہلی آواز پر جواب نہ دے مگر میر متقی کا آنا تھا کہ باہر سے اندر تک سب کا رنگ بدل گیا۔ جو نا چیز تھے وہ اب عزیز تھے۔ جو با اقتدار تھے

وہ اب ذلیل و خوار تھے یہاں تک کہ مبتلا نے خود کوٹھری کے دروازے پر آ کر پکارا۔ میاں وفادار میاں وفادار جلدی اٹھو چچا آئے۔ وفادار نے گھبرا کر پوچھا کہ چھوٹے میاں حج سے تشریف لائے۔ مبتلا۔ ہاں وفادار نے میر صاحب مرحوم کو یاد کر کے ایک آہ کی اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور میر متقی کے صحیح و سلامت واپس آنے پر خدا کا شکر کیا اور دروازہ کھولنے کے ارادہ سے دوڑا مبتلا نے لپک کر روکا کہ ذرا ٹھیرو ذرا ٹھیرو۔ مبتلا نے چچا کو دیکھا تو تھا مگر سات برس میں صورت بھول گیا تھا وفادار سے کہا کہ ذرا کواڑوں کی ڈراڑیں سے جھانک کر تو دیکھو وہی ہیں وفادار نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا اور کہا بیشک وہی ہیں اور اب تو عین بین سرکار[1] معلوم ہوتے ہیں مگر ڈاڑھی میں اتنی سفیدی نہیں۔ مبتلا یہ سن کر وفادار کے گلے لپٹ گیا کہ خدا کے لئے کسی طرح مجھ کو اس فضیحت سے بچاؤ میں ان کمبختوں کو کہاں لے جاؤں اور کس جگہ چھپاؤں وفادار کو مبتلا کا اضطرار دیکھ کر بہت ترس آیا اور اُس نے کہا کہ تھوڑی دیر کے لئے اُن لوگوں کو پاخانے میں کھڑا کر دیجئے چھوٹے میاں آخر اندر جائیں گے اُس وقت اُن کو نکال باہر کریں گے واقع میں اس کے سوا کوئی تدبیر ہی نہ تھی آخر یہی کیا کہ جھپا جھپ ان سب کو پاخانے میں اوپر تلے ٹھونس آگے

---

[1] سرکار سے مراد مبتلا کے والد میر مہذب مرحوم ہیں جو میر متقی کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔

پیچھے ڈھکیل کنڈی لگا باہر کا پھاٹک کھول دیا۔ میر متقی نے دوڑ کر بھتیجے کو چھاتی سے لگایا اُس وقت کی کیفیت بھی جس جس نے دیکھی ساری عمر اُس کو نہیں بھول سکتا۔ بوڑھا (پھونس نہیں مگر ادھیڑ) اور جوان فرشتہ اور شیطان یا رحمت اور قہر یا نیکی اور بدی یا ثقہ اور رند یا حاجی اور پاجی یا چچا اور بھتیجا دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے ہوئے کھڑے رو رہے تھے۔ مبتلا تو دھاڑیں مار رہا تھا اور میر متقی کی آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے اور چونکہ رنج کو بہ تکلف ضبط کرتے تھے بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی۔ پچاس ساٹھ آدمی حلقہ باندھے ہوئے گرد و پیش تھے اور سب پر رقت طاری تھی۔ کامل پاؤ گھنٹے کے بعد متقی نے مبتلا کو سینے سے جدا کیا اور سب کے ساتھ اُس کو لے جا کر دالان میں بیٹھے تھوڑی دیر سب سکوت میں تھے آخر کسی نے میر صاحب مرحوم کا ذکر خیر نکالا پہلے اُن کے محامد اخلاق کا مذکور رہا۔ پھر علالت اور وفات کا آخر فاتحہ پڑھ کر لوگ رخصت ہوئے اور میر متقی زنان خانے میں گئے۔

ساتویں فصل مبتلا کے چچا میر متقی کا اپنی بھانجی یعنی مبتلا کی بی بی کے سامنے تعزیت کے طور پر وعظ کہنا

ماموں کا آنا سن کر بھانجی کو ماں باپ اور سسرے ساس کا مرنا

بھائیوں کا ظلم اور سب سے بڑھ کر مبتلا کا اس سے بے تعلق رہنا اپنی بے کسی گھر کی تباہی آیندہ کی نا امیدی غرض ساری داستانِ مصیبت اوّل سے آخر تک یاد آگئی اور وہ دل ہی دل میں رو بیکی نیاریاں کر چکی تھی۔ جوں ماموں نے اندر قدم رکھا اور بھانجی کے ساتھ نظر دو چار ہوئی اُس نے کسی طرح لڑکھڑاتے ہوئے کھڑے ہو کر سلام تو کر لیا اور پھر تو ایسی بلکی کہ غش کھا کر گر پڑی ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے دانت بچی ہو گئے نخلخے سونگھائے منہ پر گلاب کے چھینٹے دیئے بارے ہوش آیا تو اُس نے ایسی بین شروع کئے کہ سننے والوں کے کلیجے منہ کو آنے لگے دل دہل گئے۔ آخر متقی نے سر پر ہاتھ پھیرا اور سمجھایا کہ مصیبت میں اس قدر رنج کرنا عبودیت کی شان نہیں ہے رنج مصیبت کو نہ ٹال سکتا ہے اور نہ اُس کو ہلکا کر سکتا بلکہ الٹا مصیبت کو بڑھاتا ہے جیسے محبت ماں کو اکلوتے بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے اُس سے لاکھوں کروروں درجے بڑھی ہوئی محبت خدا کو اپنے تمام بندوں کے ساتھ ہے اگر خدا نہ چاہے تو کیا بندے آپ سے آپ پیدا ہو جائیں اور اپنے اختیار سے زندگی کریں الباخیال کرنا تو کفر کے علاوہ غلط صریح بھی ہے بندے بھلے اور بُرے امیر اور غریب قوی اور ضعیف حاکم اور محکوم بادشاہ اور رعیت تا یہاں تک کہ ولی اور پیغمبر سب کے سب اس قدر عاجز اور بے اختیار ہیں کہ بدون خدا کی مرضی کے ایک پتا ہلانا چاہیں تو نہیں ہلا سکتے

ایک ذرہ کو جگہ سے سرکانا چاہیں تو نہیں سرکا سکتے کسی انسان کا نفع و
ضرر خود اُس کے اختیار میں ہے نہ کسی دوسرے انسان کے۔ دُنیا میں جس
کسی کو جس کسی کے ساتھ کسی طرح کی محبت ہے اس کے یہی معنی ہو
سکتے ہیں کہ جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے اُس کا فائدہ چاہتا ہے نہ یہ
کہ اُس کو فائدہ پہنچاتا ہے یا پہنچا سکتا ہے اسی واسطے دنیا کی ساری محبتیں
از براے نام ہیں۔ سچی اور اصلی محبت خدا کی ہے کہ ساری نعمتیں اور ساری
برکتیں جو ہم کو حاصل ہیں یہاں تک کہ زندگی اُسی کی دی ہوئی ہے با ایں ہمہ
انسان کو اس زندگی میں ایذائیں بھی پہنچتی ہیں۔ مگر اُن میں ضرور انسان
کا کوئی نہ کوئی فائدہ مضمر ہوتا ہے مثلاً طبیب کو وہ کسی مریض کا علاج
کرتا ہے کبھی اُس کو کڑوی دوا پلاتا ہے اور کبھی اُس کی فصد لیتا اور کبھی
بیمار کے زخم کو شگاف دیتا اور کبھی شاید اُس کے عضو کو کاٹ بھی
ڈالتا ہے مگر ایسا کرنے سے کیا کوئی شبہ کر سکتا ہے کہ طبیب اپنے
بیمار کے ساتھ عداوت رکھتا ہے اسی طرح جو تکلیفیں ہم کو دُنیا میں
پہنچتی ہیں اور بلاشبہ خدا کی مقدس مرضی سے پہنچتی ہیں ظاہر میں
تکلیف ہیں اور باطن میں آرام ابتدا میں ایذا ہیں اور انجام میں راحت
اوّل تو اُس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ تکلیف حقیقت میں بھی تکلیف
ہے یا نہیں۔ فرض کرو کہ کسی عورت کا شوہر مر جائے ظاہر میں بیوہ گی
ایک بڑی مصیبت ہے مگر کیا ممکن نہیں کہ مرد زندہ رہتا اور بیوی پر
سوکن لا کر اُس کو زندہ درگور کرتا یا بیوی سے اس کا دل ایسا پھرتا

کہ جب تک جینا اُس کو سخت ایذا دیتا یا ایسے امراض میں مبتلا ہوتا کہ
سارے گھر کی زندگی دشوار کر دیتا اور اسی طرح کے اور بہت سے
احتمالات ہیں جن کی وجہ سے ایک عورت اپنی بیوگی کو ترجیح دے
سکتی ہے سہاگ پر بس جب تک انسان کو علم مستقبلات یعنی علم
غیب نہ ہو اور وہ اس کو نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا وہ کسی حالت کو جو
اُس پر یا کسی پر طاری ہو بُرا کہہ نہیں سکتا دنیا کے بہت سے واقعات
کو ہم پسند کرتے ہیں مگر جس طرح ہماری معلومات ناتمام ہے اسی
طرح جو نتیجے ہم اپنی معلومات سے نکالتے ہیں ناقص، ادھوری
روداد اور اس پر فیصلہ ناکافی تحقیقات اور اس پر تجویز اور مانا کہ
جو تکلیف ہم کو پہنچی حقیقت میں تکلیف ہے تو کیا شفیق باپ
اپنے پیارے بیٹے کو مشفق اور رحم دل بادشاہ اپنی عزیز رعیت کو
تادیب یا تنبیہ یا اصلاح یا کسی دوسری مصلحت سے ایذا نہیں پہنچاتا
ہمیشہ ایسی ایذائیں پہنچتی رہتی ہیں نہ فریاد نہ شکایت پس اگر خدا
کی طرف سے ایک ایذا پہنچ جائے (جانے دو اُس کے بے شمار
احسانوں کو اور بھول جاؤ اس کی نامحصور نعمتوں کو) تو بندہ کیوں
مُنہ پھلائے کس لئے بڑبڑائے سب سے بڑا فائدہ جو مصیبت
سے انسان کو پہنچتا ہے یہ ہے کہ مصیبت دل میں بالتخصیص عجز و
انکسار کی صفت پیدا کرتی اور خدا کو یاد دلاتی ہے اور حقیقت میں
مصیبت کے وقت بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ مصیبت

نہیں رحمت ہے لیکن خدا کو یاد کرنے اور اُس کی طرف رجوع کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شکایت کرو اور اس سے ناراض رہو۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی رحمت پر پورا بھروسا اور اعتماد کر کے صمیم قلب سے یقین کر لو کہ جو کچھ ہوا خوب ہوا، بہتر ہوا مناسب ہوا اور یوں ہی ہونا چاہیئے تھا یہ تو درجہ رضا اور تسلیم کا ہے اور اسی کا نام صبر جمیل ہے اور آدمی کو جس کا عقیدہ ضعیف اور دل کمزور اور جسکی ہمت کوتاہ اور جس کا ارادہ متزلزل ہے۔ اس درجے پر پہنچنا دشوار ہے مگر اعلیٰ علیین پر نہیں پہنچ سکتے تو ایک سیڑھی دو سیڑھی جتنا ہو سکے کچھ تو اچکو کسی قدر ابھرو کہ اسفل السافلین کفران نعمت نکلو یوں کہنے کو تو منہ سے سبھی کہتے ہیں کہ دنیا فانی ہے چند روزہ ہے خواب ہے سراب ہے سایہ ہے سحاب ہے برق بے تاب ہے۔ مگر مصیبت کے وقت بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ زبان ہمارے دل کا سچا ترجمان نہیں۔ کیا کوئی فانی ایک فانی حالت کے لئے اتنا غل مچاتا اور اس قدر روتا پیٹتا ہے۔ مصیبت پر جو منفعت ہم نے ہمیشہ مترتب ہوتے دیکھی وہ تو یہ ہے کہ مصیبت آدمی کے مستقبل کو اُس کی ماضی سے ضرور بہتر کر دیتی ہے یعنی اگر انسان کاہل تھا تو مصیبت کے بعد ضرور چست و چالاک ہو جاتا ہے آرام طلب تھا تو جفا کش، بھولا تھا تو سیانا مسرف تھا

وکفایت شعار، بد پرہیز تھا تو محتاط، جلد باز تھا تو دھیما، آوارہ تھا تو
نیک کردار. جس آدمی پر کبھی مصیبت نہیں پڑی نہ اس کی عقل کا
ٹھکانا نہ اس کی رائے کا بھروسہ نہ اُس کا دین درست نہ اُس
کے اخلاق شائستہ اس کے علاوہ آدمی کا دستور ہے کہ ایک
حالت کیسی ہی عمدہ کیوں نہ ہو اگر ساری عمر یکسانی کے ساتھ چلی
جائے تو اس حالت کی عمدگی کا احساس نہیں باقی رہتا بلکہ اکتا کر
خود اس حالت سے نفرت کرنے لگتا ہے ایک باورچی کو میں جانتا
ہوں جو نمکین اور میٹھے چاول یعنی بریانی متنجن وغیرہ پکانے میں
کامل اُستاد تھا. شہر میں کہیں نہ کہیں شادی یا غمی کی کوئی نہ کوئی
تقریب لگی ہی رہتی تھی جب کسی کے یہاں چاولوں کی پخت ہوتی
اسی باورچی سے پکواتا اور اُس کو مزدوری کے علاوہ دستور کے
مطابق نہ دیگی کی چوٹی دار رکابی بھی ملتی وہ ایک رکابی ایسی
ہوتی تھی کہ اس کا سارا گھر اُس کو کھا کر اٹل ہو جاتا پس ان
لوگوں کو دونوں وقت عمدہ سے عمدہ بریانی اور بہتر سے بہتر
متنجن کھانے کو ملتا تھا پس یہ ایک حالت تھی کہ اگر کسی غریب آدمی
کے سامنے جو بریانی متنجن کو ترستا ہو بیان کیجئے تو سنتے کے
ساتھ ہی رال ٹپک پڑے مگر اس باورچی اور اس کے اہل وعیال
کا کیا حال تھا کہ منتیں کر کے بریانی متنجن کی رکابیاں ہمسائے کے
لوگوں کو دیتے اور اُن سے روٹی چٹنی مانگ کر کھاتے. پس ہم نے

تندرستی کی قدر بیماری سے جانی وطن کی پردیس سے۔ تونگری کی مفلسی سے، آرام کی دکھ سے راحت کی مصیبت سے تو جو شخص حقیقی راحت کا خواہاں ہے ضرور ہے کہ مصیبت کا بھی مزہ چکھے مصیبت زدہ کے لئے سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ وہ دوسرے مصیبت مندوں پر نظر کرے مثلاً اگر اس کو صرف بیوگی کی شکایت ہے تو پائے گی کہ اس جیسی اور اس سے بدتر لاکھوں بیوہ عورتیں اور بھی ہیں شاید یہ ایک مدت خانہ داری کرنے کے بعد بیوہ ہوئی ہے اور ہزار ہا اللہ کی بندیاں ایسی بھی ہیں جنہوں نے شوہر کی صورت تک نہیں دیکھی پس وہ بیوگی کے علاوہ لاولد بھی ہیں اور شاید اُن کو روٹی کا بھی کہیں سے آسرا نہ ہو پس بیوہ اور لاولد کے علاوہ محتاج بھی نگوڑی تدری بھی اور شاید دُکھیا بیمار بھی اور شاید اندھی اور لولی اور اپاہج بھی۔ کسی کو اگر کھجلی کی ایذا ہے تو وہ دیکھے گا اپنے ہی جیسے آدمی کوڑھی اور کوڑھ میں کیڑے اور کیڑوں کے ساتھ زخم اور زخموں میں سوزش العیاذ باللہ جس کی آنکھ میں ناخنہ ہے کیا اُس کو اس سے تسلی نہیں ہو گی کہ دوسروں کی آنکھ میں ٹینٹ یا دوسرے کا نڑے بلکہ اندھے بھی ہیں۔ غرض دُنیا کا حال یہی ہے کہ ایک سے ایک بہتر ہے پس کیوں کوئی مغرور ہو اور ایک سے ایک بدتر ہے تو کس لئے کوئی ناصبور ہو۔ بیٹی میں یہ نہیں کہتا کہ تم پر مصیبت نہیں پڑی

پڑی مگر اس مصیبت پر جو تمہاری حالت ہے. شکر کے قابل ہے
کہ خدا کے فضل و کرم سے تندرست ہو عزت آبرو کے
ساتھ گھر میں بیٹھی ہو تم نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا
تم نے دروازے دروازے بھیک نہیں مانگی تم نے پیٹ
کے واسطے کسی کی خدمت نہیں کی ٹہل نہیں کی. گو ماں باپ
کو خدا نے اٹھا لیا مگر ابھی تمہارے غمگسار تمہارے خبر گیر تمہارے
سرپرست موجود ہیں اور اُن میں سے ایک میں بھی ہوں کہ
باپ جتنی نہیں کروں گا تو اس سے پورا اطمینان رکھو کہ انشاءاللہ
اپنے مقدور بھر تمہارے حال کی اصلاح تمہارے معاملات کی
درستی میں کسی طرح کی کوتاہی بھی مجھ سے نہ ہوگی لاؤ اسی شہر
سے بلکہ اسی محلہ سے بلکہ اسی کوچہ سے بلکہ تمہارے پڑوس
سے جتنی عورتیں کہو میں بُلا لاتا ہوں جن کو دیکھ کر تم ضرور رحم
کرو گی اور سمجھو گی کہ یہ مجھ سے زیادہ دُکھیا ہیں ایک حکیم کا
قول ہے کہ دُنیا میں ہر شخص خوش ہے اس واسطے کہ وہ اپنی
حالت کو کسی دوسرے کی حالت کے ساتھ بدلنا نہیں چاہتا
جس دن پہلے پہل میں نے یہ بات کتاب میں لکھی دیکھی. تو
میں ذرا اس پر ٹھٹکا پھر میں نے سوچا کہ اس کو میں اپنے ہی
اوپر کیوں نہ آزماؤں تو میں نے اپنی جان پہچان کے پانچ
آدمی تجویز کئے جن کی حالت کو بنظر ظاہر میں اپنی حالت

سے بہتر سمجھتا تھا لیکن اچھی طور پر جو غور کیا تو ایک لاولد تھے دوسرے بیٹے تو رکھتے تھے مگر ناہموار تیسرے دایم المریض چوتھے شدت سے کنجوس پانچویں بیوی کی بدمزاجی اور بد سلیقگی اور بد زبانی سے عاجز لامذہبؔ غرض کسی کو بے داغ نہ پایا تب اُس حکیم کے مقولے کی تصدیق اور میرے دل کی تشفی ہوئی اور پھر ایک بات اور بھی سوچنے کے قابل ہے کہ غم کیسا ہی سخت اور صدمہ کتنا ہی بھاری کیوں نہ ہو رفتہ رفتہ خود اُس کا اثر مضمحل ہوتے ہوتے آخر کار محو ہو جاتا ہے کبھی ہمارے باپ بھی مرے تھے ہم بھی اُن کے فراق میں تمہاری طرح بھنبھرا روئے دھوئے غمگین اور اُداس رہے آخر بھول بسر گئے غرض انسان کو چار و ناچار صبر تو کرنا پڑتا ہے کیا کرے دیوار سے سر ٹکرا کر کوئیں میں گر کر افیون کھا کر حرام موت مر رہے مگر اس کو صبر محمود نہیں کہتے صبر محمود وہی صبر ہے کہ نزول مصیبت کے وقت ہو جب کہ رنج دل کو نچوڑتا اور کلیجے کو کھرچتا ہے آنسو ہیں کہ نکلے چلے آتے ہیں اور سانس ہے کہ پیٹ میں نہیں سماتا وہ بندے کے لئے سخت آزمائش کا وقت ہے۔ معاذاللہ

لہ لامذہب سے مراد ہے ملحد خدا کا منکر کہیں بے چارے اہل حدیث کو مت خیال کر لینا جن کو منزل التوحید براۃ لعنت وہابی اور لامذہب کہتے ہیں۔

اگر خدا کی شان میں شکایت کا کوئی کلمہ اُس کے مُنہ سے نکل گیا یا اُس کے دل میں خدا کی نسبت جل و علا شانہٗ بے رحمی یا بے انصافی کا خیال وسوسے کے طور پر بھی آگیا تو بس دُنیا خراب عاقبت برباد خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ[ل] ٥ متقی نے جو یہ باتیں عقل کی دین کی نصیحت کی بیان کیں تو بھانجی پر ایسا اثر ہوا گویا گرتی ہوئی دیوار کو تھونی لگا دی ڈوبتے ہوئے کو اچھال کر کنارے پہنچا یا مرجھائے ہوئے درخت کو پانی دیا

آٹھویں فصل میں متقی کا مبتلا کے امورِ خانہ داری کی اصلاح میں کوشش کرنا

متقی کا ارادہ تو یہ تھا کہ بھائی سے مل کر ہفتہ عشرہ رہ کر رام پور روانہ ہوں گا مگر سوچا کچھ اور ہوا کچھ یہاں آکر دیکھا تو بھائی کو مرے ہوئے چھ مہینے ہو چکے تھے اور بھتیجے صاحب نے وہ اودھم مچا رکھی تھی کہ خدا کی پناہ۔ دو تین مہینے بھی متقی کے پہنچنے میں دیر ہوتی تو تنخواہوں کا کرائے کا

[ل] دنیا اور دین دونوں کا ٹوٹا یہی کھلا ہوا ٹوٹا ہے ۱۲

رہنے کے موروثی مکان کا خاندان کی عزت و آبرو کا بزرگوں کے نام و نمود کا سب کا فیصلہ ہو چکا ہوا باپ کا بیمار پڑنا اور مبتلا کا مدرسے سے اٹھنا وہ دن اور آج کا دن اس بندۂ خدا نے بھول کر بھی تو مدرسے کو یاد نہ کیا۔ شروع شروع میں تو دو چار ہم جماعت بلانے کو آئے بعض مدرسوں نے بھی کہلا بھیجا مبتلا کس کی سنتا تھا رخصت کی غیر حاضری ہوئی اور غیر حاضر ہوتا تھا کہ تڑ سے نام کٹ گیا بیٹھے بٹھائے اچھا معقول وظیفہ کھویا اور بات کی بات میں آیندہ کی ساری امیدیں ایک دم سے منقطع ہو گئیں جن جن سرکاروں سے تنخواہیں مقرر تھیں ضرور تھا کہ پیروی کرکے وارثوں کے نام سے اُن کا اجرا کرایا جائے مگر یہاں پیروی کرتے تو مبتلا اور نہ کرتے تو مبتلا اگر باپ کے مرنے پر مبتلا ان سرکاروں میں جاتا تو جن سرکاروں کا جیسا دستور تھا کہیں سے ماتمی خلعت کہیں سے نقد کچھ نہ کچھ ملتا اور تنخواہ بھی کہیں سے پوری کہیں سے ادھوری جاری ہوئی ہی ہوتی مگر مبتلا کو اپنے مشاغل لایعنی سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ ان باتوں کو سوچے اور خلعت یا نقد تنخواہ کے لئے سرکاروں میں دوڑ دھوپ کرے غرض جتنے معمولات تھے سب بند ہو گئے اب آمدنی کے نام سے تو رہ گیا کیا صرف کرایہ اوّل تو وہ تھا ہی کتنا مگر خیر جس

قدر تھا اُس کا بھی یہ حال ہوا کہ کسی کے دو روپے دینے ہیں اُس نے مانگے نہ مہینا دیکھا نہ حساب نہ کتاب قلم اٹھا کسی کرایہ دار کے نام چٹھی لکھ دی کہ اس کو دو روپے دے کر کرایہ میں مجری کر لو اب وہ چٹھی والا کرایہ دار کے سر ہوا ہر چند وہ کہتا جاتا ہے کہ بھئی ابھی مہینا پورا نہیں ہوا یا میں نے اپنی گرہ سے مرمت کرائی ہے چٹھی والا ہے کہ ایک نہیں سنتا۔ کرایہ داروں نے دیکھا کہ الٰہی شہر میں ہزارہا مکان اور لاکھوں دُکانیں ہیں یہ چٹھی کا انوکھا اور نرالا دستور نہ دیکھا نہ سنا۔ ایک میر صاحب[ل] تھے اللہ بخشے ایک مہینے کا کرایہ دوسرے مہینے میں اور دوسرے کا تیسرے میں وصول ہوتا رہتا تھا بے چارے کبھی ایک سخن بھی تو زبان پر نہیں لائے اُن ہی کے صاحبزادے ہیں کہ بے حساب بیٹھے بیٹھے چٹھیاں اڑلتے ہیں گویا کوتوالی کے پروانے ہیں یا تھانے کے حکم نامے غرض اکثروں نے بے دل ہو کر مکان خالی کر دیئے اور اٹھ کر کہیں اور جا رہے اور جائداد اس قدر بدنام ہو گئی کہ کوئی دوسرا کرایہ دار رُخ نہیں کرتا۔ مبتلا کے ہاتھوں لگ گیا تھا ماں کا زیور اُسی سے یہ تمام گل چھرّے اڑ رہے تھے۔ دو پونے دو ہزار کا زیور اُس مرحومہ کا تھا چھے مہینے میں سب خاتمے لگ چکا۔ اب مہینے سوا مہینے سے ادھار پر گزران تھی۔ منتقی نے جو یہ حال

[ل] یعنی مبتلا کے والد میر مہذب مرحوم ۱۲

بھائی کے گھر کا دیکھا تو کیوں کر ممکن تھا کہ ان لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ کر چلا جائے ناچار رام پور کا ارادہ فسخ کیا اور مبتلا کو ساتھ ساتھ سرکاروں میں لئے لئے پڑا پھرا کسی کے کار پرواز سے ساز باز کی۔ کسی کے داروغہ کو جا گانٹھا سفارش پہنچائی اور سعی کے مقام پر سعی کرائی بعض جگہ اپنی وجاہت سے کام نکالا اور جہاں موقع بن پڑا بھائی کے حسن خدمات پر زور ڈالا غرض کئی مہینے کی دوا دوش سے اتنا تو ہوا کہ میر مہذب کے زمان حیات میں جتنی تنخواہیں تھیں بلا کم و کاست پوری پوری کھل گئیں بلکہ بعض سیر چشم سرکاروں نے پچھلے چھ مہینے کی چڑھی ہوئی تنخواہ بھی بلا وضعات دی میر متقی نے ایک پیش بینی یہ کی کہ جس قدر ذاتی تنخواہ تھی یعنی بلا خدمت بطور مدد معاش ملتی تھی۔ اپنی بھانجی غیرت بیگم یعنی مبتلا کی بی بی کے نام جاری کرائی اور تنخواہ مشروط الخدمت مبتلا کے نام اس میں مصلحت یہ تھی کہ بی بی کے آگے مبتلا کی ذرا کنی دبی رہے تنخواہوں کا پچھلا چڑھا ہوا روپیہ جس قدر ملا اس سے مکانات اور دکانات کی شکست ریخت کی درستی کرا کے کرایہ داروں کو بلا کر ان کے سرخط بھی آدھے کرائے کے مبتلا کے نام اور آدھے کے غیرت بیگم کے نام لکھوا دئے میر مہذب کے روز وفات سے آج تک بیوتات کا حساب بنئے کے یہاں سے ادھار چلا آتا تھا حساب کر کے اس کا قرضہ چکایا اور آئندہ کیلئے احتیاط کو مطلقاً بند کر کے یہ قاعدہ باندھ دیا کہ جو چیز درکار ہو نقد بازار سے آجایا کرے۔

نویں فصل میر متقی بڑے بھانجے سید حاضر کو سمجھاتے ہیں کہ بہن کو محروم الارث مت کرو

غیرت بیگم کو بھائیوں نے ترکۂ پدری سے محروم کر رکھا تھا اور کس کی مجال تھی کہ ان بھڑوں کے چھتوں کو چھیڑے وہ اس بلا کے لوگ تھے کہ اگر نالش کی بھنک بھی ان کے کان میں جا پڑتی تو کہاں کے ماموں اور کس کی بہن اور کس کا بہنوئی سب کی عزت کے لاگو ہو جاتے یہ ایک شعر جو مشہور ہے ؎

بہر جا جمع مے آیند سادات
فسادات فسادات فسادات

کہتے ہیں کسی نے سید نگر والوں ہی کی شان میں کہا تھا اور میر متقی کو وہاں کے لوگوں کے ہتھکنڈے بخوبی معلوم تھے اور مخاصمانہ طور پر بھانجوں کے ساتھ پیش آنا اور ان کے مقابلے میں مدعی یا مدعا علیہ ہونا گو بھانجی ہی کا حق طلب کرنے کے لئے کیوں نہ ہو نہ ان کو شایاں تھا اور نہ غیرت بیگم کے حق میں مفید سید نگر کے سب لوگ زمیندار اور رعایا یہاں تک کہ خوش باش اس قدر مفسد تھے کہ جھوٹ بولنا۔ جھوٹا حلف اٹھا لینا۔ جھوٹے گواہ۔ جھوٹی روداد اور جھوٹی دستاویزات بنانا حاکم کو دھوکا دینا

پرایا حق مار بیٹھنا لوگوں کو ناحق ستانا ان باتوں کو بڑا ہنر اور داخل ہوشیاری سمجھتے تھے اور جس طرح کوئی بڑا نامی جنرل اپنے دوستوں میں فخراً اپنی فتوحات کے واقعات کا بیان کرتا ہے یہ لوگ ہمیشہ دیوانی فوجداری کے مقدمات کے تذکرے کرتے رہتے تھے۔ کوئی امیر اپنی مدح پر اتنا نہ ناز کرتا ہوگا جتنا ان کو ڈگریوں اور فیصلوں پر تھا۔ ان لوگوں کی نظروں میں میر متقی صوفی و فقیہ تھے مگر سادہ لوح اور سفیہ عالم و فاضل تھے۔ مگر احمق ولایعقل میر متقی کا چھوٹا بھانجا سید ناظر جو غیرت بیگم سے بھی عمر میں چھوٹا تھا کچہری دربار کا کام دیکھتا تھا اور تمام معاملات مقدمات اسی سے متعلق تھے پس یہ گھر کا عقل کل تھا۔ سید حاضر جو غیرت بیگم سے بڑا اور اکبر اولاد تھا سید نگر میں مکان کی خبر گیری کرتا تھا اور رعایا سے وصول تحصیل کرنا اور سیر[1] کا جتوانا بوانا غرض گاؤں کا سب کام کاج اس کو سپرد تھا۔ ماموں کا آنا سن کر سید نگر سے سید حاضر تو فوراً اگلے ہی دن آ حاضر ہوا اور اس نے اس کا بھی انتظار نہ کیا کہ تعزیت کے لئے ماموں کی طرف سے تقدیم ہونی چاہئے۔ لیکن جب وہ واپس جانے لگا تو میر متقی اسی کے ساتھ ادائے رسم تعزیت کے لئے سید نگر گئے ناظر وہاں نہ تھا معلوم نہیں کسی ضرورت سے غیر حاضر تھا یا قصداً ماموں کی آمد سن کر ٹل گیا تھا۔ میر متقی

---

[1] زمیندار کی خود کاشتہ زمین کو سیر کہتے ہیں ۱۲

نے بتقریب تعزیت جہاں اور بہت سی باتیں سید حاضر سے کیں ان میں
سے یہ بھی تھی کہ تم کو شروع سے خدا نے بڑا کیا کیوں کہ تم بھائی
صاحب مرحوم کی اولاد میں سب سے بڑے ہو لیکن تم پہلے صرف ان
کی نسل میں بڑے تھے اور اب خاندان اور برادری میں بھی بڑے
ہو کیونکہ تم کو لوگ مرحوم کا جانشین سمجھتے ہیں اور تم ہو بھی انسان کو خدا نے ایسے
طور کا مخلوق بنایا ہے کہ تمدن اس کو لازم ہے جس طرح تمدّن
اس کے وجود کی شرط ہے کہ اگر انسان مدنی الطبع نہ ہوتے اور آدمی
آدمی کے ساتھ مل کر نہ رہتا تو آگے کو ان کی نسل نہ چلتی اسی طرح
تمدّن انسان کی حیات بلکہ اس کی ممات کی بھی شرط ہے تمدن نہ ہو
تو انسان کی زندگی عذاب اور مرے پیچھے اس کی مٹی خراب تمدن
کی ضرورت سے آدمی دو دو چار چار دس دس پچاس پچاس ہزار
ہزار لاکھ لاکھ اور اس سے بھی زیادہ اکٹھے ہو کر رہتے ہیں
اور خاندان اور قبیلے اور کنبے اور برادری اور گاؤں اور قصبے اور
شہر اسی تمدن کے مظاہر ہیں تمدن سے لوگوں میں انواع واقسام
کے باہمی تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ بیٹا بیٹی میاں بی بی
بھائی بہن اور جتنے طور کے دور و نزدیک کے رشتہ دار ہیں
اور ہمسایہ اور ہم وطن اور حاکم و محکوم اور بادشاہ و رعایا اور استاد
اور شاگرد اور آقا اور نوکر اور افسر اور ماتحت اور زمین دار اور
کاشت کار اور بائع اور خریدار وغیرہ یہ سب نام ہیں لوگوں کے باہمی

تعلقات کے ہر تعلق کے ساتھ کچھ حقوق ہوتے ہیں اور کچھ ذمہ داریاں مثلاً باپ اور بیٹے میں ایک طرح کا تعلق ہے باپ کا حق ہے کہ بیٹا اس کا ادب کرے اس کا حکم مانے اور اس کی ذمہ داری یا بعبادت دیگر اس کا فرض یہ ہے کہ بیٹے کو شفقت کے ساتھ پالے تربیت کرے پڑھائے لکھائے ہنر سکھائے جو اس کے کام آئے۔ لوگوں کا یہ حال ہے کہ تمدن کے حقوق اور فرائض میں اکثر بلکہ سب کے سب الاماشاء اللہ مطفف ہیں۔ مطفف عربی میں کہتے ہیں اس شخص کو کہ اپنا لینا ہو تو جھکی ہوئی تول لے اور دوسرے کا دینا ہو تو اڑتی ہوئی دے ایسے ہی لوگوں کی شان میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون ○ اذا کالوہم او وزنوہم یخسرون ○ الا یظن اولئک انہم مبعوثون لیوم عظیم ○ یوم یقوم الناس لرب العلمین ○ افسوس ہے ڈنڈی ماروں پر کہ جب لوگوں سے ناپ کر لینا ہو تو پورا پورا لیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دینا پڑے تو ان کو گھاٹا پہنچائیں کیا یہ لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ایک بڑا دن آنے والا ہے اور اس دن ان کو مر کر اٹھنا ہوگا اس دن لوگ پروردگار عالم کے روبرو کھڑے ہوں گے. اسی طرح دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں الاماشاء اللہ جو اپنے حق میں سے کسی کھائی کوڑی بھر چھوڑ دے لینے میں تو ایسا سیانا اور سخت گیر

اور دوسرے کے حقوق ضائع ہوں تلف ہوں کچھ پروا نہیں ذرا دل پر میل نہیں ہونے دیتے ایسے گھر کا بھولا اور شریر اس میں کشمکش اور مفسدے کے روکنے کے لئے اللہ جل شانہٗ نے دوہرے دوہرے انتظام کئے ایک سلطنت ظاہری کہ بادشاہ ہے اور اس کے پاس فوج ہے اور توپ ہے اور تلوار ہے اور قوت ہے اور پولس ہے اور حاکموں کا ایک گروہ ہے اور جلاد ہے اور جیل خانہ ہے اور بند ہے اور تازیانہ ہے اس انتظام کے تفصیلی حالات تم کو مجھ سے بہتر معلوم ہیں دوسری ایک سلطنت الٰہی ہے جس کو دین یا مذہب یا شرع کہتے ہیں اس میں توپ کا نام نہیں تلوار کا کام نہیں اعوان و انصار نہیں فوج و سپاہ درکار نہیں مگر دنیا میں جس قدر امن اور جتنی عافیت ہے اس الٰہی سلطنت کی بدولت ہے ظاہر بیں اور کوتاہ بیں ایسا سمجھتے ہیں کہ دنیا کا سارا انتظام حکام ظاہر کرتے ہیں استغفراللہ نہ کرتے ہیں اور نہ کرسکتے ہیں ملک کی ساری پلٹنیں کالوں کی اور گوروں کی اور سارے رسالے اور سارے توپ خانے اور سارے پولیس کے ملازم اور سارے حاکم سب کے مجموعے کو ملک کی مردم شماری پر پھیلا کر دیکھو تو کیا پڑتا پڑتا ہے اگرچہ دس ہزار باشندوں پر ایک کا پڑتا بھی نہیں بیٹھے گا مگر فرض کرو کہ دس ہزار پیچھے ایک تو

کیا یہ بات سمجھ میں آنے کی ہے کہ ایک متنفس دس ہزار آدمی کے ضبط پر قادر ہو آدمی تو آدمی اگر دس ہزار گدھے یا دس ہزار بھیڑ بکری بھی ہوں تو ایک چرواہا ان کو ایک جگہ کھڑا نہیں رکھ سکتا نہ یہ کہ ان کو جس کروٹ اٹھائے اٹھیں اور جس کروٹ بٹھائے بیٹھیں ہاں شاید تمہارے دل میں یہ بات خطور کرے گی کہ حاکم ایک کو سزا دیتا ہے تو دس ہزار کو عبرت ہوتی ہے لیکن خیال کرنے کی بات ہے کہ جن کو سزا ہوئی انہیں کو کیا عبرت ہوئی کہ دوسروں کو ہوتی ہم نے تو یوں سنا ہے خدا جانے جھوٹ یا سچ کہ بدمعاش لوگ اول تو گرفت ہی میں نہیں آتے اور اگر کوئی شامت کا مارا قضا رہ اما خوذ بھی ہوا تو سید نگر والے (وکیل مختار) اس کو سزا نہیں ہونے دیتے اور سزا بھی ہوئی تو ان کی عبرت اس سے ظاہر ہے کہ چھوٹتے ہیں تو دوسرے قیدیوں کو وصیت کر آتے ہیں کہ دیکھنا بھائی میرے چولھے کو ہاتھ نہ لگانا مہینا پورا نہیں ہونے پائے گا کہ میں پھر آتا ہوں۔ ہم کو تو کبھی اتفاق نہیں ہوا اور خدا نہ کرے کہ ہو مگر اخباروں میں اکثر دیکھا ہے کہ فلاں مقام پر فلاں خونی کو فلاں تاریخ فلاں وقت پھانسی دی گئی۔ دو ہزار آدمیوں کی بھیڑ تھی۔ عبرت ہو تو ایسی ہو۔ یہ سب نالائق تماشائی تھے اور سنگ دل قصائی۔ اس کے علاوہ ایک مدیہی دلیل ایسی ہے کہ اس سے تو تم کو میری بات کا پورا تیقّن

ہو جائے گا۔ یہ ہلواہا جو بیلوں کو تھکان سے کھول کر لئے جارہا ہے اس کا کیا نام ہے۔ حاضر۔ اس کا نام غریبا۔ متقی۔ ذرا اس کو بلانا حاضر نے بلایا تو اس نے ہل کو کندھے پر سے اتار کر وہیں رکھ دیا اور اسی ہل سے بیلوں کو اٹکا سامنے آ کھڑا ہوا متقی۔ کیوں میاں تمہارا کیا نام ہے۔ غریبا۔ میاں مجھ کو گریبا کہتے ہیں۔ متقی۔ کون ذات ہو۔ غریبا۔ گوجر۔ متقی۔ تم کتنی کھیتی کرتے ہو۔ غریبا۔ میری کھیتی الگ نہیں (سید حاضر کی طرف اشارہ کر کے) ہاجر (حاضر) میاں کا ہلواہا ہوں اور کھادر میں ایک دو بیگہ کا کھیت بھوبالونٹے کا ہے اس میں ادھواڑ[1] کا بانٹیہ دار ہوں۔ متقی بال بچے کتنے ہیں۔ غریبا (مسکرا کر) بھگوان کی بڑی کرپا ہے۔ آٹھ۔ متقی۔ کسی کا بیاہ برات بھی کیا ہے۔ غریبا۔ ابھی سب نیدان[2] متقی۔ اتنے کنبے میں کیوں کر گذرتی ہوگی۔ غریبا ہاجر (حاضر) میاں کی دیا سے روکھی سوکھی مستی گستی دو وخت نہیں تو ایک وخت مل ہی جاتی ہے چھوٹے بڑے ان ہی کی ٹہل میں لگے رہتے ہیں یہی سب کو پالتے ہیں کھیتر سے بڑی سہاتیا رہتی ہے۔ متقی (اشارے سے غریبا کو پاس بلا کر آہستہ سے) کیوں بے آج کل تو کھلیان تیار ہیں رات بے رات موقع پا کر کھلیان پیچھے دو دو پولی بھی اٹھا لائے تو کسی کو کیا معلوم اور مزے میں تیرا کام ہو جائے۔ غریبا (درشت[3] کہ

---

[1] یعنے آدھے کا ساجھی ۱۲ [2] یعنے نادان ہیں ۱۲

نامیاں بھگوان برا کرم نہ کرائے متقی کیوں کیا جا گا چوکی دار سے ڈرتا ہے اس کو ہم سمجھا دیں گے۔ غریبا۔ جاگا۔ (گالی) کہاں کا سورما ہے ایک ڈپٹ بتاؤں تو (گالی) دھوتی میں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پر نہیں برا کام برا ہی ہے۔ متقی۔ ابے مسخرے کسی کو کانوں کان تو خبر ہونے کی نہیں یہ اچھا ہے کہ تن پہ چیتھڑا نہیں پیٹ کو ٹکڑا نہیں۔ غریبا مانس پڑا مت دیکھو بھگوان سے تو کچھ چھپا نہیں اس کے بعد متقی نے استمالت کی دو چار باتیں کر کے غریبا کو تو رخصت کیا اور سید حاضر سے کہا کیوں صاحب آپ نے دیکھا یہی انتظام الہی ہے کہ یہ بیچارہ نہ تو پڑھا اور نہ لکھا اور نہ شاید ساری عمر کسی پنڈت برہمن کی صحبت میں بیٹھا۔ ضرورت اس درجے کی اگر سچ پوچھئے تو فمن اضطر فی مخمصۃ کا مصداق ہے اندیشۂ پاسبان سے مطمئن اور اس پر چوری کو سمجھتا ہے کہ برا کام ہے۔ اصل میں برا سمجھنا اس کو چوری کے ارتکاب کا مانع ہے اور یہ سمجھ یعنے بھلے برے کا امتیاز جو خدا نے مرد۔ عورت۔ لڑکے۔ جوان۔ بوڑھے۔ خواندہ۔ ناخواندہ۔ ذہین۔ غبی۔ شہری، دیہاتی سب بنی آدم کو علیٰ قدرِ مراتب دیا ہے ایک پاسبان الہی ہے جو ہر ایک پر مسلط ہے۔ اس کو

ل یعنی انسان نہ دیکھے مگر خدا تو دیکھتا ہے ۱۲

ک قرآن کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص بھوک سے بے قرار ہو تو اس کو مردار بھی حلال ہے ۱۲

کراماً کاتبین[3] کہو یا نفس لوّامہ[4] سمجھو یا جن الفاظ سے چاہو تعبیر کرو میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ جرموں کا انسداد لاکھ حصے سلطنت الٰہی کی تاثیر سے ہے تو شاید ایک حصے حکومت ظاہری کی تدابیر سے حکومت ظاہری میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ حاکم کیسا ہی منصف کیوں نہ ہو چونکہ اس کو معاملے کی اصل حقیقت سے تو آگہی ہوتی نہیں ناچار اسے روداد کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور روداد کی کیفیت تو کوئی ہمارے سید نگری بھائیوں سے پوچھے کہ کہو تو مکھی کو بھینسا بنا دیں اور فرماؤ تو بھینسے کو مچھر بنا کر اڑا دیں پس حاکم ظاہری کبھی پورا پورا انصاف کر ہی نہیں سکتا۔ اس کا فیصلہ اندھے کی لاٹھی ہے لگی لگی نہ لگی نہ لگی برخلاف سلطنت الٰہی کے اس کا نشانہ ممکن نہیں کہ خطا کرے اس کا مجرم ہو نہیں سکتا کہ سزا سے بچ جائے کس کی مجال ہے کہ اس کی ڈگری کو روکے کس کی طاقت ہے کہ اس کے حکم کو ٹالے۔ اگرچہ خدائی فیصلوں کے لئے ایک دن مقرر ہے یعنی روز قیامت کہ اس دن اللہ جل وعلا شانہٗ عدل انصاف کے تخت پر اجلاس فرمائے گا۔ اور نیک او بد اور سخی اور سوم اور ظالم اور مظلوم سب کا اخیر حکم تہ کر دے گا۔ فریقٌ فی الجنۃ و فریقٌ فی السعیر[5] مگر کبھی مصلحت الٰہی اس کی بھی مقتضی ہوتی ہے کہ

---

[3] فرشتے جو مسلمان کے عقیدے کے مطابق اعمالنامہ لکھتے ہیں ۱۲

[4] آدمی کا دل جو اس کو برے کام پر ملامت کرتا ہے ۱۲

[5] ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ دوزخ میں ۱۲

اسی دنیا میں بدلا مل جاتا ہے۔ یہی سید نگر ہے کہ اب سے بہت زیادہ دور بھی نہیں شاید بیس برس پہلے دس بارہ ہاتھی سادات کے دروازوں پر کھڑے جھولتے تھے اور ان کی سخاوت اور داد و دہش اور مہماں نوازی اور مسافر پروری کی کیا شہرت تھی کہ کربلا اور بغداد اور حرمین اور نجف اور کاظمین تک کے زوار ہر سال نام سن کر آتے تھے میں ان دنوں اچھا خاصہ ہوشیار تھا مجھ کو اب تک یاد ہے کہ اس بڑی مسجد میں دو ڈھائی سو طالب علم رہتے تھے۔ اور یہیں کے سادات ان کے کھانے کپڑے کتاب سب چیزوں کی خبر گیری کرتے تھے. طالب العلموں کے پڑھانے کے لئے بیش قرار تنخواہوں کے پانچ یا چھ اچھے جید حافظ اور مولوی نوکر تھے سارے مہینے رمضان کے اور دس دن محرم کے غربا اور مساکین کے لئے اس قدر کھانے پکتے تھے کہ اس کا ٹھیک اندازہ کرنا مشکل ہے بارہ کوس کے گردے کی تمام خلقت ٹوٹتی تھی اور کیا نیتوں کی برکت تھی کہ ہزار دو ہزار پانچ ہزار جتنے آدمی ہوتے ہر شخص کو دو خمیری روٹیاں ایک پیالہ قلیئے کا اور ایک خوانچہ کھیر کا وقت پر پہنچ جاتا میر بابا صاحب کا گھر ان دنوں سب میں بڑھا چڑھا تھا۔ ان کا حال سنا ہے کہ دونوں وقت گنے ہوئے پورے سو آدمی دسترخوان پر میر صاحب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور کیسی خدا کی مہربانی تھی کہ گلی میں دیکھو تو کوڑیوں لڑکے۔ سید نگر میں کبھی کسی سیدانی کو

پانچ اور چھ سے کم کسی کے بچے سننے میں نہیں آئے۔ غلّہ ہمیشہ ارزاں عام بیماری یا وبا کبھی سید نگر کے سوانے میں داخل نہیں ہوئی۔ یکایک گوجروں سے سوانے کی تکرار ہوئی لٹھ چلا طرفین سے آدمی مارے گئے بس اس دن سے سید نگر پر تباہی آئی۔ یوں تو سادات اور گوجروں میں سدا سے چھیڑ چھاڑ ہوتی ہی چلی آئی تھی مگر اس مقدمہ میں سادات سراسر بر سرِ ناحق تھے۔ ہمیشہ سے سید نگر کا سوانا اس تیز ہزاری باغ کی مشرقی کھائی تھی یہ باغ عین سوانے پر اسی غرض سے لگایا گیا تھا کہ گوجر حد سے متجاوز نہ ہوں تکرار اتنی ذرا سی بات پر ہوئی کہ میر بابا کے بڑے بیٹے میر مقتدر کے سائیسوں نے گوجروں کی رکھانت گھاس باغ کے پورب میں کاٹنی شروع کی۔ گوجروں نے مزاحمت کی یہاں تک کہ داتا سنگھ نے جو گوجروں کا سرگروہ اور میر بابا کا مدِ مقابل تھا اپنا خاص کارندہ میر بابا کے پاس بھیجا وہ کارندہ میر صاحب تک پہنچنے نہیں پایا کہ بیچ میں میر مقتدر نے اس کو بہت کچھ سخت و سست کہا اور حق و ناحق ہزارہا گالیاں داتا سنگھ کو دیں۔ میر مقتدر بڑے غصیلے اور بڑے ظالم اور بڑے سخت گیر اور بڑے جابر مشہور تھے کہتے ہیں کہ دو تین خون انکے ہاتھ سے ہوئے مگر دب دبا گئے انہوں نے ظلماً کئی بھلے آدمیوں کی ناموس بگاڑی اور عزت ریزی کی میر بابا کے خاندان میں جو سید لوگ ناطہ نہیں کرتے اصل میں اس کا سبب یہی ہے کہ میر مقتدر نے ملا امتیاز بہت سی عورتوں کو جبراً گھر میں ڈال لیا تھا کوئی ہندنی تھی کوئی چماری کوئی گوجرنی غرض میر مقتدر کے بعد سے ان کے خاندان کے نسب کا اعتبار اٹھ گیا بیٹے کے زور و ظلم نے میر بابا کی تمام نیکیوں کو بے قدر کر رکھا تھا نہیں معلوم دیدہ دانستہ بیٹے کی حرکات ناشائستہ سے چشم پوشی کرتے تھے یا واقع میں مقتدر پر ان کا کچھ اقتدار نہ تھا۔ میر مقتدر کا تمام علاقے

میں ایسا زلزلہ تھا کہ کوئی بھلا آدمی سید نگر کی تھانیداری پر آنے کے لئے رضامند نہیں ہوتا تھا مجبور کیا جاتا تھا تو نوکری سے استعفاد یتا مگر ادھر کا رخ نہ کرتا۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ سید نگر کو معتمد کے ظلموں نے تباہ کیا اور نزاع سوانے کا ایک بہانہ تھا۔ جب معتمد نے داتا سنگھ کے کارندیے کو برا بھلا کہا اور اس کے مالک کو علے روس الاشہاد مغلظات سنائیں وہ بے چارا اپنا سا منہ لے کر لوٹ گیا اور داتا سنگھ کے آگے جا کر اپنی پگڑی زمین پر دے ماری اور کہا کہ تم نے مجھ کو بے عزت کرایا اور خود بھی بے عزت ہوئے آج میر بابا کے بیٹے نے بھری کچہری میں مجھ کو اور تم کو دونوں کو فضیحت کیا اور ایسی ایسی گالیاں دیں کہ کوئی چمار کو بھی نہیں دیتا۔ داتا سنگھ بڑی غیرت اور بڑے طنطنے کا آدمی تھا اور کسی بات میں میر بابا سے ہٹیا نہ تھا سن کر لال ہو گیا اور کہا کہ اس مسلمان کے چھو کرے کا اتنا مقدور۔ خیر اب لڑائی ہے تو لڑائی ہی سہی داتا سنگھ کے منہ سے اتنی بات کا نکلنا تھا کہ ڈیڑھ دو ہزار گوجر بھاری بھاری لٹھ کندھوں پر دھر رکھا نت پر جا موجود ہوئے۔ میر صاحب کے گھسیارے ان کو دور سے دیکھ بھاگ کھڑے ہوئے سید نگر میں خبر ہوئی ادھر سے لشکر سادات نکلا دوپہر کامل لٹھ چلا دو پونے دو سو آدمی زخمی ہوئے۔ چار گھڑی رات جاتے سرکاری فوج توپ لیکر آ پہنچی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تحقیقات ہونے لگی اور نتیجہ یہ ہوا۔

	قید		قصاص
	دائم الحبس	میعادی	
گوجر	۵	۵۱	۷
سادات	۲۲	۱۰۱	۱۸

ہنگاموں اور خانہ جنگیوں میں اکثر سزا کا پلہ دونوں طرف برابر رہتا ہے مگر سیدوں نے بڑا غضب یہ کیا کہ ادھر تو سوانے پر لڑائی ہو رہی تھی ادھر ڈھائی تین سو آدمی سید نگر سے نکل کنی کاٹ گوجر پور میں جا گھسے اور وہاں گوجروں کے مندروں کو توڑا پھوڑا عورتوں کو بے عزت کیا یوں سیدوں کی طرف سے زیادتی بہت ہوئی اور سزا بھی بہتوں نے پائی۔ میر بابا نے تو جس وقت سرکاری فوج کا آنا سنا اسی وقت زہر کھا کر مر رہے میر مقتدر کسی تدبیر سے بھاگ نکلے گھر بار ضبط ہوا اسباب نیلام ہوا بیٹوں میں تین یا چار نابالغ بچے تھے وہ تو بچے دو نے پھانسی کھائی اور دو کالے پانی بھیجے گئے میر مقتدر کے لئے پانسو روپے کا اشتہار ہوا مگر پکڑے نہ گئے رفیق ان کا ایک خانہ پروردہ ان کے ساتھ بھاگا دس بارہ برس بعد اکیلا واپس آیا۔ بڑا نمازی بڑا پرہیزگار وہ بیان کرتا تھا ان کی مصیبتیں کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ کہتا تھا کہ آخر کار کسی مقام پر بغداد کے علاقے میں میر مقتدر

مرضِ موت میں مبتلا ہوئے مگر الیسی سختی کی موت ہم نے تو دیکھی کیا سنی بھی نہیں۔ پورے پندرہ دن بول و براز بند تھا نہ مسہل اثر کرتا تھا نہ حقنہ نہ پچکاری دن اور رات مچھلی کی طرح تڑپتے تھے اور کسی وقت تالو سے زبان نہیں لگتی تھی۔ بول و براز کے بند ہونے سے مادے میں سمیت پیدا ہوئی اور سمیت ظاہر جلد تک پھوٹ پڑی باوجودے کہ نہایت گورے چٹے آدمی تھے اور ان مصیبتوں میں بھی ایرانی معلوم ہوتے تھے۔ سمیت کی وجہ سے سارا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے سیہ تاب اور سوزش اس بلا کی کہ کیچڑ میں لوٹے لوٹے پھرتے تھے۔ مگر ایک لمحہ قرار نہ تھا۔ مرنے سے سات دن پہلے نہیں معلوم کیا بات تھی بے ہوشی میں وطن کے لوگوں کے نام لے لے کر کہتے تھے فلانا مجھ کو مارے ڈالتا ہے فلانا گرم سیخیں میرے پیٹ میں بھونکتا ہے۔ فلانا مجھ کو تنور میں دھکا دیتا ہے۔ فلانا میری کھال کھینچتا ہے۔ رفیق کا مقولہ یہ تھا کہ جن لوگوں کے وہ نام لیتے تھے وہ تھے جن پر انہوں نے ظلم کئے تھے۔ رفیق یہ دیکھ کر اس قدر مرعوب ہوا کہ گویا اسی دن سے اس نے ترک دنیا کیا۔ غرض وہ کمبخت سوانے کا مقدمہ کیا ہوا تھا کہ سید نگر کے حصے کی قیامت آگئی آبرو اور جان اور مال کا جو نقصان ہوا تھا سو ہوا تھا ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ سادات سے خیر بالکل اٹھ گئی۔ اب اس نواح میں سید کے معنی

ہیں۔ مفسد۔ لڑاکو۔ جھگڑالو۔ مردم آزار۔ جھوٹا۔ جعل ساز۔ مفتری فتنہ پرداز اور واقع میں لوگوں کے افعال اور معاملات پر نظر کرتے ہیں تو جس قدر بدنامی ہو رہی ہے۔ اس سے زیادہ کے مستحق ہیں۔ گوجروں کے ساتھ لڑنے کا مزہ چکھ چکے تھے چاہیے تھا کہ لڑائی کے پاس نہ پھٹکتے مگر الٹا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ بھائی بھائی سے لڑنے لگا باپ بیٹے سے بیٹا ماں سے میاں بی بی سے پڑوسی سے پڑوسی حصہ دار حصہ دار سے زمیں دار کاشت کار سے گویا لڑائی ان کے خمیر میں داخل ہے یا بے لڑے ان کو نیند نہیں آتی یا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ شرافت نجابت کے دعوے اتنے لمبے چوڑے کہ کسی کو اپنا کفو نہیں سمجھتے مگر معاملات ایسے کہ پاجی سے پاجی کو شرم آئے اور کمینے سے کمینے کو عار۔ سید نگر کی کھیوٹ نکال کر دیکھو چھبڑا عورتوں کے نام ہیں۔ کسی کی جورو کسی کی بیٹی کسی کی بہن۔ دیوانی و فوجداری میں مہر اور نان و نفقہ اور طلاق کے جتنے مقدمے ایک سید نگر کے ہوں گے شاید ساری لفٹنٹی کے نہ ہوں۔ مگر ان تمام فسادات کے نتیجے کیا ہیں تم لوگوں کے گھروں میں اسٹامپ کے بڑے بڑے پلشتارے بہت نکلیں گے بیبیوں کے جسم پر چاندی کا تار نہیں

باوجودے کہ دیہاتی پہناوا ہے۔ گٹھری میں سلیقے کا کوئی کپڑا نہیں۔ جوار۔ باجرا۔ ساتواں کودوں جو کچھ سیر میں پیدا ہوا اُسی پر تمہاری گزران ہے۔ تمہارا علاقہ شہد کی مکھیوں کا چھتّا ہے جتنے پیدا ہوتے گئے اُسی میں بھرتے گئے۔ میں اگر تمہارے علاقہ کا مہتمم بند و بست ہوتا تو بگہ بسوا بسوانسی کچوانسی سب موقوف کر کے کسور اعشاریہ میں تمہارا کھیوٹ بناتا یہ حال تو تمہاری حصہ داریوں کا ہو گیا ہے۔ اس پر طرّہ یہ ہے کہ جس حصّے کو دیکھئے کثرت انتقالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کباب ہے اور اُس میں ہزارہا چیونٹیاں۔ سید زادوں کو دیکھا تو اس سرے سے اُس سرے تک ایک ہوشیار نہیں کسی میں آئندہ کی فلاح کے آثار نہیں یہ وبال یہ نکبت یہ ذلت یہ افلاس سب تمہارے ہی اعمال کی سزا ہے اور اگر یہ پوری سزا ہوتی تو تم سستے چھوٹ گئے تھے۔ یقین جانو سزا نہیں ہے بلکہ تمہید سزا۔ جب سزا کا وقت آئے گا تو یہ تمہارا قانون اور قاعدہ کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔ حقوق کے متعلق ایک بات اور ہے جس کو میں چاہتا ہوں کہ تم اُس کی طرف زیادہ توجہ کرو۔ وہ یہ ہے کہ انسان کے ذمے دو طرح کے حقوق ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ لوگ حقوق العباد کی نسبت بڑی غلطی میں پڑے ہیں اور اُن کو آسان سمجھ لیا ہے حالاں کہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے اگر کسی آدمی سے اللہ کے حقوق

ضائع ہوں اور سبھی سے ہوتے ہیں تو بندے کا خدا سے کیا مقابلہ حقوقِ الٰہی کا ضیاع اکثر سہو اور غفلت اور نادانی اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے ہوتا ہے اور امید ہے کہ خداوند غفور و رحیم بندوں کے ضعف پہ نظر فرما کر اُن کے قصور معاف کرے اور کرے گا مگر حقوق العباد کا یہ حال نہیں ہے اُس میں ایک بندہ زور سے ظلم سے ہیکڑی سے زبردستی سے دوسرے بندے کو ستاتا اُس کا دل دُکھاتا اُس کو ایذا پہنچاتا ہے اور اس قصور کا معاف کرنا نہ کرنا اُسی بندہ مظلوم کے اختیار میں ہے مگر انصاف کرو دنیا میں کتنے لوگ اس کی پرواہ کرتے ہیں۔ لاکھوں مظلمے ہیں جن کو بندگان خدا مرتے وقت اپنے سروں پر لاد کرلے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دین کو کھیل اور مذہب کو ہنسی سمجھ رکھا ہے مُنہ سے کہتے ہیں کہ مرنا برحق۔ نکیرین[۱] کے ساتھ سوال و جواب کا ہونا برحق عذاب قبر برحق قیامت برحق مرے بعد پھر زندہ ہونا برحق رتی رتی کا حساب دینا برحق جنّت برحق دوزخ برحق اور کردار حق[۲] غرض سید حاضر! مجھ میں تم میں قرابت کا ایک تعلق ہے اور جیسا میں نے تم سے کہا تعلق سے پیدا ہوتے ہیں حقوق اور فرائض۔ میں اس کو اپنا فرض تعلق سمجھتا تھا کہ تمہارے

---

[۱] قبر کے فرشتوں کو نکیرین کہتے ہیں ۱۲

[۲] یعنی کردار حق کے قابل ۱۲

فرائض کو تم پر بالاجمال ظاہر کردوں سو میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ یہ کہکر متقی بجا مجھ سے رخصت ہوا اور چلتے چلتے کہہ گیا کہ افسوس ہے سیّد ناظر سے ملاقات نہ ہوئی ان شاءاللہ پھر کسی دن آؤں گا۔ میر متقی نے اچھے خاصے پہر سوا پہر سید حاضر کے ساتھ باتیں کیں اس تمام وقت میں سید حاضر کا یہ حال تھا کہ ماموں کے منہ پر اُس کی ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی اور ہمہ تن گوش ہو کر اُن کی باتوں میں مستغرق تھا جو لفظ ماموں کے منہ سے نکلتا اُس کے دل میں کالنقش فی الحجر بیٹھتا چلا جاتا۔ حاضر کے کان ایسی باتوں سے مطلق آشنا نہ تھے اُس پر میر متقی کا بیان کہ گویا ایک دریا ہے کہ موجیں مار رہا ہے یا ریل ہے کہ فی گھنٹہ سو میل کی رفتار سے دوڑ رہی ہے یا بھری برسات میں ساون بھادوں کا بادل ہے کہ اُمڈا چلا آرہا ہے اور پھر باتیں کھری سچی ستھری جن میں فدا او پیچ نہیں دنیا کے فائدوں کی ضامن دین کی درستی کی کفیل بھلائی کی صلاح بہتری کا مشورہ سید حاضر بت کی طرح چپ چاپ بیٹھا سُنتا رہا۔ اگرچہ گاؤں کا کام کاج کرتا تھا مگر کون سا گاؤں سید نگر جہاں کے پرچے نئے ساہوکاروں کے تنگی کا شتکار۔ تعلقہ داروں کے۔ جاہل محض لیاقت شعاروں کے اہل مقدمہ وکیل مختاروں کے کان کترتے تھے۔ مگر متقی نے اتنا کچھ کہا اور سید حاضر سے چوں کرتے نہ بن پڑی۔

دسویں فصل سید حاضر کا میر متقی کے وعظ سے متاثر اور متنبہ ہو کر بہن کو اُس کا حق دینے پر آمادہ ہونا اور دونوں بھائیوں کی اسی بات پر باہمی رنجش

میر متقی کے چلے جانے کے بعد بھی سید حاضر دیر تک سکتے کے عالم میں تھا اپنے یہاں کے معاملات میں سے جس معاملہ پر نظر کرتا تھا کسی کو دخل فساد سے اتلاف حقوق العباد سے خالی نہیں پاتا تھا۔ جن باتوں پہ اُس کا بڑا ناز تھا اب اُس کی نظر میں نہایت ذلیل اور باجی ین کی دلیل معلوم ہوتی تھیں۔ وہ گھبرایا ہوا اکیلا دالان میں ٹہل رہا تھا اور اس قدر بے قرار تھا کہ جاڑے کے دن اور شام کا وقت اُس کو پسینے پر پسینے چلے آتے تھے اور دیکھتا تھا کہ کھانا اور پینا اور اوڑھنا اور بچھونا اور ساز و سامان اور مال و متاع اور نقد و جنس حتیٰ کہ اپنا گوشت پوست کوئی چیز بھی لوث حرمت سے پاک نہیں پاتا تھا کہ بدکرداری اور بدمعاملگی ہماری برادری اور ہمارے خاندان میں ابا عن جد[۱] چلی آتی ہے۔ اگرچہ حاضر و

---

[۱] یعنی یہ بطور میراث باپ دادا سے متواتر چلی آتی ہے ۱۲

ناظر دونوں باپ کے مرنے سے معاملات کرنے لگے تھے۔ مگر حاضر نے احتساب کیا تو اتنے ہی دنوں میں صدہا مظلمے اُن کے نامۂ اعمال پر چڑھ چکے تھے۔ اور اُن میں اکثر ایسے تھے جن کا تدارک محال تھا۔ اور تلافی ناممکن۔ ہم کو حاضر کی اتنی ہی بات سے تعلق ہے کہ جہاں اُس کو اپنے وقت کے اور بہت سے معاملے یاد آئے اُن میں سے ایک معاملہ غیرت بیگم کا بھی تھا اگرچہ غیرت بیگم کے معاملہ میں ابتدائً تحریک ناظر کی طرف سے ہوئی اور اُسی کو اس میں زیادہ اصرار بھی تھا مگر پھر بھی حاضر کا اتنا قصور تو تھا کہ بڑا بھائی ہو کر اُس نے ناظر کو سمجھایا نہیں غیرت بیگم کا خیال آنا تھا۔ کہ فوراً گھوڑا کسوا اور سوار ہو راتوں رات شہر میں ناظر کے مکان پر جا دستک دی اگلے دن کسی مقدمہ کی پیشی تھی اور ناظر آدھی رات تک گواہوں کو تعلیم اور کاغذات کی درستی میں مصروف تھا۔ ابھی اچھی طرح نیند بھری بھی نہ تھی کہ بھائی کی آواز سن کر چونک پڑا اور لگا پوچھنے خیر تو ہے آپ ایسے سویرے کیوں کر آئے۔ حاضر خیر تو ہے تم باطمینان وقتی ضرورتوں سے فارغ ہو لو تو میں اپنے آنے کی وجہ بیان کروں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب دونوں بھائی یک جا ہوئے تو حاضر نے پوچھا چھوٹے ماموں آئے ہیں تم اُن سے ملے۔ ناظر۔ ماموں کا آنا تو مجھ کو معلوم ہوا مگر میں مِلا نہیں اور ملنے کا ارادہ بھی نہیں۔ حاضر۔ کیوں۔ ناظر۔ میں جانتا ہوں

وہ آپا کا جھگڑا ضرور نکالیں گے اور مجھ کو کسی طرح آپا کا حصہ دینا منظور نہیں بے فائدہ باتوں ہی باتوں میں تکرار ہو پڑے گی۔ حاضر کیوں بے چاری غیرت نے ایسا قصور کیا ہے کیا وہ ہماری حقیقی بہن اور متروکہ پدری میں عنداللہ اور عندالرسول حق دار نہیں ہے۔ حاضر کے منہ سے یہ سوال سُن کر ناظر کے کان کھڑے ہوئے آدمی تھا معاملہ فہم معاملہ شناس فوراً تاڑ گیا کہ بھائی ماموں سے ملے اور ماموں نے پٹی پڑھا ئی تو کہتا کیا ہے کہ اگر ماموں کوئی فتوے مکے سے لکھوا کر لائے ہوں تو اُس کو اپنی قدوری[1] میں چپکا رکھیں۔ اُن کو شاید یہ معلوم نہ ہوگا کہ یہاں شریف مکہ کا حکم نہیں چلتا انگریز بہادر کی عمل داری ہے۔ میں نے برسوں کی جُستجو ہیں پریوی کونسل اور عدالت ہائے عالیہ ہائی کورٹ اور چیف کورٹ اور جوڈیشل کمشنر کے فیصلوں اور میگناٹن اور سرہنری لا کی شرع محمدی سے وہ وہ نظائر اور احکام چھانٹ کر رکھے ہیں کہ اگر آپا سے جہیز واپس نہ کرا لوں تو سید نہیں چارہ حاضر کو بھی بھائی کی اس قدر خشونت[2] دیکھ کر نہایت استعجاب[3] ہوا کیوں کہ اُس نے آج تک حاضر کے رو در رو ایسی شوخ چشمی کے ساتھ کبھی بات نہیں کی تھی اور بولا کہ تم

---

[1] علم فقہ کی ایک کتاب کا نام ہے ۱۲

[2] سختی ۱۲

[3] تعجب

ماموں سے ناحق بد گمان ہوتے ہو میں اُن سے مِلا بے شک اور وہ تعزیت کے لئے سید نگر تشریف لے گئے بلاشبہ مگر غیرت بیگم کا نام تک اُن بے چارے نے نہیں لیا۔ اور افسوس ہے کہ تمنے اُن کی شان میں خرد ہو کر اس قدر گستاخی کی اور وہ بھی غائبانہ پس تم نے ایک بزرگ کا حق تلف کیا۔ ناظر۔ اُنھوں نے آپا کا نام نہ لیا ہو گا۔ الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ[1] اور فرض کیا کہ میں نے گستاخی کی تو قانون نے صرف ایک ہی گستاخی کو جرم قرار دیا ہے یعنی حاکم عدالت کے ساتھ گستاخی کرنا جبکہ وہ عدالت کا اجلاس کر رہا ہو اور ظاہر ہے کہ ماموں اُس کے مصداق نہیں ہو سکتے ناظر کے اس جواب سے حاضر کو سید متقی کی اس بات کی تصدیق ہوئی کہ حکام ظاہر کے انتظام سے پورے طور پر حقوق العباد کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ سید متقی کے وعظ سے سید حاضر کے خیالات دفعتہً اس قدر متبدل ہو گئے تھے کہ دونوں بھائیوں میں التیام کا ہونا محال تھا۔ ناظر اپنے اُسی پُرانے موروثی ڈھرّے پر چلتا تھا کہ قانونی گرفت بچا کر جہاں تک اور جس طرح ممکن ہو اپنا فائدہ کرنا چاہیئے۔ کسی کا حق تلف ہو تو مضائقہ نہیں۔ کسی کا دل دُکھے تو پروا نہیں عاقبت تباہ ہو تو کچھ حرج نہیں اور سید حاضر کو اب اُس بلا کا

---

[1] یعنی بعض اوقات صراحت سے اشارہ زیادہ موثر ہوتا ہے ۱۲

[2] دنیا اور دین دو سوکنیں ہیں ۱۲

اہتمام تھا کہ ایک غیبت کو بھی وہ اتلافِ حق سمجھا غرض یہ جو سُنا کرتے تھے کہ الدُّنیا والدین ضرتان

ہم خدا خواہی وہم دُنیائے دوں
این خیال ست و محال ست و جنوں

اب وہ معمیٰ حل ہوا کہ حقیقت میں وہ دنیا جو دین کی دشمن ہے اور اُس کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی وہ یہ دُنیا ہے کہ جیسی ناظر کی تھی جس میں حلال و حرام کا امتیاز نہیں جائز و ناجائز کا تفرقہ نہیں خدا اور رسول کا خوف نہیں روز قیامت کا اندیشہ نہیں ناظر کی اتنی ہی باتوں سے حاضر کو پورا تیقن ہو گیا کہ اُس کو سمجھانا یا اُس کے ساتھ بحث کرنا محض بے سود اور لاحاصل ہے اُس پر خالوں کی پھٹکار ہے اور اُس کے سر پر چڑھا ہوا جن سوار اس لیئے زیادہ ردّ و کد مناسب نہ سمجھ کر اُس نے دو ٹوک بات ناظر کو سُنادی کہ تم اس کو ماموں کا اغوا سمجھو یا میرا حمق میں تو غیرت بیگم کا حق اب ایک لمحے کے لیئے بھی نہیں رکھ سکتا ناظر دیکھیے اپنا کیجئے گا تو مجھ سے آپ سے بگاڑ ہو جائے گا حاضر۔ اگر اتنی ہی بات پر کہ میں ایک حق دار کا حق مارنا نہیں چاہتا تم مجھ سے بگڑو تو تمہاری خوشی اگرچہ تمہارے بگڑنے کا مجھ کو سخت افسوس ہو گا مگر اُس سے ہزار درجے زیادہ افسوس ہو گا اگر غیرت بیگم کا حق غصباً میرے پاس رہے۔ ناظر۔ یہ آپا کی

خصوصیت کیا ہے۔ حاضر۔ خصوصیت پوچھو تو وہ ہماری حقیقی بہن ہے مگر ایصالِ حق کے لئے اس کی مطلق خصوصیت نہیں۔ ان شاء اللہ سب حقداروں کے ساتھ میں ایسا ہی معاملہ کروں گا
ناظر۔ تو آپ سیدھی بات یہی کیوں نہیں کہتے کہ ترکِ دنیا پر آمادہ ہیں۔ حاضر اگر مغصوبات کا واپس کر دینا تمہارے نزدیک ترک دنیا ہے تو مجکو اس سے انکار نہیں۔ ناظر بیٹھے بٹھائے یہ آپ کو ہوا کیا ہے پہلے تو میں ماموں کو مولوی اور حاجی اور جیسا اُن کا نام ہے متقی سمجھتا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ . . . . . . تسخیر یا سحر کے بھی عامل ہیں۔ حاضر۔ ماموں کی شان میں تمہاری طرف سے یہ دوسری گستاخی اور دوسری غیبت ہے دوسرا اتلاف حق ہے۔ ناظر۔ میں آپ کو آگاہ کئے دیتا ہوں کہ یہ گھر کی تباہی کے سامان ہیں۔ حاضر۔ جس گھر کی آبادی دوسروں کے حقوق کے غصب کرنے پر موقوف ہو اُس کا تباہ ہونا ہی بہتر ہے۔ ناظر۔ آپ نے انجام کار پر بھی نظر کر لی ہے حاضر۔ انجام کار پر نظر کرنا ہی مجکو تو اس ارادے کا باعث ہوا ہے۔ ناظر۔ تو آپ مجکو بھی اپنے ساتھ برباد کرتے ہیں کیسی کیسی محنتوں اور کیسی کیسی تدبیروں سے میں نے ملکیت کو درست کیا اب ایک ڈھنگ پر آچلی تھی تو آپ ساری عمارت کو جڑ بنیاد سے ڈھائے دیتے ہیں۔ حاضر۔ کیا تم نے مجکو مجنون قرار

دیا ہے یا محنوط الحواس سمجھا ہے تو دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا ہے جو دیدہ و دانستہ اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مارے یا سمجھ بوجھ کر اپنے رہنے کے مکان میں آپ آگ لگائے۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اس بات کا میں نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دوں اور جس دنیاوی فائدے میں دین کا ضرر ہے اس کی طمع نہ کروں اگر ایسا کرنے سے میری دنیا برباد ہوتی ہو تو ہو اور اگر مجھ پر دنیاوی تباہی آتی ہے تو آئے۔ جب میں نے دین کے خلاف دنیاوی فائدے کا لالچ نہ کیا تو دنیاوی نقصان کی میں کیا پرواہ کر سکتا ہوں ناظر۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تمہارے فائدوں کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں مگر وہیں تک کہ وہ فائدے جائز طور پر حاصل کئے جائیں غضب اور ظلم اور دغا اور فساد اور اتلاف حقوق العباد کو نہ میں اپنے لئے جائز رکھتا ہوں اور نہ تمہارے لئے۔ ناظر یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ پر ماموں نے جادو کیا۔ حاضر۔ اگر تمہارے نزدیک یہ جادو ہے تو یہی جادو تمام پیغمبر صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین تمام اولیا تمام انبیا تمام اتقیا کرتے آئے ہیں مگر جادو ایک مکروہ لفظ ہے اس کا استعمال بزرگانِ دین کے حق میں میرے نزدیک تو درست نہیں۔ ناظر اچھا تو ایک کام کیجئے آپ اپنے حصے کا بٹوارہ کرا لیجئے اور علیحدہ ہو جائیے۔ حاضر میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا۔ مگر اس صورت میں مشکل یہ ہے

کہ جب تک ملکیت تمام مظالم سے پاک نہ ہو میں اُس میں سے حصہ لے
نہیں سکتا۔ ناظر آپ نے ساری ملکیت کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ اپنے مذہب
کے رو سے حصہ مدری میں سے جتنا حصہ آپ اپنا سمجھتے ہوں
الگ کر لیجئے۔ حاضر۔ والد مرحوم کی جگہ میرا اور تمہارا اور غیرت بیگم تینوں
کا نام لکھا جانا چاہیئے لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ہم دونوں نے
ناحق اور ناروا بہن کو محروم کر کے اپنے ہی نام چڑھوائے تو نصف نصف
ہم دونوں کا ہوا پس سرکاری کاغذات میں میرا نصف حصہ لکھا ہے
اس میں بھی تو غیرت بیگم کا ایک عُشر شامل ہے جس کو میں اپنے پاس
رکھنا نہیں چاہتا۔ ناظر۔ آپ بٹوارے کی درخواست میں لکھ دیجئے کہ
اگرچہ میرے نام نصف حصہ لکھا ہے مگر حقیقت میں میرا دو خمس ہوتا ہے
اُسی قدر کا میں بٹوارہ چاہتا ہوں حاکم آپ کی درخواست تصدیق کر کے
آپ کے دو خمس کا بٹوارہ کر دے گا۔ حاضر۔ تو غیرت بیگم کا یہ
ایک عشر بھی تمہاری طرف منتقل ہو جائے گا۔ ناظر۔ آپ کا اس میں
حرج کیا ہے۔ غیرت بیگم کا مطالبہ میرے سر رہے گا۔ حاضر۔ تو
اس کے یہ معنے ہیں کہ میں غیرت بیگم کا ایک عُشر جو میرے نام ہے
۔۔۔۔ تمہارے نام منتقل کر دوں۔ ناظر۔ خیر معنے مطلب تو میں
سمجھتا نہیں ایک راہ کی بات ہو میں نے آپ کو بتائی اگر آپ کو

لہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے ۱۲

مجھ سے یہ خواہش نہیں ہے تو جس طرح میں نے بیان کیا درخواست لکھیئے۔ اور پیشِ حاکم اس کو جل کر تصدیق کرائیے باقی مراتب میں دیکھ بھال لوں گا آپ کو وہی دو خمس ملے گا۔ جو آپ چاہتے ہیں۔ حاضر غیرت بیگم کا ایک عُشر میں تمہارے نام تو منتقل نہیں کرا سکتا وہ بھی تو ناجائز ہے حق دار کو تو اُس کا حق نہ ملا۔ ہاں اگر کہو تو درخواست میں یہ بات بے شک لکھ دوں کہ میرے نام جو نصف حصہ لکھا ہے اس میں دو خمس میرا ہے اور ایک عُشر غیرت بیگم کا ناظر۔ اس سے تو میری نصفی میں فتور پڑے گا۔ حاضر۔ پڑے گا تو تم جا تو میرے اختیار کی بات نہیں۔ ناظر۔ آپ کے اس اصرار سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف تقاضائے دین داری نہیں ہے۔ بلکہ ماموں کے سب فساد ہیں۔ حاضر۔ تم بار بار پھر پھر کر ماموں کو اُن کی پیٹھ پیچھے بُرا کہتے جاتے ہو مجکو اس بات سے سخت تکلیف ہوتی ہے میں نے تم سے کہا کہ ماموں نے غیرت بیگم کا نام تک نہیں لیا اور تم نے میرے کہنے کو سچ نہ جانا فرض کرو ماموں ہی نے مجکو غیرت بیگم کا حق مغصوب واپس کر دینے پر آمادہ کیا تو کیا احقاقِ حق میں کوشش کرنا فساد ہے۔ ناظر یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا بہت خوب معلوم ہوا آپ آپا کو اُن کا حصہ دیجئے اگر آپ سے دیا جائے اور وہ لیں اگر اُن سے لیا جائے اور ماموں جس غرض سے بھانجی کی خوشامد میں لگے ہیں مجکو معلوم ہے۔ مبتلا بھائی کو

اُنھوں نے دیکھ پایا ہے بھولا بے وقوف جانتے ہیں کہ بھائی کے نام سے بڑے ماموں کی تمام اِملاک پر خود قابض ہو جائیں لیکن (موچھوں پر تاؤ دے کر) اگر ناظر کے دم میں دم ہے تو ماموں کو ایسا مزا چکھاؤں کہ سات برس بعد توجہ سے پھر کرآنا نصیب ہوا۔ اب اُن کو ہجرت ہی کرنی پڑے تو سہی۔ آپا کا حصّہ لینا ایسا کیا ہنسی کھیل ہے۔ حاضر بے چارہ اپنا سا مُنہ لے کر سید نگر واپس گیا غمگین اُداس کیا خدا کی شان ہے کہ کل شاموں شام سید متقی کے وعظ سے حاضر متنبہ ہوا توبہ کی تلافی مافات پر آمادہ ہوا راتوں رات بھاگا ہوا بھائی کے پاس گیا۔ ابھی جی کھول کر بھائی سے باتیں نہیں کرنے پایا تھا کہ سخت امتحان میں پکڑا گیا وہ خوب واقف تھا کہ ناظر ایک سانپ ہے اس بلا کا زہریلا کہ اُس کا کاٹا پانی نہ مانگے اُس کا ڈسا ہوا ٹھکانہ کھائے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر بگڑا اور اب اُس کے بگڑنے میں کسر ہی کیا باقی تھی تو کیسی زمین داری اور کس کی حصہ داری گاؤں کا رہنا دشوار کردے گا اور اُس کے ہاتھوں سے زندگی دبال دوش ہو جائے گی۔ یہ یہ خیال کر کے وہ جی ہی جی میں اپنے آپ کو سمجھاتا تھا کہ تجھ کو بھائی کے ساتھ بگاڑنا کیا ضرور ہے اگر وہ غیرت بیگم کا حصہ نہیں دیتا نہ دے وہ جانے اُس کا کام جانے اپنا اپنا کرنا اپنا اپنا بھرنا۔ غیرت بیگم کو حصّہ لینا ہوگا تو آپ سے آپ نالش

کریں گی۔ ہر کسے مصلحتِ خویش نکو مے داند۔ میری طرف سے اتنا کافی ہے کہ ابھی سے غیرت بیگم کے حصے سے دست بردار ہو جاؤں اور اگر نالش ہو تو دعوے کی تردید نہ کروں پھر سوچا تھا کہ اب تک جو غیرت بیگم حصے سے بے دخل رہیں۔ اُس کا وبال جیسا ناظر پر ویسا مجھ پر کیوں کہ ہم دونوں نے مل کر غیرت بیگم کو محروم کیا بلکہ ایک اعتبار سے مجھ پر زیادہ اور ناظر پر کم۔ کیوں کہ میں پٹی کا نمبردار ہوں اور پٹی کی تحصیل وصول میرے ہاتھوں سے ہوتی ہے علاوہ اس کے کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم دونوں بھائی تو بے زحمت اپنے حقوق پر قابض ہوں اور غیرت بیگم کو نالش کرنے پر مجبور کریں۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ عورت ہے پردہ نشین اور کوئی اُس کے حق کی حفاظت کرنے والا نہیں دنیا میں آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی تو خدا کو کیا جواب دیں گے اور مانا کہ میں غیرت بیگم کے حصے سے دست بردار ہو بیٹھا تو وہی بات پھر آئی کہ میں نے نہ لیا ناظر کو لینے دیا غیرت بیگم کو تو اُس کا حق نہ پہنچا علاوہ بریں آج تک تو ایک غیرت بیگم کا معاملہ ہے اُس میں یہ حجت ہے ابھی تو ایسے ایسے صدہا معاملے نکلیں گے غربا کے ضعفا کے . . . . اور ایسے لوگوں کے جن کو سوا خدا کے کہیں پناہ نہیں اور ناظر کا منشا تو معلوم ہو چکا کہ وہ تو سوا قانون کے خدا اور رسول کسی سے ڈرنے دبنے والا نہیں تو بگری

کی ماں کب تک خیر منائے گی بھائی سے تو ایک نہ ایک دن بگڑے ہی گی اور آج اگر غیرت بیگم کے معاملے میں میں نے ذرا بھی اپنا ضعف ظاہر کیا تو پھر تو ناظر کی جیت ہے غرض یہ تزلزل ٹھیک نہیں بلکہ وسوسۂ شیطانی ہے۔

گیارہویں فصل سید حاضر نے بتقضائے دین داری علی رغم انف سید ناظر اپنی بہن کو اُس کا حق دلایا

ایسے ابتلاء کے وقت میں خدا نے حاضر کی مدد کی۔ اُس کو معلوم تھا کہ ناظر کے پاس سادہ اسٹامپ کا ایک بستہ ہے آخر ڈھونڈنے سے ملا کھول کر دیکھا تو اُس میں پرانے پچھلے سنوں کے متعدد قطعات ہیں سمجھا کہ ناظر نے کسی ارادۂ فاسد سے اُن کو بہم پہنچایا ہے اُس نے اٹھنی کا ایک قطعہ نیا سا دیکھ کر تو لے لیا۔ اور باقی اُس فساد کی پوٹ کو چولھے میں جھونک دیا جو قطعہ اُس نے نکال لیا تھا اُس پر ایک درخواست لکھی جس کی عبارت یہ تھی (نقل درخواست) کہ میں اور سید ناظر اور غیرت بیگم تینوں حقیقی بھائی بہن ہیں غیرت بیگم کا

نام پٹی داری میں داخل ہونے سے رہ گیا میں پٹی کا نمبردار ہوں اور میرے ہاتھوں پٹی کی تحصیل وصول ہوتی ہے۔ غیرت بیگم کے حق اور قبضے کو میں تصدیق کرتا ہوں اس لئے غیرت بیگم کا نام ایک خمس حصے پر چڑھا دیا جائے اور اُسی وقت درخواست کو رجسٹری کرا حاکم پرگنہ کے نام روانہ کردیا وہاں سے معمول کے مطابق اشتہار کا آنا تھا کہ سید ناظر نے عذرداری کی۔ مقدمہ لڑنے لگا۔ کلکٹری میں تو سرسری کارروائی ہوتی ہے۔ اور صرف قبضہ دیکھا جاتا ہے چونکہ نمبردار پٹی نے جس کے ہاتھ میں پٹی کی تحصیل وصول تھی۔ غیرت بیگم کے قبضے کی تصدیق کی اس سبب سے ناظر کی عذرداری نامنظور اور غیرت بیگم کا نام ایک خمس پر داخل ہونے کا حکم ہوگیا مگر سید ناظر محکمہ کلکٹری کو کیا مال سمجھتا تھا جس وقت داخل خارج کا حکم پہنچا تو اُس کے مختار نے تسلی کے طور اُس سے کہا کہ نمبردار کے بیان مجرد پر حکم ہوگیا ہے یہ حاکم کی رائے ہے اپیل کی بڑی گنجائش ہے ناظر نے کہا ارے میاں کہاں کی اپیل اور کس کا مرافعہ کل تو نہیں پرسوں تم کو والد کا تحریری وصیت نامہ لاکر دیتا ہوں اُس کی بنیاد پر اثبات حقیقت کا دعوے (خاک از تودۂ کلاں بردار) دیوانی میں دائر کرو تو نمبردار صاحب کی ساری شیخی کرکری ہو جائے گی۔ ناظر وصیت نامہ لینے گھر دوڑا ہوا آیا اور اسٹامپ کے لینے کی تلاش میں سیدھا کوٹھری میں گھسا بستہ نذارد اس کا ماتھا ٹھنکا معلوم ہوا کہ ایک بستہ تو بڑے میاں

کوئی ڈیڑھ مہینا ہوا جلا چکے ہیں یہ سنتے ہی پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا. حاضر ناظر کا جھگڑا ہمارے قصے سے متعلق نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں بھائیوں میں ایسی چلی ایسی کہ سید نگر والوں میں بھی جو سنتا تھا۔ دانتوں میں اُنگلی رکھ لیتا تھا. قاعدہ ہے کہ آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے. سید حاضر کے ساتھ غیرت بیگم اور غیرت بیگم کی لپیٹ میں سید متقی کی بھی شامت آئی۔

بارھویں فصل سید ناظر کے فسادات میر متقی کی نسبت عرضی گمنام میر متقی کے سمجھانے سے اصلاح ذات البین[1] ہونا

ناظر کو شروع میں صرف اسی پر اصرار تھا کہ غیرت بیگم کو حصہ نہ دوں سٹامپ کے بتہ کا جلانا سن کر وہ بھائی پر نہایت برافروختہ ہوا اور اُس نے دیوانی میں سالم حقیقت پدری کا دعویٰ دائر کیا اس بیان سے کہ نہ حاضر میر باقر کا بیٹا ہے اور نہ غیرت بیگم میر باقر کی بیٹی اُس نے بات یہ بنائی کہ میر باقر کا اکلوتا بیٹا میں ہوں۔ میرے پیدا ہونے میں دیر ہوئی تو میر باقر نے پالک کے طور پر حاضر کی

---

[1] باہمی صلاح ۱۲

پرورش اور پرداخت کرنے لگے۔ اور اس بیان کی تائید میں اسٹامپ کے کاغذ پر ایک وصیت نامہ پیش کیا جس پر میر باقر کی مہر تھی اور اس کا سوادِ خط بھی میر صاحب کے خط سے اشبہ میر متقی کی نسبت ایک گمنام عرضی لفٹنٹی میں پہنچی کہ سلطان روم کی طرف سے جاسوس بن کر آئے ہیں اور لوگوں کو چپکے چپکے جہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور عنقریب ہندو مسلمانوں میں ان کے اغوا سے فساد عظیم ہونے والا ہے۔ سید حاضر کو جب دیوانی کے دعوے کا حال معلوم ہوا تو عرضی دعوے کی نقل لے کر سید متقی کے پاس دوڑا ہوا آیا۔ سید متقی کو اُس وقت تک داخل خارج کے سوا کچھ حال معلوم نہ تھا دور سے حاضر کو دیکھتے ہی خوش ہونے لگے تحسین و رضا کی باتیں کرنے حاضر نے پاس آکر ناظر کے عرضی دعوے کی نقل دکھائی تو انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر ایسے سنائے میں آگئے کہ بہت دیر ہوگئی اور بھلا یا بُرا کوئی ہی لفظ منہ سے نہ نکلا تو حاضر نے خود ابتدا کی اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا تھا کہ میں تو اپنے میں ناظر کے مقابلے کی طاقت نہیں پاتا عزت کو آبرو کو سچائی کو دین کو ایمان کو خوفِ خدا کو سب کو ایک دم سے بالائے طاق رکھ دوں تو ناظر کے ساتھ لڑنے کا نام لوں اور یہ مجھ سے اب ہو نہیں سکتا ہر چند رہ رہ کر غصہ آتا ہے اور بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس مردک کو اُسی قانون سے جس پر اُس کو بڑا گھمنڈ ہے

اُس کو کیئے کی ایسی سزا دلواؤں کہ ساری عمر اُس کو قید سے نجات نہ ہو اور اُس کی تدبیریں سمجھ میں آتی ہیں اور میرے اختیار کی بھی ہیں ناظر کتنا ہی قاعدہ داں اور ضابطہ شناس کیوں نہ ہو مگر آخر ہے تو مجھ سے بھی چھوٹا لیکن آپ کے ارشاد کے مطابق میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ دُنیا کے لئے دین کو نہیں بگاڑوں گا اب دُنیا میں ایک نصیحت نہیں ہزار نصیحت اور ایک نقصان نہیں ہزار نقصان کیوں نہ ہو جائیں اس عہد کو تو میں توڑ نہیں سکتا مگر ناظر کے حملے سے بچنے کے لئے میں نے ایک تدبیر سوچی ہے کہ میر غالب کو تو آپ جانتے ہوں گے وہ بھی ان دنوں سید نگر کے بڑے چلتے ہوئے پرزوں میں ہیں سید نگر خاص میں اُن کا بھی تھوڑا سا حصّہ ہے اُن کی وکالت آج کل بڑے زوروں پر ہے چند روز ہوئے مجھ سے کہتے تھے کہ اگر کوئی حصہ بکتا ہو۔ تو مجھ کو خبر کرنا تو میں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ اپنا حصّہ اُن کے ہاتھ فروخت کردوں جواب ترکی بترکی وہ ناظر سے سمجھ بوجھ لیں گے۔ اتنا ہی خیال ہے کہ گاؤں میں حصّہ ہے تو رعایا پر سو طرح کی حکومت ہے مگر جس طرز پر مجھ کو آئندہ زندگی کرنی منظور ہے اُس کے لئے مجھ کو حکومت درکار نہیں آپ سے اتنی بات پوچھنی تھی کہ اگر آپ کی صلاح ہو تو غیرت بیگم کے حصّے کی بھی بات چیت میر غالب سے کی جائے میں نہیں سمجھتا کہ غیرت بیگم کو ناظر چین لینے دے گا یہ سُن کر میر متقی نے کہا ان معاملات کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ قرابت

کے اعتبار سے بھی تم نزدیک تر ہو اور تمہارے معاملہ کی سچائی کا یہی بڑا ثبوت
ہے کہ تم نے بے فریاد بے نالش غیرت بیگم کو اُس کا حق دیا اور دلوادیا اور
بلکہ حق کے واسطے تم نے بھائی سے بگاڑی اور اُس بگاڑ کے نتائج
کی پہلی قسط یہ عرضی ہے جو تم نے مجھ کو دکھائی خدا حق ہے اور حق
سے راضی ہوتا ہے اور وہ ہی حق داروں کی حمایت کرنے والا ہے اور
ان شاء اللہ آخر حق کو غلبہ ہے اَلْحَقُّ یَعْلُوْ ۱ اس بات میں تم اپنی
بہن سے مشورہ کرو لیکن اگر میری رائے پوچھتے ہو تو شرع سے تم
نے غلطی کی تم نے وہ کیا اور آئندہ بھی وہی کرنا چاہتے ہو جو دُنیا میں
سبھی راست معاملہ کیا کرتے ہیں اور بلاشبہ شرع کی رُو سے تم پر
کوئی الزام نہیں مگر الزام کے عائد نہ ہونے سے تم کسی تحسین کے
بھی مستحق نہیں ہو سکتے مجھ سے اگر تم نے پہلے پوچھا ہوتا تو میں یہ صلاح
دیتا اور اب بھی تم کو اور غیرت بیگم دونو کو صلاح دیتا ہوں کہ اگر
کر سکو تو اپنے اپنے حق سے دست بردار ہو جاؤ ایسی کون سی بڑی
مالیت ہے خدا نے تم کو بہت کچھ دے رکھا ہے ناظر کو موروثی
کچھ انسیاں مبارک لے کر وہی بڑے آدمی نہیں آخر وہ بھی تو
کوئی غیر نہیں گھی کہاں گیا کھچڑی میں۔ تین بہن بھائیوں کے
پاس نہ رہا ایک کے پاس رہا بلاشبہ حقے کو گو کتنا ہی جزدی
کیوں نہ چھوڑنا مشکل ہے خصوصاً جب کہ موروثی ہو اور اُسی گاؤں
کا ہو جس میں رہنا سہنا ہے اور چھوڑنا بھی اس حالت میں کہ گالی

گلوچ تک کی نوبت پہنچ چکی ہو لیکن تم خود کہتے ہو کہ اب بدون فضیحت کے اس کا سنبھالنا ممکن نہیں حصہ منتقل کردینے کی تجویز جو تم نے سوچی ہے صرف من سمجھوتی ہے آخر اس کی تحقیقات تو ہو ہی گی تمہارے مقابلہ میں ہو یا خریدار کے کہ تم دونو میر باقر کی اولاد ہو جیسا کہ واقعی ہے یا نہیں ہو جیسا کہ ناظر نے عرضی دعوے میں لکھا ہے اگرچہ کامل یقین ہے کہ آخر کار تم کو ناظر کے مقابلہ میں ظفر ہو گی لیکن پھر ہمیشہ کے لئے وہ تم سے چھوٹ جائے گا اور تم سے اور مدت العمر تم کو باہمی خرخشوں سے نجات ملنے کی امید نہیں مگر جو تدبیر میں نبا نا ہوں اُس کا انجام جہاں تک میری سمجھ میں آتا ہے ان شاء اللہ یہی ہونا ہے کہ حصہ کا حصہ تمہارے پاس رہے گا اور تم بہن بھائی پھر ایک کے ایک ہو جاؤ گے تھوڑی دیر کے لئے فرض کرو کہ ناظر نے کل حصہ لے لیا مگر اس طرح پر کہ وہ لینا چاہتا ہے یعنی جھوٹ بول کر جعل بنا کر بھائی کو، بہن کو، ماں کو، باپ کو یعنی اپنے آپ کو رسوا اور فضیحتا کرنا کیا صاف صاف گالیاں دے کر تو ناظر یہ حصہ لے کر تم کو تو خیر چھوڑ ہی دے گا مگر کیا ہو ئی بچے رشتہ دار کنبہ دار قبیلہ برادری خاندان دوست آشنا جان پہچان ایک دم سے ساری دنیا کو چھوڑ دے گا ایسا تو نہیں ہو سکتا مگر سمجھتے ہو کہ دنیا اُس کو کیا کہے گی لعنت کرے گی یہ گانے اور بیگانے سب اُس کے منہ پر تھوکیں گے لڑکے اُس کے پیچھے تالیاں پیٹیں گے سب کی نظروں

میں وہ خوار اور بے اعتبار اور نکو اور انگشت نما ہوگا۔ در و دیوار اور کوچہ و بازار سے اُس پر پھٹکار برسے گی یہ حصہ ڈھاک کے کوئلہ کا ایک دہکتا ہوا انگارہ ہوگا کہ وہ ہرگز اُس کو مٹھی میں سنبھال نہ سکے گا مشکل سے مشکل مقدمات اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات میں تم ایک مختار یا وکیل کے کہنے پر عمل کرتے ہو اس ایک بات میں خدا کی صلاح پر بھی چل کر دیکھو کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے خدا کی صلاح کیا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ یعنی اگر تجھ سے کوئی بُرائی کرے تو بھلائی کے ساتھ اُس کا توڑ کر اور پھر دیکھ کہ یا تو تجھ میں اور اُس میں دشمنی تھی یا بات کی بات میں وہ تیرے ساتھ گرمجوشی کرنے لگا۔ حقیقت میں جیسی میر متقی نے پیشین گوئی کی تھی ویسا ہی ہوا حاضر اور غیرت بیگم کی طرف سے ناظر کے دعوے کی کچھ تردید نہ ہوئی قاعدے کے مطابق دعویٰ ایک طرف ڈگری ہو گیا مگر کیسی ڈگری کہ حاکم اور عملے اور اہل معاملہ اور چپراسی اور مذکوری سبھی نے تو ناظر کو ملامت کی جہاں گیا اُس نے نتارڑا اور جس سے ملا اُس نے لتھیڑا اور آخر کار ہار کر جھک مار کر کلنگ کا ٹیکہ ماتھے پر لگا کر جس قدر گالیاں تقدیر میں تھیں سن کر جتنی بدنامی قسمت میں تھی بھگت کر بصد منت و ہزار خوشامد ہاتھ جوڑ کر پاؤں پڑ کر وہی دو خمس حصہ حاضر کو اور وہی ایک خمس غیرت بیگم کو دیا اور ساری عمر کے لئے ناحق بیٹھے بٹھائے بھائی بہن کا کنونڈا انبا پڑا سو الگ۔

تیرھویں فصل میر متقی کا مبتلا کو سمجھانا اور اُس کی اصلاح حال میں کوشش کرنا

پچھلے بیانات سے بخوبی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ غیرت بیگم کے جتنے معاملات تھے سبھی تو خدا نے میر متقی کے ہاتھ سے درست کرائے اور کیسی عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کہ نہ لڑائی نہ جھگڑا نہ قصہ نہ فساد نہ غل نہ شور تنخواہیں بھی جاری ہو گئیں مکانات اور دوکانات کا بھی انتظام ہو گیا ناظر جیسے موذی کے پنجے سے حصہ زمینداری بھی چھوٹا جس کے چھوٹنے کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا مگر ابھی غیرت بیگم کا سب سے بڑا معاملہ **باقی** تھا یعنی اُس کے شوہر مبتلا کی اصلاح اس کی آوارگی کا علاج اس کی بدوضعی کی روک تھام عورت جب بیاہی گئی تو میاں سے اُس کا عیش ہے اور میاں ہی سے اُس کا آرام میاں ہی سے اُس کی توقیر ہے اور میاں ہی سے اُس کا اعزاز واحترام۔ آپس میں پیار اخلاص ہو تو دنیا کی ساری مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور جہاں دلوں میں محبت نہیں پہننے میں مزا اور کھانے میں لذت نہیں دل میں امنگ نہیں سنگھار میں بہار نہیں پھولوں میں باس نہیں مہندی میں رنگ نہیں میر متقی کچھ اس سے غافل نہ تھے مگر مبتلا کے بارے میں اُن کو بڑی مشکل یہ

پیش آرہی تھی کہ اُن میں اور مبتلا میں کئی سبب سے اختلاط اور وابستگی کا ہونا ممکن نہ تھا اول تو رشتہ کہ میر متقی مبتلا کے چچا باپ کی جگہ دوسرے عمروں کی بڑائی چھٹائی کہاں میر متقی پچاس پچپن برس کے بڈھے اور کہاں مبتلا بیس برس کا پٹھا تیسرے مبتلا کے ہنوش میں میر متقی کو دہلی آتے ہوئے یہ تیسرا پھیرا تھا ایسی صورت میں اجنبیت تو ہونی ہی چاہیئے۔ چوتھے وضع میں عادات میں خیالات میں ایک کو دوسرے سے مطلق مناسبت نہیں پس حال یہ تھا کہ میر متقی مردانے میں ہیں تو مبتلا زنان خانے میں ادھر میر متقی نے زنان خانے میں قدم رکھا ادھر مبتلا آہٹ پاتے ہی جھٹ باہر نکل آیا رات دن میں صرف دو بار چچا بھتیجے بضرورت کھانے کے لئے دسترخوان پر جمع ہوتے تھے وہ بھی کس طرح کہ مبتلا نے چچا کے سامنے جانے کے لئے ٹوپی اور کپڑے اور جوتی سب چیزیں سادہ بھلے مانسوں کے استعمال کی الگ کر رکھی تھیں کھانے کے لئے طلبی آئی اور اس نے جلدی جلدی رگڑ رگڑ کر منہ دھویا موچھوں کو جن پر سارے سارے دن مالش رہتی تھی بل نکال کر سیدھا کیا پٹیوں کو ابھارا بالوں کی سج دھج کو بگاڑا کھانے کے نہیں چچا کے سامنے جانے کے کپڑے پہنے اور گربہ مسکین بن کر جھکے ہوئے نیچے نظر مؤدب دسترخوان پر جا بیٹھے پھر میر متقی کا کھانا کوئی انگریزی ڈنر تو ہوتا ہی نہ تھا کہ کھانا میز پر آیا اور جتنے کھانے والے تھے اپنی اپنی کرسیوں پر چڑھنے لگے دنیا بھر کی بکواس شروع ہوئی

اور یہ بھی نہیں کہ کھانے کے ضمن میں باتیں کرتے جاتے ہوں بلکہ یوں کہو کہ باتوں کی ضمن میں کھانا بھی کھاتے جاتے ہیں۔ میر متقی مولوی آدمی دور سے کھانا آتا دیکھ کر کسی شغل میں ہوں چھوڑ چھاڑ پہنچوں تک ہاتھ دھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر اکڑوں ہو بیٹھے کھانا کھایا مگر اس کو بھی عبادت سمجھ کر خیال یہ کہ آداب الطعام میں سے کوئی ادب متروک نہ ہو پس ان کے دسترخوان پر بات چیت کا کیا موقع۔ میر متقی مستعجل کہ کم کھاؤں مبتلا منتظر کہ اٹھ جاؤں الغرض ایسا کوئی موقع نہیں پڑا کہ چچا بھتیجے میں جی کھول کر باتیں ہوں گی مگر میر متقی بلا کے "تاڑ" نے والے تھے انہوں نے اتنی ہی دیر کی صحبت میں مبتلا کی حرکات و سکنات سے اس کی نشست و برخاست سے اس کی طرز عادات سے اتنا جان لیا اور ایسا پہچان لیا کہ مبتلا کے لنگوٹئے یار اور اس کے بھیدی اور راز دار بھی اتنا ہی جانتے ہوں گے مبتلا اگرچہ چچا کے سامنے اپنے آپ کو بہت ضبط کیے رہتا تھا مگر اسی دن کے لئے کہتے ہیں کہ آدمی بری لت نہ ڈالے اور عادات کو بگڑنے نہ دے مبتلا کو خبر تک نہیں ہوتی تھی اور بے خیالی میں ادبدا کر چچا کے سامنے اس سے کوئی نہ کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جاتی تھی کہ ہر روز ان کی نظروں میں اس کی قلعی کھلتی رہتی تھی۔ مثلاً بیٹھے بٹھائے خود بالوں پر ہاتھ جا پڑا اور عادات کے مطابق لگا وہیں پٹیاں جمانے پھر جو کچھ ہوش آیا چچا کو کن انکھیوں سے دیکھ لیا کھجانے کے حیلے سے بالوں کو بگاڑ سیدھا

ہو بیٹھا یا کھاتے کھاتے ایک مرتبہ انگرکھے کی چولی کے شکن نکال لگا تن کر سینے کو دیکھنے اتنے میں چچا پر نظر جا پڑی اور جلدی سے پھر جھک کر ہو بیٹھا ایک مرتبہ تو اس نے کیا غضب کیا کہ خدا جانے کس خیال میں مستغرق تھا کہ آپ ہی آپ لگا گنگنانے مگر میر متقی نے اس کو ایسے طور پر ٹال دیا کہ گویا سنا ہی نہیں۔ مبتلا اپنے دل کو یوں سمجھا لیا کرتا تھا کہ چچا نے دھیان نہیں کیا۔ یا اگر کیا تو آدمی سے ایسی لغو حرکتیں ہوا ہی کرتی ہیں اتنی ہی بات ہے اُن کا ذہن اس طرف کیوں منتقل ہونے لگا کہ پٹیاں جماتا یا اکڑنا یا گانا میری عادت ہے لیکن یہ اُس کی غلطی تھی میر متقی کی آنکھ کبھی کسی چیز پر اُچٹتی ہوئی پڑتی ہی نہ تھی وہ جس چیز کو ایک نظر دیکھ لیتے اُس کی تہ تک پہنچ جاتے اور اس کے مِلّے کو دریافت کرتے۔ میر متقی نے مبتلا کی حرکات سے آخر یہ استنباط کیا کہ اُس میں دو عیب بہت بڑے ہیں، اول یہ کہ مذہب سے اُس کو مطلق سروکار نہیں یہ جانتا ہی نہیں کہ خدا بھی کوئی چیز ہے اور آدمی اُس کے بندے ہیں اُس کو خبر ہی نہیں کہ آدمی کو کھانے اور سو رہنے کے سوا دُنیا میں کچھ اور بھی کرنا ہے۔ دوسرے حسن پرستی کہ اُس کے نزدیک۔ دولت۔ شرافت۔ حسب، نسب، علم، ہنر، سلیقہ اخلاق، دین داری غرض دنیا کے سارے کمالات ہیچ ہیں۔ صرف ایک حسن صورت قابل قدر ہے اور بس۔ میر متقی کا ایک قاعدہ اور بھی تھا کہ بڑے دھیمی آدمی تھے جب کسی خاص شخص کو نصیحت

کرنا منظور ہوتا مدتوں اُس کے حالات کی تفتیش میں لگے رہتے اور جب معلوم کر چکتے جس قدر معلوم کرنے کی ضرورت تھی تو ہفتوں غور کرتے کہ کس پیرائے سے اور کیسے وقت اُس کو نصیحت کروں کہ مؤثر ہو اور یہی سبب تھا کہ اُن کی نصیحت کبھی خالی گئی ہی نہیں مثلاً اگر ایک شخص تارک الصلوٰۃ ہے اور انہوں نے اُس کو نماز کے لئے نصیحت کی تو پھر سفر یا مرض یا دُنیا کی کوئی کیسی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اُس نے مدت العمر نماز کو قضا نہیں ہونے دیا یا اگر کوئی شخص منہیاتِ شرعی میں سے کسی کا مرتکب ہے اور انہوں نے وعظ کہا تو توبہ ہی کرا کے چھوڑا۔ غرض میر متقی نے ایک دن موقع پا کر جوں مبتلا کھانا کھا کر جانا چاہتا تھا اس کو روکا اور کہا ذرا ٹھہرو مجکو تم سے کچھ کہنا ہے مبتلا سمجھا کہ آج نماز گلے پڑی بیٹھ گیا تو میر متقی نے فرمایا (وعظ) اگرچہ مجکو تمہارے حالات بالتفصیل معلوم نہیں مگر جس قدر معلوم ہیں اُن سے میرا خیال یہ ہے کہ تمہاری تعلیم جیسی درستی کے ساتھ ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی تمہاری تعلیم کا عمدہ حصہ وہ ہے جو مدرسے میں ہوا۔ مدرسے کی تعلیم اس اعتبار سے کہ جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں دنیا میں بکار آمد ہیں۔ بلاشبہ مفید ہے مگر افسوس بڑے افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ مذہب کی طرف بھول کر بھی کوئی توجہ نہیں کرتا۔ مذہب کو سلسلۂ درس سے اس طرح نکال کر پھینک دیا ہے جیسے دودھ

ہیں سے لکھی جس سے لوگوں پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب ایک
فضول اور لایعنی چیز ہے اور دنیا میں اس کی مطلق ضرورت نہیں
پس مدرسوں کی تعلیم کا نتیجہ کیا ہے کہ نوجوان لڑکے فارغ التحصیل
فضیلت کے خطاب اور لیاقت کی سندیں لے کر مدرسوں سے
نکلتے ہیں ان کو تمام ملکوں کی نئی پرانی تاریخیں خوب مستحضر ہوتی
ہیں۔ جغرافیے میں شاید اُن کی معلومات اس درجے کی ہو کہ سمندر
کی مچھلی ہیں یا پہاڑی کوتے یا افریقہ کے ریچھ یا اسٹریلیا کے لنگوریا
امریکا کے بن مانس یا تبت کے دُنبے یا تاتار کے بنڈھے یا عرب
کے بدّو یا یورپ کے فرنگی یا ہندوستان کے بھیل۔ وہ انگریزی
شاید ایسی عمدہ لکھ سکتے ہوں گے کہ گویا اُن کی مادری زبان ہے
ریاضی میں وہ شاید وقت کے بطلیموس ہوں۔ علم ہئیات میں
وہ اپنے زمانے کے فیثاغورس فلسفے میں افلاطون غرض اُن میں
علوم دنیا کی ایسی جامعیت ہو گی کہ شاید اُن کا نظیر نہ ہو مگر وہ نہ
مذہب کے معتقد نہ خدا کے بندے نہ رسول کی اُمّت نہ بادشاہ کی
رعیت نہ باپ کے بیٹے نہ بھائی کے بھائی نہ دوست کے
دوست نہ قوم کے ساتھی نہ برادری کے شریک نہ وضع کے پابند
نہ رسم کے مقلد ذرا نظر انصاف سے اس بات کو دیکھو کہ فی
الحقیقت مدرسے کی تعلیم ایسے خیالات پیدا کرنے کا رجحان
ہے یا نہیں ہے اور ضرور ہے اور اس کا سبب ظاہر ہے کہ

مختلف مذاہب کے نوجوان لڑکے ایک جگہ جمع رہتے ہیں اپنے اپنے عقائد سے سب کے سب بے خبر عمروں کے تقاضے یہ کہ جہاں اور ہنسی کی باتیں کرتے ہیں اُن میں ایک مذہب کا استخفاف بھی سہی اگرچہ اپنا ہی مذہب کیوں نہ ہو مدرسے کے حاکم یا مدرس کچھ مذہب کی پروا کرتے ہی نہیں طالب العلموں کے لئے تو سب کیوں کہ ان کا فرض خدمت نہیں اپنے لئے بھی بعض یا اکثر اس اس لئے کہ خود کسی مذہب کے قائل نہیں۔ وظیفہ یا انعام یا دوسرے موجبات ترغیب مذہب پر کسی کا انحصار نہیں علوم جو پڑھائے جاتے ہیں اکثر جدید زمانۂ حال کے ایجاد کوئی مسئلہ نہیں جس میں متقدمین کی غلطی جس میں سابقین کی خطا ظاہر نہ کی جائے۔ اور ایک بڑی خرابی آکر یہ پڑی ہے کہ بہت سی باتیں ہیں تو علوم دُنیا سے متعلق مگر لوگوں کی غفلت یا بے مبالاتی سے داخل مذہب ہو گئی ہیں اب جو اُن کی غلطی ثابت ہوتی ہے تو طالب العلموں کو جو مذہب سے ہیں کورے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ دادا جو مذہباً ایسی لغو اور بیہودہ باتوں کو تسلیم کرتے چلے آئے نرے احمق تھے اور ان کا مذہب ہی سراسر ہیچ اور پوچ ہے۔ ایک خرابی اور ہے کہ علوم جدیدہ جن کا مدارس میں بڑا زور شور ہے سب ہیں از قسم بدیہات مشاہدات پر مبنی اور تجربیات پر متفرع ایسے علوم پڑھتے پڑھتے طالب العلموں کو اس بات کی عادت

پڑ جاتی ہے کہ وہ ہر چیز کا ثبوت ایسا ہی ڈھونڈنے لگتے ہیں جیسا
اُقلیدس کے دعووں کا اور مذہبی باتوں کے لئے ایسا ثبوت نہ ہوا
ہے اور نہ ہونا ممکن ہے حضرت موسیٰؑ سے بھی یہود ایسی ہی بے جا
فرمائشیں کرتے تھے لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً
ہم تو جب تک خدا کو کھلے خزانے نہ دیکھ لیں تجھ پر ایمان لانے
والے ہیں نہیں لیکن مذہب کے لئے ایسے ایسے ثبوت کا نہ بہم
پہنچ سکنا ضعف مذہب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انسان کی ضعفِ
خلقت کے سبب۔ کیا اگر موسیٰؑ خدا کا دیدار یہود کو نہ دکھا سکے تو اس
سے لازم آگیا کہ خدا نہیں ہے۔ نہیں خدا تو ہے مگر وہ آدمی کی آنکھ
میں آنے کی چیز نہیں ہے۔ مدارس کی ساری تعلیم بلکہ سچ پوچھو تو
عملداری کا خلاصہ ہے آزادی بلاشبہ آزادی ہر ایک فردِ بشر
کا ایک ضروری حق ہے۔ مگر آزادی کی بھی کوئی حد ہونی ضرور
ہے آدمی کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے اور آدمی فی
حدِّ ذات اس طرح کا مخلوق ہے کہ آزادی مطلق تو اُس کو حاصل
ہونی ممکن نہیں اور مناسب بھی نہیں۔ کیا آزاد ہو سکتا ہے وہ بندۂ
ناچیز جس کا ہونا اور نہ ہونا اُس کے اختیار میں نہیں غیروں کا محتاج
دوسروں کا دست نگر پہننے میں کھانے میں پینے میں مرنے میں
جینے میں۔ چند منٹ کے لئے ہَوا نہ لگے تو ہلاک ایک وقتِ خاص
تک غذا نہ پہنچے تو فنا۔ تڑاقے کی دھوپ کا تحمل نہیں کڑاکے کی

سرد ی کی برداشت نہیں ۔حالت تو اس قدر خستہ و خراب اور اُس پر آزادی کا سرِ خاب وہی مثل ہے جھوپڑے کا رہنا اور محلوں کے خواب ۔شعر

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پابہ گل
کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہے آزاد کا

میں اس میں لڑکوں کا زیادہ قصور نہیں پاتا ۔سارا قصور اُن کی تعلیم و تربیت کا ہے ۔گھڑی جو تمہاری جیب میں ہے اس میں فولاد کی ایک کمانی گنڈلی کے طور پر تہ کی ہوئی موجود ہے ۔کنجی کے زور سے کمانی کی تہوں کو خوب کس دیتے ہیں اسی کو کُوکنا کہتے ہیں ۔کوکنے سے کمانی میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے ۔کمانی چاہتی ہے کہ کھلے اور اپنی اصلی حالت پر عود کر آئے اگر کوئی چیز مانع نہ ہو تو کمانی سٹر سے دم کے دم میں ڈھیلی پڑ جائے اور وہ قوت جو اُس میں پیدا کی گئی تھی اکارت ہو ۔اس کے روکنے کے لئے گھڑی میں ایک پرزا لگایا جاتا ہے جس کا نام ہے رگیولیٹر اور جس کی وجہ سے کمانی بتدریج انضباط کے ساتھ کھلتی جاتی ہے اور اس قوت سے وقت کی شناخت کا عمدہ کام لیا جاتا ہے ۔یہی حال ہے انسان کا کہ اُس میں ایک حالت کے مناسب خدا کی دی ہوئی چند قوتیں ہیں اگر اُن قوتوں کا کوئی روکنے والا رگیولیٹر نہ ہو تو یہ تمام قوتیں بے کار ہیں بلکہ بجائے مفید ہونے کے الٹی مضر انسان کا رگیولیٹر

تو اس میں راستی نہیں دیانت نہیں غیرت نہیں حمیت نہیں
مروت نہیں محبت نہیں خلاصہ یہ کہ انسانیت نہیں اس پر
بھی اگر وہ آدمی دنیا کے کام کا ہے تو اس دنیا کو خیرباد ہے
اور اس کام کو سلام۔ ایک بات تعلیم کے متعلق اور بھی سوچنے
کی ہے کہ انسان کو دوسرے حیوانات سے ایک وجہ امتیاز یہ
بھی ہے کہ حیوانات کو جتنی عقل دی گئی ہے فطری ہے تجربے
یا امتداد عمر سے اس میں ترقی نہیں ہوتی۔ مثلاً بیا گھونسلا
بناتا ہے کیسا عمدہ کہ انسان اس کی اگر پوری پوری نقل کرنا
چاہے تو نہیں بن پڑتی مگر جیسا گھونسلا ایک بڈھا بیا بناتا ہے
جو اپنی عمر میں شاید بیس پچیس گھونسلے بنا چکا ہوگا۔ بجنسہ ویسا
ہی گھونسلا پہلی بار ایک جوان بیا بنائے گا۔ برخلاف انسان
کے کہ اس کی عقل تجربے اور عمر کے ساتھ کمال حاصل کرتی
جاتی ہے۔ اس مضمون کو سعدی نے کیا قلّ و دلّ طور
پر ادا کیا ہے ؎

مرغک از بیضہ برون آید و روزی طلبد
آدمی زادہ نہ دارد خرد و عقل و تمیز
آں بناگاہ کسے گشت بچیزے نہ رسید
ویں بہ تمکین و فضیلت بگزشت از ہمہ چیز

اس لئے انسان کی تعلیم و تربیت کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز اس

ہے مذہب جو اس کو اندازۂ مناسب اور حدِ اعتدال سے گھٹنے بڑھنے
گرنے ابھرنے نہیں دیتا مدرسوں کی تعلیم کو کُک ہے اور رگو لیٹر نہ
دارد۔ پس اس کا ضروری نتیجہ ہے کہ آزادی کا خیال دماغ میں
سمانے ہی لوگ ہر طرح کے قیود سے نکلنے کی خواہش کرنے
لگتے ہیں یہاں تک کہ قیدِ عبودیت سے بھی۔ ہمارے مدرسے
کی تعلیم کے اصول ہی غلط ہیں کہ صرف دنیاوی علوم کے
پڑھا دینے سے آدمی دنیا کے کام کا ہو جاتا ہے اس سے
تو یہ بات نکلتی ہے کہ دنیا اور دین دو چیزیں ہیں جداگانہ ایک
کو دوسرے سے کچھ تعلق نہیں ہم نہیں جانتے کہ جو لوگ ایسا
خیال کرتے ہیں دین سے کیا مراد رکھتے ہیں۔ مگر ہمارے
نزدیک بلکہ تمام اہل اَدیان کے نزدیک دین کے معنی
ہیں انسان کی اصلاح اور اُس کے دو حصّے ہیں اصلاح
معاش اور اصلاح معاد پس دین اور دنیا میں اگر ایک
طرح کی منطقی مغایرت ہے جیسے عموماً کل اور
جزو میں ہوا کرتی ہے۔ اس کو تباین یا تناقص یا
تنافر یا بے تعلقی سے تعبیر کرنا مغالطہ دہی ہے
کتنا پڑھا ؤ جب انسان میں دین نہیں تو اُس
کو خوف خدا نہیں اور خوف
خدا نہیں

کی عمر کا ایک مناسب وقت دیکھ کر سکھاتے ہیں مثلاً غیر ملک کی بولی ضرور ہے کہ بچپن میں سکھائی جائے ورنہ بڑے ہو کر زبان مشکل سے ٹوٹتی ہے چھوٹے بچے کو اگر منطق کے پیچیدہ مباحث سمجھانا چاہو تو سعی لاحاصل ہے۔ اسی طرح دین کی تعلیم کے لئے بھی ایک وقت مناسب ہونا چاہئے اور وہ نہیں ہے مگر سن طفولیت کیوں کہ آدمی کی عمر جس قدر بڑی ہوتی جاتی ہے اسی قدر فطرت سے دور اور اسی قدر اس کا دل لوث دنیا سے آلودہ اور زنگ اغراض سے تیرہ ہوتا چلا جاتا ہے پھر شاید ایک وقت ایسا آئے کہ اس کے دل میں صبغت اللہ یعنی دین کا رنگ اٹھانے کی قابلیت باقی نہ رہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا[1] اسی حالت کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا ہے کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون اور کچھ بات نہیں ان کے دلوں پر ان کی بدکرداریاں جم گئی ہیں۔ دنیا میں اور بھی ہزاروں لاکھوں اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کو دین کی طرف مطلق توجہ نہیں مگر بے توجہی دو طور کی ہے ایک وہ جس کا سبب کاہلی اور غفلت اور مساہلت ہو دوسری وہ جو دین کے استخفاف سے پیدا ہو یہی بے توجہی ہے جو نہایت خطرناک اور نہایت

---

[1] ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بدیوں سے ۱۲

مذموم ہے اور یہی بے توجہی ہے جس کو مدارس کی تعلیم پھیلاتی چلی جا رہی ہے لیکن دین و مذہب لوگوں کی تعلیم اور قدر دانی کا محتاج نہیں۔ ہمالیہ پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائے تو سرک جائے گنگا پورب کو بہتے بہتے پچھم کو بہنے لگے تو بہنے لگے مگر خدا کی باتیں نہ کبھی ٹلی ہیں اور نہ کبھی کسی کے ٹالے ٹلیں گے۔ دین تم سے چاہتا کیا ہے صرف اتنی بات کہ خدا نے تم کو آدمی بنایا ہے۔ آدمی بن کر رہو تم کو آنکھیں دی ہیں اور دیکھتے ہو کان دئے ہیں۔ اور سنتے ہو زبان دی ہے اور بولتے ہو غرض ہر قوت سے کام لیتے ہو جو اس کے کرنے کا ہے۔ قوتوں میں سب سے قوی اور سب سے عمدہ عقل ہے اس نے تمہارا ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کے کرنے کا کام اس سے نہیں لیتے روئے زمین پر خدا کی جتنی مخلوق ہے سب میں اعلیٰ اور افضل اور اشرف انسان ہے اور اس کی برتری اسی سے ظاہر ہے کہ دوسری مخلوقات پر حکم رانی اور ان میں مالکانہ تصرف کرتا ہے۔ دیکھو انسان کی بنائی ہوئی عمارتیں اس کے بسائے ہوئے شہر اس کے لگائے ہوئے باغ۔ نہریں۔ سڑکیں۔ پل۔ ریل۔ تار۔ دخانی۔ بادبانی جہاز انواع و اقسام کی کلیں۔ زندگی کے ساز و سامان۔ مگر یہ برتری جو انسان کو استحقاقاً حاصل ہے کیوں ہے۔ اس کی جسمانی قوتیں تو حیوانات کی قوتوں سے بہت ضعیف ہیں۔ مثلاً اس کی

نظر سے گدھ کی نظر کہیں تیز ہے۔ اس کے شامّے سے شکاری کتوں کا شامّہ کہیں قوی۔ وہ اگر ذائقے سے چیزوں کا صرف مزا پہچانتا ہے تو بعض جانور مزے کے سوا خاصیتِ طبّی کی شناخت بھی کر لیتے ہیں۔ توانائی کے لحاظ سے تو ہاتھی اور شیر وغیرہ کے سامنے وہ ایک مور ضعیف سے بھی زیادہ کمزور ہے پھر انسان کی بڑائی کس چیز میں ہے۔ عقل میں اب دیکھنا چاہئے کہ عقل کا کام کیا ہے یہ سمجھنا کہ عقل ہم کو صرف اتنے واسطے دی گئی ہے کہ کھانا۔ پینا۔ کپڑا۔ مکان۔ ساز و سامان بہم پہنچانے میں مدد کرے عقل کو ذلیل اور بے قدر کرنا ہے یہ تو عقل کے نہایت متبذل کام ہیں۔ جانور جن کے جثّے ہمارے جثّوں سے بہت بڑے ان کی بھوک پیاس ہماری بھوک پیاس سے کہیں زیادہ ہے ہماری جتنی عقل نہیں رکھتے اور ہم سے زیادہ آسودگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں ساٹھ ستر برس کی زندگی اور معدودے چند ضرورتوں کے لئے ایسی عقل جو ماضی اور مستقبل کے قلابے ملائے اور زمین سے آسمان تک پاؤں پھیلائے کسی بڑے اور عمدہ کام کے لئے دی گئی ہے اور وہ نہیں ہے مگر یہ کہ مخلوق سے خالق اور فانی سے باقی اور دنیا سے آخرت کو پہچان کر اس گھر کے لئے تیاری کریں جہاں ہماری روح کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے

لیکن فرض کرو کہ ہم ان خیالات کو اپنے ذہن میں نہ آنے دیں اور آنکھیں بند کرلیں دنیا و ما فیہا سے جس کا ایک ایک ذرہ ہستی صانع اور ایک ایک واقعہ وجود مسبب پر دلالت کر رہا ہے تو اس سے واقعات کا بطلان تو نہیں ہو سکتا خدا ہے اور ہمیشہ کو رہے گا ہم اس کے بندے ہیں اور کسی طرح اس کے فرمان سے باہر نہیں ہو سکتے۔ ہم کو مرنا ہے اور جو کچھ دنیا میں کیا ہے اس کی جواب وہی کرنی ہے۔ عمل اچھے ہیں تو تسلی ہے اور امن ہے اور عافیت ہے اور سکون ہے اور قرار ہے۔ یعنی یہ کہ بیڑا پار ہے بُرے ہیں تو حسرت ہے اور افسوس ہے اور ندامت ہے اور پھٹکار ہے اور دھتکار ہے یعنی یہ کہ دکھ کی مار ہے کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اصل میں تو ہوتی ہے غفلت اور اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانا اختلاف مذاہب بے توجہی کا باعث ہو جاتا ہے۔ آدمی دیکھتا ہے کہ دنیا میں سیکڑوں ہزاروں مذہب ہیں ہر ایک صرف اپنے آپ کو بر سر حق سمجھتا ہے اور باقی سب کو گمراہ اور کافر اور مردود اور ملعون اور جہنمی تو یہ دیکھ کر خواہ نخواہ اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ پہلے ان ہزاروں مذاہب کے معتقدات سے واقفیت حاصل کروں پھر ان کے سوال و جواب سنوں پھر ان میں محاکمہ کروں اس کے لئے میں کیا میری تو دس نسلوں

کی عمریں بھی کفایت نہیں کر سکتیں اس سے بہتر ہے کہ مذہب کی پہیلی کو جس کا اتا پتا کچھ نہیں سوچو ہی مت لیکن یہ بھی ایک وسوسۂ شیطانی ہے اور انسان کے لامذہب ہونے کے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جتنے مذہب ہیں جہاں تک مذہب کو دنیا سے تعلق ہے سب کا مقصود اصلی ہے آدمی کی اصلاح اور اختلاف اگر ہے تو ملکوں کی آب وہوا لوگوں کی طبائع اور عادات اور ضرورتوں کے اختلاف کی وجہ سے اور فروع میں ہے نہ اصول میں جزئیات میں ہے نہ کلیات میں۔ پس تم جیسے نوجوان آدمیوں کے لئے اس سے بہتر صلاح کی بات نہیں کہ جو جس شان میں ہے اسی شان میں رہ کر پابندی مذہب کو نہ چھوڑے اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ نیکی کا خیال دل میں راسخ ہو جائے گا خدا سے لگاؤ پیدا ہوگا اور حق کی تلاش میں اس کو مزا ملے گا آدمی اگر اتنا کرے اور اس سے زیادہ کر ہی کیا سکتا ہے تو ضرور خدا کی رحمت اس کی دستگیری کرے گی والذین[1] جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا لوگ مذہب کی طرف سے جو اس قدر غافل اور بگڑے بنے رہتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خدا نے بندوں کی آزمائش کے لئے دنیا کا انتظام

---

[1] جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو اپنی راہیں دکھائیں گے ۱۲

ایسے طور پر رکھا ہے کہ دنیاوی حالات کے اعتبار سے نیک و بد اور پابند مذہب اور لامذہب اور مومن و کافر اور موحد و مشرک کسی کا کچھ امتیاز نہیں۔ خداوند تعالیٰ کی عام رحمتوں سے سب کے سب بلا تخصیص یکساں طور پر متمتع ہوتے ہیں۔ وقت پر پانی سب کے واسطے برستا ہے۔ ہوا ذخیرہ سب کے لئے موجود ہے۔ رزق ہر ایک کی خاطر مہیا ہے۔ صحت و مرض۔ تمول و افلاس توالد و تناسل حیات و ممات غرض زندگانی کی بھلی بری تمام کیفیتیں جیسی مسلمانوں میں ویسی عیسائیوں میں ویسی یہود میں کوئی قوم بلکہ کوئی گروہ بلکہ کوئی فرقہ بلکہ کوئی متنفس اس بات کا دعوی نہیں کر سکتا کہ مذہب کی وجہ سے مجھ کو دنیا میں یہ خصوصیت حاصل ہے اور کہیں ایسی ایک ادنیٰ سی خصوصیت بھی پائی جائے تو تمام روئے زمین سے اختلاف مذاہب کے معدوم کر دینے کو کافی ہے۔ یہ بے خصوصیتی ان لوگوں کے حق میں سم قاتل ہے جن کی طبیعتیں لامذہبی کی طرف مائل ہیں۔ غور کرنے کی تو ان لوگوں میں عادت ہوتی نہیں دنیا میں ہیں اور دنیا ہی کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس جو کچھ ہے یہی دنیا ہے ذالك[1] مبلغهم من العلم لیکن ذرا عقل کو کام میں لائیں تو معلوم ہو اور اندر سے دل آپ

---

[1] ان کے علم کی رسائی یہیں تک ہے ۱۲

ہی آپ گواہی دینے لگے کہ نہیں ایک جہان اور بھی ہے یہ دنیا خواب ہے اور وہ جہان اس کی تعبیر یہ مجاز ہے وہ حقیقت یہ نمونہ ہے وہ اصل۔ جس طرح عقل دنیا سب کی یکساں نہیں اسی طرح عقل دین کے مدارج بھی متفاوت ہیں بعض لوگ ہیں جو صرف موجودات دنیا سے خدا کو اور خدا سے اس کی عظمت کو اس کی عظمت سے اس کی معبودیت کو مانتے پہچانتے ہیں۔ اور بعض موجودات سے نہیں بلکہ تغیرات سے اور بعض تغیرات سے بھی نہیں بلکہ حادثات عامہ سے اور بعض حادثات عامہ سے بھی متنبہ نہیں ہوتے تاوقتیکہ خود ان پر کوئی آفت نازل نہ ہو اور بعض حلول مصیبت پر بھی کہنے سے محتاج گویا بیل ہیں کہ آر بھی گھوپو اور ساتھ منہ سے بھی ٹٹکاری دو تب ان کو خبر ہو کہ چلنا چاہئے۔ اے میرے پیارے بھتیجے مرحوم کے یادگار اے مغفور کی نشانی مجھ کو بھائی کے مرنے کا اتنا رنج نہیں ہوا جتنا تمہارے دین کی تباہی کا۔ بھائی اگر مرے تو عمر طبعی کو پہنچ کر مرے اور ایک دن مرنا ضرور تھا میں نے اپنی موت کے لئے دعا تو نہیں مانگی اس واسطے کہ موت کے لئے دعا مانگنا منع ہے مگر سات برس عرب میں رہا کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ میں نے اس سرزمین میں اپنے دفن

ہونے کی تمنا نہ کی۔ مگر خدا کی مبارک مرضی یوں تھی کہ میں یہاں پھر آؤں اور بھائی کا مرنا سنوں جب سے میں نے بھائی کا مرنا سنا ہر روز بلکہ دن میں کئی کئی بار (دعا نہیں) دل میں تمنا کرتا ہوں کہ الٰہی اگر عرب کی مٹی سے میرا خمیر نہیں ہے تو مجھ کو باایمان دنیا سے اٹھا کر اس شخص کے پہلو میں جگہ دے جو مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا یعنی میرے بڑے بھائی اور تمہارے والد مرحوم میں نہیں جانتا کہ یہ تمنا کبھی پوری ہو یا نہ ہو مگر بھائی کے مرنے کے بعد اب زندگی بے مزا ہے اور اس ملک میں رہنا اس سے زیادہ بے مزا۔ یہ مت سمجھو کہ آدمیوں کے باہمی تعلقات اس زندگی تک کے تعلقات ہیں نہیں نہیں یہ تعلقات روحی تعلقات ہیں اور چوں کہ روحوں کو فنا نہیں ان کے تعلقات کو بھی انقطاع نہیں۔ یقین جانو کہ تمہاری اس طرز زندگی سے بھائی کی روح کو ایذا ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کو اس زندگی میں بھی تمہاری تکلیف برداشت نہ تھی اور اس طرز زندگی کے ہاتھوں تم پر جو سخت بلا نازل ہونے والی ہے۔ میں اس کو عقل سے جانتا ہوں اور تمہارے باپ اس کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ باپ سے ہو سکتا ہے کہ بیٹے کو کنوئیں میں گرتا ہوا دیکھے اور پروا نہ کرے باپ سے ممکن ہے کہ بیٹا جلتی ہوئی آگ میں کود ے اور وہ کھڑا تماشا دیکھے۔ مرحوم نے لوگوں

کی نظروں میں سلامت روی نیک وضعی اور کھلمناہٹ سے جو ایک وقار پیدا کیا تھا تم ہی اپنے دل میں انصاف کرو کہ تم نے اس کو بڑھایا گھٹایا۔ روشن کیا یا مٹایا۔ ایسے چاہنے والے ایسے شفیق ایسے مہربان ایسے دل سوز باپ کے احسانات کا یہی معاوضہ تھا ان کے سلوک اسی پاداش کے قابل تھے جو باتیں میں تم سے کہہ رہا ہوں تم کو شاید پہلی بار ان کے سننے کا اتفاق ہوا ہوگا مگر میری ساری عمر ان ہی غور و فکروں میں گزری ہے اس کو میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ شروع سے مجھ کو اچھے لوگوں کی صحبت رہی۔ ہندوستان سے لے کر عرب تک ہزار ہا علماء اور شیوخ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ملا اور جس سے جتنا فیضان قسمت کا تھا۔ حاصل ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔ تم دیکھتے ہو کہ میں دین کے کاموں میں بھی جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے اور افسوس ہے کہ قدر واجب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ لگا لپٹا رہتا ہوں اس پر بھی جب خدا کی عظمت اور اس کے جلال پر نظر کرتا ہوں تو مجھ کو اپنی نجات کی طرف سے بالکل مایوسی ہوتی ہے اور تنہائی میں خصوصاً رات کے وقت جب دنیا کی بے ثباتی قیامت کے حساب اور اپنی بے بضاعتی کے افکار ہجوم کرتے ہیں تو مجھ کو اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ تم کو اس کا اندازہ سمجھانا مشکل ہے صرف اس کی رحمت بے انتہا کی توقع اس وقت دستگیری

کرتی ہے جس سے دل کو تسلی ہوتی ہے یہ زحمت جو مجھ کو دین کے کاموں میں اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہو اگر اس کو زحمت سے تعبیر کرنا درست ہو تو اتنی مدد کرتی ہے کہ امیدواری رحمت کی ڈھارس بندھاتی ہے اگر خدا عقل میں راستی دے تو دنیا کی سب باتوں سے دین کی تعلیم نکلتی ہے دنیا میں جس کو جس پر کسی طرح کی حکومت ہے جیسے شوہر کو بی بی پر یا باپ کو اولاد پر یا بادشاہ کو رعایا پر اگرچہ دنیا کی ساری حکومتیں عارضی اور ضعیف ہیں اس پر بھی کوئی حاکم کسی محکوم کی کسی نافرمانی سے درگذر نہیں کرتا۔ کیا غفلتیں ہیں کیا بے فکریاں ہیں کیا مغالطے ہیں کیا بے مناسبتی ہے کہ بندہ بے حقیقت و ناچیز نافرمانی کیسی اس قادر ذوالجلال کے اوامر کے استخفاف کرے گویا اس کا مدمقابل ہے اور پھر درگذر کی توقع۔ کیا ہیکڑی ہے۔ مغفرت کی امید کیا بے حیائی ہے۔ تم کو جہاں اکثر باتوں میں مغالطہ واقع ہوا ہے دوستوں کے بارے میں بھی تمہاری رائے غلطی سے محفوظ نہیں رہی۔ یہ لوگ جو تمہارے آگے پیچھے پڑے پھرتے ہیں اور ہر وقت تم کو گھیرے رہتے ہیں جہاں تک میں نے خیال کیا ہے ایک کو بھی تمہارا خیرخواہ نہیں پاتا ان کے کچھ مطلب ہیں بے ہودہ اغراض ہیں فاسد۔ تم کو دیکھ پایا عقل کے کوتاہ گانٹھ کے پورے آپ سے بنے شکاری اور تم کو گردانا ٹٹی

اور لگے تمہاری آڑ میں تکے چلانے غرض مندانہ رابطے عموماً اور خاص کر جب کہ اغراض خسیس ہوں نہایت بے ثبات ہوتے ہیں اور سریع الانقطاع مجھ کو توقع یہ ہے کہ تم نے خود اس کا تجربہ کر لیا ہو گا ورنہ میرا اس وقت کا کہنا چاہو لکھ رکھو کہ تمہارے اتنے دوست ہیں ان میں سے کسی ایک کے ساتھ دو برس تک بھی صحبت یوں ہی چلی جائے تو جاننا کہ بہت چلی خیال کو اور وسعت دو تو یہی حال ہے دنیا کے تمام جسمانی تعلقات کا غیروں کی کیا شکایت دوسروں کا کیا گلہ اپنے ہی اعضاء جوارح اور اپنی ہی قوتیں کب تک کی ساتھی ہیں دیکھو مجھ جیسے بوڑھوں کو ایک بصارت سے معذور ہے تو دوسرا ثقل سمع سے مجبور کسی کی بھوک تھکی ہوئی ہے اور کسی کے ہاضمے میں فتور پیری و صد عیب زندہ درگور۔ دنیا کی یہی بے ثباتی دیکھ کر جن کی عقل سلیم ہیں فانی لذتوں کے گرویدہ اور عارضی منفعتوں کے فریفتہ نہیں ہوتے جس قدر میں نے تم سے کہا اگرچہ ضرورت سے بہت کم کہا مگر مجھ کو تمہاری طینت کی پاکیزگی سے امید ہے کہ ان شاء اللہ رائگاں نہ جائے گا اور خدا نے چاہا تو میں دعا بھی کروں گا کہ تمہارے دل میں سوچنے اور غور کرنے کا شوق پیدا ہو مگر قاعدہ ہے کہ دنیا میں کوئی مبتذل فائدہ بھی بے مطلب نہیں ملتا۔ سچ ہے کہ جب تک بچہ روتا نہیں ماں بھی دودھ نہیں

دیتی۔ پس دین کے عمدہ اور دائمی فائدے بدرجۂ اولیٰ طلب پر موقوف
اور پے روی پر منحصر ہونے چاہئے اور وہ تمہارے کرنے کا کام ہے
دین کے کام ہیں تو دل سے متعلق اور کوئی شخص دوسرے کے
خیالات یعنی دلی حالات پر مطلع ہو نہیں سکتا مگر خیالات کی اصلاح
سے ارادے کی اور ارادے سے افعال کی طرز تمدن کی وضع کی گفتگو
کی نشست و برخاست کی حرکات و سکنات کی بھی چیزوں کی اصلاح
ہوتی ہے یعنی انسان کا ظاہر حال اس کے دل کا ترجمان ہوتا
ہے۔ پس تم کہو یا نہ کہو خود بہ خود منکشف ہوتا رہے گا۔ کہ
جس راستے پر میں نے تم کو لگا دیا ہے تم نے اس میں چلنا
شروع کیا یا نہیں۔

چودھویں فصل مبتلا پر میر متقی کے وعظ کا کہاں تک اثر ہوا

مبتلا کو جب چچا نے پکڑ کر نصیحت سننے کے لیے بٹھایا تھا
تو خواہ مخواہ اس کی طبیعت میں از خود ایک ضد سی آگئی تھی تاہم
تھوڑی دیر ادب کی وجہ سے دم نہ مار سکا اور پھر تو میر متقی
کی باتوں پر ایسا ریجھا کہ آنکھیں اور منہ دونوں کھلے کے کھلے
رہ گئے اور جب تک میر متقی نے بات کو ختم نہیں کیا مبتلا کو کوئی

دیکھتا تو کیا معلوم ہوتا کہ بس حیرت کا ایک پتلا ہے۔ چچا کے پاس سے چلے جانے کے بعد بھی کئی دن تک وہ مبہوت سا رہا اس کا دل تو مان گیا تھا کہ چچا نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا مگر جس بات کی آن پڑ گئی تھی اس کو بدلتے ہوئے اس کا جی ہچکچاتا تھا۔ آوارگی اس کی طبیعت میں یہاں تک سما رہی تھی کہ ترک وضع کرتے ہوئے اس کو عار آتی تھی وہ سوچتا تھا کہ چچا کے کہنے پر چلوں تو دوست۔ آشنا۔ کھانا۔ پہننا۔ سیر۔ تماشا۔ تفریح تمامی مشاغل سب کو یک دم سے چھوڑ دوں یعنی ترک دنیا کروں تو پھر جیوں کیوں کر اور فرض کیا کہ جبراً قہراً میں نے ترک دنیا کیا بھی تو لوگ مجھ کو کیا کہیں گے آخر پرہیزگار ہوں تو پورا پورا ہوں جیسے چچا زربفت کی ٹوپی خلاف ثقاہت ثواب میں پہننے سے رہا نا چار شملہ۔ ڈوپٹا۔ عمامہ باندھنا پڑے گا اور اس کی زد میں بالوں کی جیسی گت بنے گی ظاہر۔ تو ضرور ہوا کہ سب سے پہلے سر منڈاؤں منڈے سر پر یہ خشخاشی داڑھی اور چڑھی ہوئی مونچھیں کیا بھلی لگیں گی تو لازم آیا کہ داڑھی چھوڑوں اور مونچھوں کو سیدھا کروں پھر ایسی مقطع صورت پر گلے میں کرتہ نہ ہو تو خیر پہنچی چولی کا انگرکھا اور ٹانگوں میں ایک بر کا گھٹنا اس وضع سے کیا منہ لے کر بازار میں نکلوں گا۔ ساری عمر کبھی مسجد میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا اب جو ایک دم میں جا کھڑا

ہوں تو جتنے نمازی ہیں سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھ کو گھوریں گے۔ غرض جن کو چھوڑتا ہوں اور جن میں جاکر ملتا ہوں سبھی کا انگشت نما ہونا پڑے گا۔ مبتلا اسی پس و پیش میں تھا کہ میر متقی ایک دن اس کو وضو کرا کپڑے بدلوا اپنے ساتھ جمعے کی نماز میں لے گئے اور اس کے بعد سے جب تک رہے جب نماز کو جاتے مبتلا کو گھر سے ساتھ لے کر نکلتے۔ غرض مبتلا کی وہ جھجک تو جاتی رہی اور اس کی وضع میں بھی رفتہ رفتہ اصلاح آتی چلی۔ اگر میر متقی کا دو تین مہینے بھی اور رہنا ہو جاتا تو مبتلا کے درست ہو جانے میں کوئی کسر نہ تھی ابھی میر متقی نے کیا ہی کیا تھا مبتلا کو صرف ایک وعظ سنایا صرف اتنی غرض سے کہ اس کی غفلت کو تازیانہ ہو۔ دین دار بھلا مانس بنتے ہوئے وہ جھینپتا تھا اس کی شرمندگی مٹا دی۔ اگر زیادہ رہنے کا اتفاق ہوتا خدا جانے کتنے وعظ اور کہتے اور کیا کیا اس کو سکھاتے سمجھاتے وہ تو اچھی طرح جانتے تھے کہ برسوں کے جمے ہوئے زنگ ہیں یہ کیا ایک رگڑے سے چھوٹنے والے ہیں حسن پرستی کا وہ بڑا سخت عیب بھی جو گویا مبتلا کی گھٹی میں داخل تھا میر متقی موقع پاکر اس کا علاج کرتے پر کرتے مگر مبتلا کو تو اپنے اعمال کی شامت کھینچنی تھی۔

پندرہویں فصل میر متقی کا دفعتاً بے وقت امبور روانہ ہونا اور مبتلا کو سید حاضر اور عارف کے سپرد کرنا

میر متقی نے مبتلا کی اصلاح پر توجہ شروع کی تھی کہ اتنے میں چپکے چپکے اس گمنام عرضی کی تحقیقات ہونے لگی جو ناظر کی شرارت سے میر متقی کی شکایت میں گورنر کے پاس پہنچی تھی اور تو کچھ حال نہ کھلا مگر خلاف عادت پولیس کے لوگ وقت بے وقت کوئی وعظ سننے کے بہانے سے کوئی نماز کے حیلے سے آمد و رفت کرنے لگے۔ ان میں جو زیادہ ہوشیار تھے بنے دے دے کر ٹیڑھے ٹیڑھے مسئلے پوچھتے تھے۔ مثلاً یہ کہ کیوں حضرت، ہندوستان آپ کے نزدیک دار الحرب ہے یا نہیں۔ انگریزوں سے اور ہنود سے سود لینا روا ہے یا نہیں۔ انگریز اگر کابل پر چڑھائی کریں اور ایک پلٹن کو امیر کے مقابلے میں لڑنے کا حکم دیں اور ایک مسلمان اس پلٹن میں پہلے سے نوکر ہو تو اس کو کیا کرنا چاہئے مہدی جنہوں نے مصر میں خروج کیا ہے مہدی موعود ہیں یا نہیں اور ان کو مدد دینا از روئے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے۔ انگریزی دواؤں کا استعمال درست ہے یا نہیں کچہری سے برابر سود کی ڈگریاں ہوتی ہیں اس سود کا دینا گناہ ہے

یا نہیں۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا اور لباس اور طرزِ تمدن میں اُن کے ساتھ تشبہ کیا حکم رکھتا ہے۔ میر متقی جہاں دیدہ آدمی تھے ان باتوں کو دیکھ کر اُن کے کان کھڑے ہوئے اور سمجھے کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے کوتوال شہر سے معرفت اور دور کی صاحب سلامت تو تھی ہی ایک دن جمعے کی نماز کو جاتے ہوئے راہ میں کوتوال سے آمنا سامنا ہو گیا میر صاحب نے کہا مجھ کو آپ سے کچھ کہنا ہے وقت فرصت معلوم ہو تو میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کوتوال نے کہا آج بعد نماز مغرب میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ غرض کوتوال کے ساتھ تخلیہ ہوا تو میر صاحب نے فرمایا کیوں کوتوال صاحب یہ ماجرا کیا ہے کہ چند روز سے پولیس کے لوگ میری نگرانی کرنے لگے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جتنی دیر میں باہر رہتا ہوں پولیس کا ایک نہ ایک آدمی ضرور موجود ہوتا ہے۔ مسئلے پوچھتے ہیں تو پیچدار۔ باتیں کرتے ہیں تو اکھڑی ہوئی۔ میں نے دھوپ میں داڑھی سفید نہیں کی یہ لوگ مجھ سے چھپاتے ہیں اور میں سب سمجھتا ہوں مجھ سے پردہ کرتے ہیں اور میں اُن کے تیور سے پہچانتا ہوں آپ کو معلوم ہے کہ میں یہاں کا رہنے والا نہیں سات برس بعد سفر حجاز سے واپس آیا رام پور جانا چاہتا تھا میں نے کہا کہ لاؤ لگتے ہاتھ بھائی سے ملتا جاؤں یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بھائی کا انتقال ہو چکا ہے اُن کے معاملات خانہ داری

کو دیکھا سب کے سب ابتر ناچار ٹھیرنا پڑا۔ اکثر معاملات خدا کے
فضل سے درست ہو گئے ہیں بعض باتیں باقی ہیں اگر میرے حال
سے تعرض نہ بھی کیا جائے "تاہم تین چار مہینے سے زیادہ مجھ کو ٹھیرنا
منظور نہیں اور ٹھیر سکتا بھی نہیں۔ لیکن اس نظر بندی کی حالت میں
تو میں ایک دن نہیں رہ سکتا بے اطمینانی کی وجہ سے وہ مطلب
بھی فوت ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں ٹھیرا ہوں۔ میری سمجھ میں
نہیں آتا کہ میں نے سرکار کا ایسا کون سا قصور کیا ہے۔ درس میں
نہیں دیتا کہ میرے ساتھ طالب العلموں کا ہجوم ہو صاحب سلسلہ
میں نہیں کہ مریدوں کا گروہ میرے پاس جمع رہے خطا یا قصور
اگر ہے تو یہی ہے کہ جو کوئی اللہ کا بندہ پاس آبیٹھتا ہے۔ تو
نصیحت کی دو چار باتیں اُس سے کہہ دیتا ہوں اور یہ کام ایسا
ہے کہ دُنیا کی حکومت کیسی ہی "تاہرہ کیوں نہ ہو مجھ کو اس سے
باز نہیں رکھ سکتی۔ نصیحت تو لوگوں کو میں نے کی ہے اور کرتا ہوں
اور آیندہ بھی جہاں رہوں گا کروں گا ضرور کروں گا۔ اگر یہ بغاوت
ہے تو میں پکارے کہتا ہوں کہ میں باغی۔ سرکار کو اختیار ہے مجھے
قید کرے مگر انشاء اللہ وہاں بھی قیدیوں کو نصیحت کرتا رہوں گا
سرکار شاہنشاہ زبردست اور میں اُس کی ایک ادنیٰ رعیت میرے
واسطے اپنی کارروائی کی کیا ضرورت ہے اگر کچھ اشتباہ پیدا ہوا ہے
مجھ کو علیٰ رؤس الاشہاد طلب کرے میں جواب دہی کو اور اگر قصور

ثابت ہو تو سزا کو حاضر ہوں۔ مگر ابنائے عنس کی نظر میں ناحق نکو بنا نا مشتبہ ٹھیرانا شیوۂ انصاف سے بہت بعید ہے کوتوال یہ سب باتیں چُپ بیٹھا ہوا سنتا رہا اور آخر بولا تو یہ بولا کہ میں ارادت مندانہ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ حضرت کا ارادہ تین چار مہینے بعد خود رامپور روانہ ہونے کا ہے اگر ابھی قصد فرمایئے تو مناسب ہے یہاں کا اگر کوئی ہے مجھ کو سپرد کر جایئے ان شاء اللہ اُس کو سرانجام خاطر خواہ میرے ذمے میر متقی نے سمجھا کہ اب ٹھیرنا مصلحت نہیں اور زیادہ کاوش کرنے سے بھی کچھ حاصل نہیں فوراً سفر رام پور کا ارادہ کر دیا۔ غیرت بیگم باپ کے مرنے پر تو کیا روئی تھی جیسا کہ چچا کے جانے کا اُس نے ماتم کیا۔ مبتلا کے خیالات میں بھی تھوڑے ہی دنوں میں اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ اُس کو بھی یکایک چچا کے چلے جانے کا رنج ہوا۔ میر متقی نے ہر ایک کو اس کی جگہ تسلی دی۔ چلتے چلتے مبتلا سے اتنا کہہ گئے کہ سید حاضر کے خیالات بہت راستے پر آگئے ہیں اگر تم ان سے مشورہ لوگے تو امید ہے کہ نیک صلاح کے دینے میں دریغ نہیں کریں گے یا میاں عارف جن کو تم اکثر میرے پاس دیکھتے تھے تمہارے مدرسے ہی کے طالب العلم ہیں بڑے اچھے دل کا لڑکا ہے۔ ہے تو تمہارا ہم عمر مگر استعداد اور معلومات کے اعتبار سے پورا مولوی ہے بڑی خوبی اُس میں یہ ہے کہ اُس کے خیالات حکیمانہ اور شگفتہ ہیں میں نے اس سے بھی بہ تاکید کہہ دیا ہے اور وہ خود ہفتے

میں ایک دو بار تمہارے پاس آیا کریں گے تم بھی اُن سے ربط بڑھا لینا اُن سے تم کو سب طرح کی مدد ملے گی۔

سولھویں فصل میر متقی کے چلے جانیکے بعد مبتلا کس رنگ میں رہا

مبتلا کی تو اس وقت بعینہٖ ایسی مثال ہو گئی کہ ایک مریض مرض مہلک میں گرفتار ایک طبیب حاذق نے اُس کا علاج شروع کیا ارادہ تھا کہ منضج ہوں۔ منضجوں کے بعد مُسہل مسہلوں کے بعد تبرید پھر معجونات کا استعمال کرایا جائے۔ ابھی منضج بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ طبیب صاحب تشریف لے گئے۔ سید حاضر اگرچہ اس کا پھوپی زاد بھائی تھا مگر رشتہ داری کے جھگڑوں کے سبب ایک دوسرے کے ساتھ انس نہ تھا رہ گئے میاں عارف مولوی تھے حکیم تھے شگفتہ خیال تھے سب کچھ تھے مگر مبتلا کے چچا تو نہ تھے۔ مبتلا کو ان کا کیا لحاظ اور اُن کو مبتلا کا کیا درد۔ پھر بھی بے چارے نے خدا اُن کو جزائے خیر دے میر متقی کے کہنے پر اتنا تو کیا کہ پیر کے پیر جمعے کے جمعے مبتلا کے پاس آتے اور گھنٹے دو گھنٹے بیٹھ کر چلے جاتے اسی طرح مبتلا بدھ کے بدھ اور اتوار کے اتوار عارف کے گھر جاتا اور یوں ایک دن بیچ دونوں کی ملاقات کا سلسلہ بندھ گیا اس سے اتنا تو ہوا کہ مبتلا کے پرانے یار دوستوں

کو اس پر احاطہ کرنے کا موقع نہ ملا اور جس دھرے[1] پر چچا نے اس کو لگا دیا تھا اس پر تھوڑا چلا سست چلا گر چلا۔ دین داری میں اگر سچ پوچھو تو مبتلا نے ترقی نہیں کی مگر اس کا اتنا سنبھلا رہنا بھی غنیمت ہوا کہ پھر اس نے آوارگی نہیں کی وہ نماز بھی پڑھ لیتا تھا مگر گنڈے دار اب دین کی باتوں کا اگر اہتمام نہیں کرتا تھا تو پہلے کی طرح اُن پر ہنستا بھی نہ تھا اُس کی ظاہری وضع میں بھی اگلی سی سخافت باقی نہ تھی جب سے باپ مرے اُس نے گھر میں ہونا بالکل چھوڑ دیا تھا چچا کے آنے سے وہ وہ پھر گھر میں سونے لگا تو اُن کے چلے جانے کے بعد وہی معمول رکھا۔ غرض مبتلا دین دار نہیں تو ایک خانہ دار بھلا آدمی بن گیا تھا جیسے اکثر لوگ ہوتے ہیں مگر حسن پرستی کی ہڑک ہر روز دو ایک بار اُس کو اُبھرتی رہتی تھی۔

سترھویں فصل حسن صورت پر مبتلا اور عارف کا مباحثہ

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ عارف کے آنے کا وقت تھا اور مبتلا بیٹھا ہوا اُن ہی کی راہ دیکھ رہا تھا بیٹھے بیٹھے اُسی

---

[1] شارع عام ۱۲

حسن پرستی کے خیال میں ایسا محو ہوا کہ عارف سر پر آ کھڑے ہوئے اور اُس نے عادت کے مطابق نہ تو اُن کا استقبال کیا اور نہ کھڑے ہو کر اُن کو تعظیم دی جب عارف نے جھک کر السلام علیکم کہا تب سٹ پٹا کر کھڑا ہونے لگا مگر عارف بیٹھ چکے تھے انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اپنی برابر بٹھا لیا اور پوچھا کہ خیر ہے آج کس خیال میں مستغرق تھے مبتلا نے ٹالنا چاہا عارف نے اصرار کیا کہ نہیں کوئی بات تو ضرور ہے جس کو تم اس قدر غور کے ساتھ سوچ رہے تھے۔ مبتلا غور کے بارے ہیں تو چچا نے مجھ پر بڑی سخت تاکید کی ہے عارف بلاشبہ اُن کا فرمانا درست ہے غور کے معنی کیا ہیں عقل سے کام لینا اور انسان نے اگر عقل ہی سے کام نہ لیا تو اُس میں اور دوسرے حیوانات میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں مگر پوچھنے سے میری غرض یہ تھی کہ اگر وہ بات مجھ پر ظاہر ہو تو جہاں تک مجھ سے ممکن ہو تمہاری مدد کروں تمہارے چچا نے جن کو میں اپنے والد کی جگہ سمجھتا ہوں تم سے غور کرنے کو کہا اور مجھ سے تمہاری مدد کرنے کو پس اگر تم اُن کے کہنے کے مطابق غور کرتے ہو تو اُن ہی کے ارشاد کے موافق مجھ سے مدد بھی لو۔ مبتلا! جس بات کو میں سوچ رہا تھا اکثر سوچا کرتا ہوں مگر ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آتا تاہم اتنا تو جانتا ہوں کہ آپ سے اُس میں کچھ مدد ملنے کی توقع نہیں۔ عارف جب تک تم اُس بات کو مجھ سے بیان نہ کرلو اور میں جواب نہ دی

دوں کہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا اُس وقت تک تم کو میری مدد سے ناامید ہونے کا کوئی محل نہیں۔ مبتلاؔ۔ اچھا تو آپ مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ عارفؔ۔ اجی تم سے کیا وعدہ کروں میں تو وعدہ کر چکا ہوں جناب میر متقی صاحب سے۔ مبتلاؔ۔ اُس خاص بات کا اس وقت تک کچھ مذکور تھا۔ عارفؔ مجھ سے جناب میر صاحب نے کسی بات کا مذکور نہیں کیا عام طور پر تمہاری مدد کرنے کو فرمایا اور میں نے اُس کو تسلیم کیا اس سے بڑھ کر اور کیا وعدہ ہوگا۔ مبتلاؔ۔ آپ کو میری خانہ داری کے حالات معلوم ہیں۔ عارفؔ۔ جس قدر حالات جناب میر صاحب کو معلوم تھے مجھ کو بھی معلوم ہیں۔ مبتلاؔ۔ بھلا چچا باوا نے آپ سے میری خانہ داری کے بارے میں کبھی کچھ کہا تھا عارفؔ۔ اکثر اس بات کا سخت افسوس کیا کرتے تھے۔ کہ بی بی کے ساتھ تمہارا معاملہ درست نہیں۔ مبتلاؔ۔ نادرستی معاملہ سے اُن کی کیا مراد تھی۔ عارفؔ۔ مراد یہ تھی کہ تم کو بی بی کے ساتھ اُنس محبت نہیں۔ مبتلاؔ۔ بھلا اس کا کچھ سبب بھی انہوں نے بیان فرمایا تھا۔ عارفؔ ہاں یہ فرماتے تھے کہ تمہارے مزاج میں آوارگی ہے حسن پرستی کے مزے پڑے ہوئے ہیں۔ دل میں یہ خبط سما رہا ہے کہ میں حسین ہوں بی بی نظروں میں بھرتی نہیں مبتلاؔ۔ کیا چچا باوا اس بارے میں بھی کچھ کرنے کو تھے عارفؔ بیشک فرماتے تھے کہ مطالب کو تو میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیا

ہے۔ اب موقع کی تاک میں ہوں۔ مبتلا۔ شاید اُن کا ارادہ تھا کہ اس پر بھی کوئی وعظ کہیں مگر بھلا ہو کہ اس کی نوبت نہ آئی ورنہ چار و ناچار مجھ کو مخالفت کرنی پڑتی۔ عارف۔ کچھ تم نے پہلے وعظ کی مخالفت کی ہوگی کہ اس کی کرتے۔ مبتلا۔ پہلے وعظ میں چچا باوا نے کسی بات میں واقعات کی مخالفت نہیں کی اس سے میں نے اُن کی مخالفت نہیں کی مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خوب صورتی کے بارے میں وہ کہتے تو کیا کہتے۔ عارف میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا کہتے مگر اتنا انہوں نے ضرور کہا تھا کہ جس قدر اُس کو حُسن کے ساتھ فریفتگی ہے انشاءاللہ اسی قدر نفرت کرنے لگے تو سہی مبتلا (چونک کر) میں اور حُسن سے نفرت۔ تو یوں کہیئے کہ میرے سر سے دماغ کو اور دماغ سے عقل کو اور عقل سے سلامت کو سب کو سلب کر لینے کے فکر میں تھے بھلا آپ چچا باوا کے اس ارادے کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں عارف۔ میں تو جناب میر صاحب کی شان کو اس سے بہت ارفع سمجھتا ہوں کہ غلط بات اُن کے منہ سے نکلے یا اُن کے کلام میں مبالغہ ہو۔ اُن کو خدا نے علم کی دین داری کی۔ خلوص کی خیر خواہی خلایق کی۔ گویائی کی بہت سی خوبیں دی ہیں۔ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ انہوں نے چھٹانک بھر کو کہا تو من بھر کر دکھاتے مگر افسوس ہے کہ یکا یک اُن کا چلنا ٹھیر گیا۔ مبتلا۔ آپ بھی تو اُن کے شاگرد رشید ہیں

حسن سے نفرت نہیں تو خیر اتنا ہی کیجئے کہ کسی طرح میری یہ شورش
تو فرو ہو کہ مجھے اس تصور میں نہ رات کو نیند ہے نہ دن کو قرار ہے
یہ کہ بلا میرے سر پر سوار ہے عارف کبھی تم نے اس بات پر غور کیا
ہے کہ حسن کیا چیز ہے اور لوگوں کو اس قدر فریفتگی حسن کے ساتھ
کیوں ہے۔ مبتلا یہ تو کوئی غور کرنے کی بات نہیں ہے مرد عورت
بوڑھا جوان۔ شہری۔ دیہاتی۔ خواندہ۔ ناخواندہ ہر شخص جانتا اور
سمجھتا ہے کہ خوبصورتی اس کو کہتے ہیں۔ تفصیل پوچھئے تو تمام شاعروں
نے معشوقوں کے سراپا لکھے ہیں آپ کی نظر سے بھی تو ضرور
گزرے ہوں گے۔ رند لکھنوی کا سراپا مرقع خوبی میرے نزدیک
سب سے بہتر ہے۔ اس سراپا میں کئی باتیں خاص ہیں اول تو
سر سے لے کر ناخن پا تک کسی عضو کو نہیں چھوڑا دوسرے مردوں
کا سراپا الگ ہے اور عورتوں کا الگ۔ تیسرے اعضا کی ساخت
کے علاوہ اُن کی حرکات کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں۔ چوتھے
حسن خلقی اور حسن مصنوعی کا تفرقہ بڑے عمدہ طور پر دکھایا ہے
غرض جو کچھ شعرا کے سراپاؤں میں ہے وہی حسن ہے اور یہ جو
آپ نے پوچھا کہ لوگوں کو اس قدر فریفتگی حسن کے ساتھ کیوں
ہے تو یہ میرے نزدیک انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے اور اس کے
واسطے سوائے اس کے کہ آدمی کی طبیعت ہی خلقۃً حسن کی طرف راغب
واقع ہوئی ہے اور کوئی وجہ درکار نہیں آپ کا یہ سوال بجنسہٖ

اسی طور کا ہے جیسے کوئی پوچھے کہ کہربا گھاس کو اور مقناطیس لوہے کو کیوں کھینچتا ہے آگ کیوں جلاتی ہے۔ عارف شعراء نے جو خیالات سراپاؤں میں ظاہر کئے ہیں آپ کی سمجھ میں آتا ہے ان کا ماخذ کیا ہے۔ مبتلا میرے نزدیک ان تمام خیالات کا ماخذ وہی طبیعت انسانی ہے جو حکم کرتی ہے کہ اس عضو کو اس وضع اور اس ساخت اور اس انداز کا ہونا چاہیئے۔ عارف ہاں لیکن اگر یہ خیالات طبعی ہوتے تو ضرور تھا کہ سب آدمیوں کے ایک ہی طرح کے ہوں کیوں کہ آدمی آدمی انسانیت میں سب یکساں ہیں تو اس کے یہی معنی ہیں کہ طبیعت انسانی سب میں یکساں ہے اور طبیعت یکساں ہوئی تو چاہیئے کہ سب کے تقاضے یکساں ہوں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں جو ایک کے نزدیک مطبوع ہے دوسرے کے نزدیک مکروہ۔ مثلاً بڑی خوبصورتی رنگ کی ہے کہتے بھی ہیں ایک رنگ ہزار ڈھنگ لیکن رنگ کے بارے میں مذاق اس قدر مختلف ہیں کہ گورا سُرخ وسفید گندم گوں۔ ملیح۔ چمپئی۔ وغیرہ کتنی قسم کے رنگ ہیں جن کے پیچھے ہمارے ملک کے لوگ مرد ھنتے ہیں لیکن فرض کرو کہ ان رنگوں میں سے کسی رنگ کا آدمی افریقہ میں جا نکلے تو وہاں اُس کی کیسی قدر ہوگی۔ جیسی کہ ہمارے یہاں جذامی کی یا مبروص کی افریقہ کے باشندے بھی آدمی ہیں اُن کی طبیعتوں میں بھی ایسے ہی جوش اور ایسے ہی ولولے پائے جاتے ہیں۔ عشق محبت

اُن میں بھی ہے اُن میں بھی حسین ہیں مگر اُن کے سراپا ہمارے سراپا سے بالکل مختلف خاص خاص اعضا کی نسبت بھی مذاقوں کے اختلاف کا یہی حال ہے ہم پسند کرتے ہیں بالوں کی سیاہی جس کو ہمارے شعرا تشبیہ دیتے ہیں شب دیجور سے کالی گھٹا سے مارِ سیاہ سے عاشق کی تیرہ بختی سے ظلمات سے اور اہل یورپ چاہتے ہیں بھورے بال سونے کے ہم رنگ اور سونا بھی ہندوستان کا نہیں کیلیفورنیا کا پیتلی ہم ڈھونڈتے ہیں آنکھ موتی چور جس کی پتلی سیاہ ہو صاحب لوگ نیلی کرنجی چینیوں کی نسبت مشہور ہے کہ کمانیاں چڑھا چڑھا آخر ناک کو بٹھا چھوڑا کیوں کہ اُن کے نزدیک ناک کی اُٹھان سے چہرہ ناہموار ہو تا تھا عورتوں کے پاؤں کو ایسا شکنجہ میں کسا کہ کھڑے ہونے سے اُن کا مرکز ثقل ہی ٹھکانے پر نہیں رہتا۔ ناچار گر گر پڑتی ہیں ہمارے یہاں کا دانتوں کا وصف ہے صفائی اور چمک چینیوں میں تیرگی اور سیاہی افریقہ میں عورتیں دانتوں کو سوہن کر اکے آرے کا ہم شکل بناتی ہیں انگریزنیں ساری دنیا کی عورتوں پر ہنستی ہیں کسی کے گہنے پر کسی کے لباس پر کسی کے بالوں کی بندش پر کسی کے بناؤ سنگھار پر اور خاص کر چینیوں پر اور اُن کا کہنا یہ ہے کہ انسان کی اصلی خوبصورتی اُس کی قدرتی بناوٹ میں ہے مگر جس وقت اپنی بہنوں پر جو دوسرے ملکوں کی رہنے والیاں ہیں ہنستی ہیں اُن کو اپنی کمر یاد نہیں

رہتی مختلف ملکوں کی تاریخیں اور جغرافیے پڑھو تو معلوم ہو کہ حسن کی نسبت لوگوں کے خیالات کس قدر مختلف ہیں قومی اختلافات سے اُتر کر شخصی اختلافات پر آؤ تو ہر جگہ وہی معاملہ ہے کہ ع لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید۔ غرض جہاں تک غور کیا جاتا ہے حسن کا کوئی مفہوم متعین نہیں پس مفہوم حسن کو انسان کا طبعی خیال سمجھنا غلط ہے بلکہ وہ ایک شخصی خیال ہے۔ مبتلا یہ تو ایک لفظی بحث ہے حسن کی نسبت میرا خیال طبعی ہو تو اور شخصی ہو تو نتیجہ واحد ہے کہ مجھ سے بدون حسن کے صبر نہیں ہو سکتا عارف واہ واہ لفظی بحث کی بھی خوب کہی اجی حضرت یہ تو علم اخلاق کا ایک بڑا ضروری مسئلہ ہے۔ جتنی باتیں طبعی ہیں یعنی تقاضائے طبیعت انسانی سے سرزد ہوتی ہیں کسی کے روکے رُک نہیں سکتیں ان کی تبدیل میں کوشش کرنا محض لاحاصل ہے اور مطلق بے سود۔ مگر جن کو میں نے شخصی سے تعبیر کیا ہے ضرورتیں ہیں ادعائی جاتیں ہیں تکلفی جن کو آدمی عموماً نہیں بلکہ افراد خاص اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔ اگرچہ اُن ادعائی ضرورتوں کا تقاضا کبھی طبعی ضرورتوں سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے مگر پھر بھی چوں کہ تقاضائے طبیعت نہیں ہے اس کی شورش کو فرو اس کی تیزی کو مدہم کرنا ممکن ہے مثلاً مطلق کھانا پینا تقاضائے طبیعت انسانی ہے اور کسی تدبیر سے یہ خواہش دفع نہیں ہو سکتی مگر خاص قسم یا خاص ذائقے یا خاص

کیفیت کے کھانے کا التزام تقاضائے طبیعت انسانی سے خارج ہے۔ جو لوگ شراب یا افیون یا چنڈو یا گانجے یا چرس یا تاڑی یا حقے یا کسی قسم کے نشے کی عادت ڈال دیتے ہیں اُس کی طلب میں ایسے بے قرار ہو جاتے ہیں جیسے بھوبھل میں مچھلی تاہم یہ ایک ضرورت ہے جس کو اُن کی طبیعت شخصی تقاضا کرتی ہے نہ طبیعت انسانی۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے نوع انسانی کے باقی رہنے کے لئے ایک قاعدہ ٹھہرا دیا ہے کہ دو طرح کے آدمی بنائے مرد اور عورت دونوں کے لئے عمر کا ایک وقت مقرر کر دیا کہ جب اُس حد پر پہنچیں تو دونوں میں از خود ایک دوسرے کی طرف رغبت پیدا ہو بس یہاں تک اور صرف یہیں تک تو تقاضائے طبیعت انسانی ہے جیسے مطلق غذا اور اُس سے بڑھ کر کہ جس کی طرف رغبت کرتا ہے پورا یا ادھورا رند کے سراپا کا مصداق ہو از قبیل نشہ ہے اور جہاں انسان کے اور ہزارہا لغویات ہیں کہ شاید دس ہزار آدمیوں میں ایک بھی اول سے محفوظ نہیں ایک طرح کی لغویات حُسن پرستی بھی ہے بھلا کوئی مجھ کو اتنا تو سمجھا دے کہ طبیعت انسانی جس قدر رغبت کا تقاضا کرتی ہے اُس سے اور رند کے یا کسی دوسرے شاعر کے سراپا سے کیا مناسبت۔ مبتلا۔ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ اُسی رغبت

ہیں جس کا طبعی ہونا آپ تسلیم کرتے ہیں سراپا کو ایسا مدخل ہے جیسا غذا میں مسالے[1] کو عارف. بالکل غلط مسالہ جزو غذا ہوتا ہے داخل غذا اور خود غذا۔ مبتلا. حسن کی نسبت آپ کی رائے تمام دُنیا کی رائے کے خلاف ہے اور اگرچہ بادی النظر میں آپ کی دلیل لاجواب معلوم ہوتی ہے مگر چوں کہ فی الواقع ایک عالم فریفتہ حسن ہے اور ازاں جملہ میں بھی ہوں گو آپ کو قائل نہ کرسکوں. تاہم دل ہے کہ حُسن کے تصور سے پگھلا جاتا ہے عارف۔ اگر دُنیا عبارت ہے اُن لوگوں سے جن کو تمھاری طرح حسن پرستی کا خبط ہے تو بلاشبہ تمھارا کہنا درست ہے مگر زیادہ نہیں تواپنی ہی معرفت کے مثلاً دس گھر معیّن کرو اور دیکھو کہ اُن میں کتنے آدمی ہیں پھر اُن میں اپنے جیسے عاشق مزاج منتخب کرو تب تم کو معلوم ہو کہ جنون عشق عالم گیر ہے یا نہیں اور ایک میں تم سے اور بھی کہتا ہوں کہ یہ تمام خرمستیاں پیٹ بھرے کی ہیں ایک۔ اور دوسرے یہ روگ اکثر شہریوں ہی کو ہوتے دیکھا اور تم نے اپنے دل کا جو حال بیان کیا اس کو میں مانتا ہوں لیکن برامت ماننا مدرسے کے تمام طالب العلموں میں تم سب سے زیادہ معروف و مشہور تھے مگر کس بات میں مدرسے

---

[1] لوگ اس کو مصالح بھی لکھتے ہیں کیوں کہ ان چیزوں سے کھانے کی اصلاح ہوتی ہے لیکن اگر لفظ اردو سمجھیں تو کیا حرج ہے ۱۲

کے چند آوارہ اور بد وضع نوجوان لڑکے تمہاری محبت کا دم بھرتے تھے اور انہوں نے گفتار سے کردار سے یہ بات تم پر ثابت کر دی تھی کہ تم بھی حسین ہو۔ آدمی فربہ شود از راہِ گوش۔ سنتے سنتے وہ خیال تمہارے ذہن میں راسخ ہو گیا۔ جب خود جوان ہوئے اس خیال کا پیرایہ بدل گیا۔ شعر

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر
بارے ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

مبتلا۔ آپ مولوی ہو کر داب مناظرہ کا لحاظ نہیں رکھتے آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ حُسن کی نسبت لوگوں کے خیالات طبعی نہیں بلکہ شخصی ہیں اور اس دعوے کے اثبات میں آپ میری خاص حالت سے استدلال کرتے ہیں دعویٰ عام ہے اور دلیل خاص دنیا میں ہزارہا آدمی حسن پرست ہیں تو کیا سب کی حسن پرستی کا یہی سبب ہو سکتا ہے کہ میری طرح وہ بھی حسین ہیں عارف تم نے اچھی طرح خیال نہیں کیا جیسا میرا دعویٰ عام ہے ویسی ہی میری دلیل بھی عام ہے اور تمہارا تذکرہ تمثیلاً تھا نہ استدلالاً میری دلیل یہ ہے کہ حُسن کی نسبت مختلف ملک کے باشندوں اور مختلف قوموں اور مختلف شخصوں کے مذاق مختلف ہیں اور اگر طبعی ہوتے تو مختلف نہ ہوتے۔ مبتلا۔ آپ کی دلیل کا یہ خلاصہ ہے کہ اقتضاءات طبیعت انسانی تمام دنیا میں یکساں ہیں مگر میرے

سمجھتے ہیں تو یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی دیکھتا ہوں کہ روئے
زمین کے مختلف قطعات میں مختلف طور کی آب و ہوا اور مختلف طور
کی پیداوار ہے اور آب و ہوا اور پیداوار کے اختلاف سے باشندوں
کے طبائع کا مختلف ہونا ضرور ہے چنانچہ بعض ملکوں کے لوگ
آرام طلب ہوتے ہیں اور بعض کے جفاکش بعض کے غصیلے
زود رنج بعض کے متحمل بردبار بعض کے بہادر دلیر۔ بعض کے
بزدل ڈرپوک بعض کے سیدھے سادھے بعض کے مفسد
چالاک اور با ایں ہمہ اختلافات یہ خصائص طبعی سمجھے جاتے
ہیں۔ اسی طرح حسن کی نسبت لوگوں کے مذاق مختلف ہوں۔
مذاق حسن پھر بھی طبعی کہا جائے گا۔ عارف۔ جن خصائص کے
اختلاف پر تم مذاق حسن کے اختلاف کو قیاس مع الفارق کرتے
ہو وہ خصائص طبعی اور کیمیائی ہیں آب و ہوا اور غذا کی حرارت
اور برودت اور رطوبت اور یبوست خون پر اثر کرتی ہے
گرم ملکوں کے لوگوں کے مسامات کشادہ خون گرم اور رقیق
اور اس کی گردش تیز اور سرد ملکوں میں اس کے بالکل خلاف
اور یہی وجہ ہے کہ گرم ملکوں کے لوگ آرام طلب غصیلے اور
بزدل اور ذہین ہوتے ہیں لیکن آب و ہوا اور غذا کو اس طرح
کا مدخل مذاق حسن میں ہو نہیں سکتا اور اگر ہے تو
اس کا ثابت کرنا تمہارا کام ہے ہاں اگر یہ کہو کہ بعض گرم ملکوں کے

لوگوں میں توالد تناسل کی رغبت جلد پیدا ہوتی ہے یا وہ لوگ اس رغبت پر زیادہ حریص ہوتے ہیں تو میں اس کو مانتا ہوں کیوں کہ مطلقاً اس رغبت کا طبعی ہونا مجھ کو تسلیم ہے۔ رہی عجلت اور حرص دونوں حرارت کے آثار کیمیائی ہیں مگر ہر پھر کر وہی بات آئی کہ اس رغبت طبعی کو شاعروں کے سراپا سے کہ وہی حسن ہے کیا تعلق۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص دوسرے شخص کے کسی عضو کو بے سبب بے غرض۔ بے مطلب کیوں اچھا یا بُرا کہہ سکتا ہے۔ مثلاً تمہاری ناک سے اگر کسی کی کوئی غرض متعلق ہو سکتی ہے تو وہ تم ہی ہو کہ تم اس سے سونگھتے یا سانس لیتے ہو اگر تمہاری ناک تمہارے کام اچھی طرح دیتی ہے تو وہ اچھی ہے مگر تمہارے لئے۔ میرا کون سا مطلب تمہاری ناک اسے اٹکا ہے کہ میں اس کو اچھا یا بُرا سمجھوں اور یہی حال ہے تمام سراپا کا جس کے پیچھے رندنے جزو کے جزو سیاہ کئے ہیں۔ غرض تم کو دو باتیں ثابت کرنی ہیں اول یہ کہ مذاق حسن تقاضائے طبیعت انسانی ہے۔ دوسرے یہ کہ توالد تناسل کی رغبت طبعی میں اس کو مدخل ہے۔ مبتلا ابھی تو میں اسی بات کو سوچ رہا ہوں کہ لوگوں میں مذاقِ حسن مختلف کیوں ہیں۔ عارف۔ میں نے ان باتوں کو برسوں سوچا ہے آخر اس بات سے دل کو تسلی ہوگئی کہ حسنِ صورت فی نفسہ کوئی چیز نہیں پھر یہ خیال پیدا ہوا تو کہاں سے پیدا ہوا پہلے

ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا کہ شاید حُسن کا ماخذ علم قیافہ ہو یعنی انسان کی روح اور جسم میں ایک تعلق ہے ایسا کہ اعضاء کی ساخت اور وضع سے اُس کے دلی خیالات اور اخلاق پر استدلال کیا جاتا ہے لوگوں نے تجربہ سے اس تعلق کو دریافت کر کے جمع کیا تو علم قیافہ مدوّن ہو گیا۔ جو لوگ علم قیافہ کے بڑے ماہر ہوتے ہیں آدمی کے اعضاء کی بناوٹ سے اُس کے خصائص طبیعت کو پہچان جاتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اعضاء کی جو وضع محاسن اخلاق پر دلالت کرتی ہو اُس کو اچھا سمجھنے لگے ہیں لیکن جن لوگوں کے حُسن کا بڑا چرچا ہے اُن کو دیکھا تو من حیث الاخلاق سب سے بدتر پایا۔ معلوم ہوا کہ علم قیافہ تو حُسن کا ماخذ نہیں ہو سکتا آخر غور کرتے کرتے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جس طرح اب لوگوں میں اعلیٰ اور ادنیٰ اور شریف اور وضیع اور خواص اور عوام کا تفرقہ ہے ایسا ہی ابتدائے دنیا میں سب لوگ تو یکساں حالت میں نہیں رہے ہوں گے۔ جسمانی قوت یا اعوان و انصار کی کثرت یا کسی دوسری وجہ سے بعض لوگ ضرور اکابر قوم سمجھے جاتے ہوں گے اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کو انسان اپنے سے بہتر اور برتر سمجھتا ہے اُس کی سبھی باتیں اُس کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ یوں سب سے پہلے حسن کا خیال پیدا ہوا ہو تو عجب نہیں اور پھر تو مثل دوسرے خیالات کے یہ خیال بھی ابًا عن جدٍّ متوارث

ہوتا چلا آیا۔ اور یہی سبب ہے ملکوں میں مذاقِ حسن کے مختلف ہونے کا ہر ملک میں جو شخص سب سے بہتر اور برتر تھا لوگوں نے اس ہی کو نمونۂ حسن قرار دے لیا۔ تم نے نپولین شاہِ فرانس کی تصویر تو دیکھی ہوگی اس کی ڈاڑھی تھی چگی اور ڈاڑھی کی خوبصورتی ہے بھری ہوئی گول مگر نپولین کے دیکھا دیکھی سارے فرانس نے اپنی ڈاڑھیاں چگی کر لیں اور اسی کو شعارِ خوبصورتی ٹھیرا لیا اور چگی ڈاڑھی کا نام رکھا امپریل بیرڈ یعنی شاہانہ ڈاڑھی۔ ہم لوگوں میں جو انگریزی وضع کھانے میں پینے میں لباس میں نشست و برخاست میں طرزِ تمدن میں ہر چیز میں وبا کی طرح پھیلتی چلی جا رہی ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ انگریز اس وقت کے حاکم ان کی تمام ادائیں خوش نما لگتی ہیں۔ اور ہم لوگوں کے مذاق ہیں کہ یوماً فیوماً انگریزی طور کے ہوتے چلے جاتے ہیں تعجب۔ خلقت تو اختیاری بات نہیں مگر رفتہ رفتہ مہندی اور وسمے کے عوض ہمارے یہاں کے بڈھے انڈے کی زردی کا خضاب تو ضرور کرنے لگیں گے۔ حسن کی نسبت شخصی مذاقوں کی تاویل چنداں مشکل نہیں ایک شخص میں تمام محاسنِ صورت کا جمع ہونا تو کمیاب ہے اکثر یوں ہی ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے حسینوں میں بھی دو چار نقص ضرور ہوتے ہیں۔ اب یہ پسند کرنے والے کی تجویز پر منحصر

رہا کہ چاہے جس پہلو کو ترجیح دے۔ بعضے رنگ پر مرتے ہیں اور بعضے نقشے کی نزاکت پر نظر کرتے ہیں۔ بعضے حسن و ادا کے خریدار ہیں اور بعضے دامِ زلف کے گرفتار۔ مبتلا۔ حسن اگر صرف خصائص انسانی سے ہوتا تو جو ماخذ آپ نے بیان کیا بلا شبہ قابلِ تسلیم تھا مگر جمادات نباتات حیوانات غرض تمام موجودات میں کوئی چیز حسن سے خالی نہیں۔ والدِ مرحوم زندہ تھے کہ ایک مقدمے کی پیروی کے لئے اُنھوں نے ناظر بھائی کو گرمیوں کے دنوں میں نینی تال بھیجا اور مجھ کو اُن کے ساتھ کیا، یوں تو پہاڑ دُھندلا دُھندلا کئی منزل سے نظر آتا تھا مگر تین چار کوس کے فاصلے سے تو ہم اُس کو اچھی خاصی طرح سموچا دیکھنے لگے وہ صبح کا وقت اور پہاڑ کی چوٹیوں پر سفید براق برف گویا سنگھار میز پر بڑا قد آدم آئینہ لگا ہے کہ آفتاب سوتا اُٹھ کر پہلے شبنم سے منہ دھوئے اور پھر اپنا چہرہ اُس آئینے میں دیکھے اور جب چوٹیوں کے گرداگرد شفق کی سُرخی اور دامانِ کوہ کی سبزی پر آنکھ پڑتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نازنین گلابی ڈوپٹا اوڑھے اور ہری پشواز پہنے غور سے کھڑا ہوا آس پاس کی چیزوں کی سیر دیکھ رہا ہے۔ شروع میں تھوڑی دیر تک تو اُس کا شعور رہا کہ واقع میں پہاڑ ہے اور ہماری قوتِ متخیلہ نے اُس کو نازنین اور شفق و سبزے کو

اُس کا لباس رنگین بنا لیا ہے مگر آفتاب کی کرن نکلتے ہی اوپر برف کے کنارے اور نیچے ندی نالے سارے جگمگا اُٹھے جیسے عین بین سجا گوٹا۔ اب تو جو خیال تھا وہ حقیقت الحال ہو گیا۔ قوت نامیہ کا ہر طرف بہ زور غور کہ ایک چپا بھر جگہ سبزہ خود رَو سے خالی نہیں۔ شاعر تو سبزے کو خوابیدہ باندھتے ہیں مگر وہاں کا سبزہ بے دا رہوا کے جھوکوں سے ہر وقت متموج بلا تصنع اُس وقت تو یہی خیال میں آتا تھا کہ ہوا کے گدگدانے سے پہاڑ کے پیٹ میں ہنسی کے مارے بل پڑ پڑ جاتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے پگڑی سنبھال کر درختوں کو دیکھو تو ایسا شبہ ہو کہ آسمان کی چھت بہت پرانی ہو چلی تھی شاید اُس کی آڑ وا اڑیں ہیں۔ رنگ برنگ کے جانور پھُدک پھُدک کر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر اُس طرح اُڑتے پھرتے تھے کہ گویا جگہ جگہ چوتھیاں کھیلی جا رہی ہیں غرض ہر چیز پر ایک قدرتی جوبن تھا کہ جی بے اختیار لوٹا چلا جاتا تھا ایسے کسی موقع پر آپ کے جانے کا اتفاق ہو تو آپ کو معلوم ہو کہ حُسن ایک کیفیتِ خداداد ہے ہر جگہ ہے اور ہر چیز میں ہے اُسی تنگ نال کے رستے میں ایک ندی تلی تھی اُس میں پتھر کی ہزارہا بٹیاں تھیں انہیں بھی جو سڈولی[1] تھی نہایت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ دُنیا کی تمام صنعتیں تمام دست کاریاں

---

[1] خوش وضع ۱۲

کسی غرض سے ہیں صرف اتنی بات کے لئے کہ چیزوں میں حسن پیدا ہو کسی انگریزی شاپ (دکان) میں میرے ساتھ چلئے تو میں آپ کو دکھا دوں کہ صرف مکان کی آراستگی کے لئے کیسا کیسا اسباب انگریزوں کی ولایت سے بن کر چلا آرہا ہے۔ زندگی کے تمام سازوسامان میں کون سی چیز ہے جس میں خوبی نہیں۔ یوں تو آدمی آنکھوں پر ٹھیکری دھرلے اور بداہت کا انکار کرے تو اُس کا علاج نہیں حسُن کو تقاضائے طبیعت ماننا آسان ہے یا ایک عالم کو مجنوں اور مبتلائے خبط۔ عارف بات کو بہت طول ہوتا جاتا ہے اور حجت اور تقریر سے کبھی کسی بات کا تصفیہ ہوا نہیں اور مدت العمر کے جمے ہوئے خیال کا دفعتًا دل سے نکلنا بھی مشکل۔ میں تم کو اتنی نصیحت کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اُس کو مختلف اوقات میں تم خود سوچو اور میں نے بھی یہی کیا تھا کہ مدتوں خود غور کرتا رہا۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آخر کار تم میری رائے کے ساتھ اتفاق کروگے یا نہ کروگے مگر اس کا تو مجھ کو پورا یقین ہے کہ ان شاء اللہ تمہاری یہ شورش تو ضرور فرو ہو جائے گی جس طرح تم دوسری چیزوں کا استحسان کرتے ہو۔ یعنی مثلاً نینی تال کی سیر سے تمہاری طبیعت کو ایک طرح کی تفریح ہوئی اگر اُسی طرح کی تفریح تم کو خوب صورت آدمی کے دیکھنے سے ہو تو اس میں میرے نزدیک کوئی اعتراض کی بات نہیں بلکہ اس

استحسان کو تم تقاضائے طبیعت بھی سمجھو چنداں مضائقہ نہیں مگر دل میں انصاف کرو کہ اس استحسان کو اس استحسان کے ساتھ کیا مناسبت اور فرض کرو کہ استحسان مردم یعنی حسن پرستی جیسا کہ تم کہتے ہو تقاضائے طبیعت انسان ہی سہی تو طبیعت انسانی کے اور بہت سے تقاضے ہیں مگر چاروناچار اُن کو روکنا اور ضبط کرنا پڑتا ہے سب میں زیادہ شدید تقاضا غذا کا ہے تاہم بعض اوقات طبیب حکم دیتا ہے کہ فاقہ کرو اور کرتے ہیں۔ یا غریب آدمی کو ایک وقت کھانا میسّر نہیں آتا اور وہ انتڑیوں کو مسوس کر رہ جاتا ہے اسی طرح تقاضائے حسن پرستی مطلق العنان تو رہ نہیں سکتا حُسن کم یاب اور اس کے خواہاں بہت معشوقوں کے غمزے و ادا سے شہید ہونے کا انتظار بھی نہ کریں آپس ہی میں رقابت کی وجہ سے لڑمریں اور مشکل یہ ہے کہ کمیابی ٹھیری شرطِ حُسن کیوں کہ اگر حسین کثرت سے ہوں تو حُسن بے قدر ہو جاتے کوئی اس کی طرف رغبت بھی نہ کرے۔ پس حُسن پرستی فی نفسہا ایسی خواہش ہے کہ ہزار خواہشوں میں ایک کی کامیابی بھی توقع نہیں۔ تو کیوں آدمی ایسی لت اپنے پیچھے لگائے کہ اُس سے سوائے رنج کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے۔ موقع پر آئی ہوئی بات کہنی ہی پڑتی ہے تم کو معلوم ہے کہ واقعی اور ادعائی ضرورتوں کی شناخت کیا ہے؟ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز جس قدر زیادہ سہولت سے میسر آسکتی ہو بس جان لو کہ ہم کو

اُسی قدر زیادہ اُس کی حاجت ہے۔ مثلاً ہوا اور پانی
اور غلّہ سب ضرورت ہی کی چیزیں ہیں غلّے سے زیادہ پانی
اور پانی سے زیادہ ہوا مگر سب سے زیادہ سہل الحصول ہے
پانی اُس سے کم اور غلّہ اُس سے بھی کم۔ اُسی طرح لوہا اور
چاندی اور سونا اور موتی اور جواہرات۔ سب سے زیادہ بکار
آمد لوہا ہے اور اسی کی زیادہ افراط ہے پس حسن اگر حقیقت میں
ہم کو درکار ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کی افراط بھی ہوتی اور افراط
ہوئی تو پھر حُسن کہاں۔ حُسن تو اُسی وقت تک حُسن ہے کہ اُس کے
دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہوں۔ مبتلا آپ کا یہ فرمانا بالکل
ٹھیک ہے کہ حُسن کمیاب ہے اور جو ہے اُس پر دست
رس کا ہونا مشکل اور میں اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ آپ
تشریف لائے۔ مگر دُنیا کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی مشکلیں
پیش آتی ہیں اور یہ تو وہ لذتیں ہیں کہ دنیا کے سارے مزے
اس کے آگے ہیچ ہیں بلکہ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ جب تک
لذتِ حُسن کا شمول نہ ہو دنیا کی کسی چیز میں کوئی مزا ہی
نہیں تو ایسے عمدہ مطلب کے حصول میں اگر جان تک کی بھی
جوکھوں ہو تو کیا مضائقہ اتنا خدا کا شکر ہے کہ دوسروں
کو محال ہے اور مجھ کو آسان۔ عارف۔ کیوں تم میں خصوصیت
کیا ہے کیا تم کہیں کے حاکم ہو یا تمھارے یہاں کچھ

دولت پھٹ پڑی ہے۔ مبتلا۔ پس آپ کے نزدیک تو دنیا میں حکومت اور دولت دو ہی چیزیں ہیں۔ جی حضرت میں حسن کی دولت رکھتا ہوں اب چند روز ہوئے چچا باوا کے لحاظ سے میں نے آنا جانا چھوڑ دیا ورنہ شہر میں ایسا کون نازنین ہے جو مجھ کو پیار نہیں کرتا ذرا میرا رخ دیکھیں تو گلے کی ہار ہو جائیں مجکو حسن کی کیا کمی آج چاہوں تو ایک ریوڑ پال لوں۔ عارف۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ؕ۱ میں تو سمجھتا تھا کہ تم کچھ عقل رکھتے ہو اب معلوم ہوا کہ عقل اور حیا اور غیرت اور عزت اور آبرو اور مذہب کسی چیز سے تم کو بہرہ نہیں اور تمہاری حالت بڑی خطرناک حالت ہے تم تو جناب میر متقی صاحب کے پاس برسوں رہو تب کہیں جا کر آدمی بنو تو بنو۔ تمہاری عقل کا تو یہ حال ہے کہ ابھی تک خوب صورتی کا خبط تمہارے سر سے نہیں نکلا تم بات بات میں اس طرح منہ بھر بھر کر اپنے تئیں حسین اور خوب صورت کہتے ہو کہ گویا حسن صورت بڑا جوہر ہے۔ مرد ہو کر تم کو عورتوں کے ہنر پر ناز کرتے ہوئے شرم نہیں آتی خوبصورتی کے خیال سے کچھ تم ہی اپنے دل میں خوش ہوتے ہو گے۔ مگر غیرت مندوں کی نظر میں تو اس گورے چمڑے نے تمہارے سارے خاندان کی عزت کو

۱؎ گناہ سے پھرنا اور نیکی پر آمادہ ہونا صرف خدا ہی کی مدد سے ہو سکتا ہے ۱۲

ڈبو دیا اور تم کو دنیا اور دین دونوں کے کام سے کھو دیا اور خیر جوان ہوئے پیچھے وہ کم بخت خوب صورتی گئی گزری ہوئی تھی تو بچپن کے اس خیال کو جانے دیا ہوتا نہیں۔ وہ خبط ہے کہ بدستور تازہ ہے مُنہ پر ڈاڑھی نکل آئی چہرہ بیکا کمبخت ہو گیا۔ وہ رنگ و روغن وہ نرمی و نزاکت کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر خدا جانے وہ تمہاری خوب صورتی کس چیز سے عبارت ہے کہ اسی میں فرق نہ آیا۔ شہر کے نازنینوں کا حال تو معلوم نہیں مگر مدرسے میں جو تمہارے چاہنے والے تھے وہ تمہارے رہتے ہی ایک ایک کر کے تم سے بے رُخی کرنے لگے تھے اور کیا تم کو اس کا امتیاز نہ ہوا ہوگا۔ اور جب تمہاری وہ لڑکپن کی کیفیت بدل گئی کہ خیر وہ ایک طرح کی خوب صورتی تھی بھی تب بھی مردِ خدا تم کو متنبہ نہ ہوا کہ کیا ایسی بے ثبات اور ناپائے دار چیز کے درپے ہونا جو آج ہے اور کل نہیں یہ کیفیت جو تم میں اب ہے اگرچہ اس کو خوب صورتی سمجھنا تمہارا ہی ادّعا ہے۔ مگر بُری یا بھلی جیسی ہے اسے کاش اس کو قیام ہو۔ جس نے تم کو بچپن میں دیکھا ہے اب سے چار برس بعد پہچاننے کا بھی تو نہیں کہ یہ وہی مبتلا ہے یا دوسرا شخص ہے میرے نزدیک تو خوب صورتی کا دعوے اب بھی تم کو زیب نہیں دیتا۔ مگر ایک وقت آنے والا ہے اُس کہ آیا ہے اعجوجب کہ تم خود پکار اُٹھو گے سه

دریغا کہ عہدِ جوانی برفت،
جوانی مگو زندگانی برفت،

ذرا خیالات کو اونچا کرو نظر کو تھوڑا آگے بڑھاؤ۔ یہ خواہشیں جن کا تم اس قدر اہتمام کر رہے ہو خدا نے گدھے۔ کتے۔ بندر۔ سور۔ ذلیل سے ذلیل جانوروں کو بھی دی ہیں بلکہ جانوروں میں یہ قوتیں آدمی سے بہت زیادہ ہیں۔ کیا آدمی کے لئے شرم کی بات نہیں کہ جانوروں کی ریس کرنے پر حریص ہو۔ تم کو اس بات پر بڑا گھمنڈ ہے کہ نازنینانِ شہر یعنی بازاری عورتیں تم کو پیار کرتی ہیں یہ چھوٹی رکابیاں یہ چچوڑی ہوئی ہڈیاں یہ کھائی ہوئی قلفیاں کسی بھلے مانس کی غیرت تقاضا کر سکتی ہے کہ ان کو منہ لگائے یا پاس بٹھائے نرمی خوب صورتی کو اگر ہم بھی لے کر کیا آگ لگانی ہے۔ جب کہ ان میں شرم و حیا نہیں مہر و وفا نہیں عفت و عصمت نہیں غیرت و حمیت نہیں۔ مبتلا۔ میں نے تو ان لوگوں کا تذکرہ آپ سے صرف اس غرض سے کیا تھا کہ میں حسن کی خواہش کروں تو غالباً میرے لئے اس کا بہم پہنچنا کچھ دشوار نہ ہو گا۔ کیونکہ میں ان لوگوں کو اپنی طرف بھی مائل پاتا ہوں مجھے دوسرا ذریعہ تقریب درکار نہیں۔ جس دن چچا باوا تشریف لائے۔ میں نے ان لوگوں سے ملنا جلنا قطعاً موقوف کر دیا۔ اور آئندہ بھی میرا ارادہ

ان لوگوں سے ملنے کا ہرگز نہیں چچا باوا کے آنے کا تو مجھ کو ایک حیلہ ہاتھ لگ گیا ورنہ میں نے تھوڑے ہی دنوں کے اختلاط میں ان لوگوں کو خوب آزما لیا بک گیا برباد ہو گیا چچا باوا نہ آ گئے ہوتے تو فاقوں پر نوبت پہنچ چکی تھی۔ مگر حقیقت میں عجب بے مروت قوم ہے چندے کے بندے اور دام کے غلام۔ اس میں شک نہیں کہ مجھ کو پیار بھی کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ لے بھی مرتے ہیں۔ عارف۔ الحمد للہ میرا جی یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ تم کو اس نالائق گروہ سے تو نفرت ہوئی اور میں تو بھائی اس کو جناب میر صاحب کا تصرف سمجھتا ہوں مبتلا۔ خیر جو کچھ ہو مگر حسن پرستی کی کسک میرے دل میں باقی ہے وہ نہیں نکلتی۔ عارف۔ اب بہت دیر باتیں ہوئیں آدمی کے دل کا حال ہر وقت یکساں نہیں رہتا ان شاء اللہ پھر کسی دن موقع دیکھ کر گفتگو کریں گے۔ اس اثناء میں تم بھی دفعتاً فوقتاً سوچنا اور غور کرنا اگر خدا کو منظور ہے تو خود تمہارے ہی دل سے کوئی نہ کوئی بات ایسی پیدا ہو گی کہ اس سے تمہاری تسکین ہو جائے گی اتنی بات تمہارے کان میں اور ڈالے دیتا ہوں کہ دنیا کے تمام معاملات کا مدار خیالات پر ہے۔

شعر

برخیالے صلح شان و جنگ شان
برخیالے نام شان و ننگ شاں

ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ ایک غرض کے پیچھے دیوانہ بن رہا ہے اور اسی جیسے ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں کہ اُس غرض سے مطلق سروکار نہیں رکھتے زندگی کے دن پورے کرنے کو گنتی کی چند چیزیں درکار ہیں اور اُن کے بہم پہنچانے کے لئے کچھ زیادہ زحمت اُٹھانے کی ضرورت نہیں صائب نے کیا خوب کہا ہے۔ **شعر**

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب جہاں
آنچہ من درکار دارم بیشتر درکار نیست

اور جب دوسرے لوگ ہمارے ہی ابنائے جنس ایک چیز کے بدون خوش و خرم رہ سکتے ہیں تو اُس سے بخوبی ثابت ہے کہ حقیقت میں وہ چیز داخل ضروریات زندگی بلکہ داخل تفریحات بھی نہیں ہے اُن لوگوں نے ایک طرح پر خیال کیا اور اُس چیز پر غالب آئے اور ہم نے دوسری طرح پر سوچا اور مغلوب ہو گئے۔ یوں تو سوچنے اور غور کرنے کو ہزاروں باتیں ہیں۔ مگر تمہاری حالت کے واسطے موت کا تصور کرنا بالخاصہ مفید ہے۔ اگر دن رات میں تھوڑی

دیر کے لئے بھی آدمی اپنے تئیں مرتا ہوا۔ فرض کر لیا کرے اور یہ تو یقینی ہے کہ ایک نہ ایک دن پچ مچ اُس کو مرنا ہو گا تو دنیا کی بہت سی ترغیبات سے محفوظ رہ سکتا ہے اور چوں کہ دین داری کے خیالات ابھی تمہاری طبیعت میں راسخ نہیں ہوئے موجبات ترغیب کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ سارا کیا کرایا دم کے دم میں اکارت ہو جائے گا۔

اٹھارہویں فصل مبتلا کا ایک عورت کے دام محبت میں مبتلا ہونا

عارف تو یہ کہہ کر اُس وقت رخصت ہو گیا۔ مبتلا کے شیاطین برابر اُس کی گھات میں لگے ہوئے تھے۔ میر متقی کا جانا سنتے ہی سب نے چاروں طرف سے یورش شروع کی۔ مبتلا۔ تو ایک مدت سے اُدھار پر عیاشی کر ہی رہا تھا۔ سیکڑوں روپے اُن لوگوں کے اُس پر چڑھے ہوئے تھے۔ پہلے کے ملے ہوئے خدا جانے میر متقی کے رہتے بھی انھوں نے کیوں کر صبر کیا ہو گا۔ میر متقی کا اگر جانا نہ ہوتا تو آخر ایک نہ ایک دن اُس قرض کا جھگڑا اُن کے روبرو پیش ہوتا پر ہوتا۔ اور اُن کے روبرو پیش ہوتا۔

تو وہ عمدہ طور پر فیصلہ بھی کر دیتے تھے اب آدنے پونے کیسے سوائے ڈیوڑھے کی قسط بندی پر تو قرضے کا چکوتا ہوا ور اُن لوگوں کے پاس آکر بیٹھنے بات کرنے سے مبتلا کی طبیعت جو میر متقی اور عارف کے سمجھانے سے کسی قدر سنبھل چلی تھی پھر بگڑی۔ سامان تو ایسا بندھا تھا کہ مبتلا پھر بدستور سابق آوارہ مزاج ہو جائے۔ مگر اُدھر تو نصیحت کے خیالات تھے تازہ اور اِدھر ادائے قرض کی وجہ سے مبتلا کو اُن لوگوں سے ہوئی ایک طرح کی ناخوشی اور تو کسی کے پاؤں نہ جمے مگر اب سے کوئی تین چار برس پہلے کا مذکور ہے مبتلا کے والد اُن دنوں زندہ تھے اسی محلے میں مبتلا کے گھر سے ذرا فاصلے پر ایک عورت کرایہ کے مکان میں آکر رہی۔ وہ تھی تو لکھنؤ کی کوئی خانگی پر اُس نے اپنے تئیں بیگم مشہور کیا باوجود یکہ تھوڑے ہی دنوں کی آئی ہوئی تھی۔ مگر سارے محلے میں اُس کی خوب صورتی اور لیاقت کا غل مچ گیا۔ عیاش مزاجوں میں جو جس ڈھب کا تھا اپنے شوق کی چیزیں بیگم کا مداح تھا۔ شاعر کہتے تھے فی البدیہہ شعر کہتی ہے۔ ستار بجانے والوں میں چرچا تھا کہ بول خوب بجاتی ہے۔ تاش۔ گنجفہ۔ چوسر۔ شطرنج کھیلنے والے ان تمام کھیلوں میں اُس کے کمال کے قائل تھے۔ ضلع جگت۔ پھبتی حاضر۔ جوابی پہیلی۔ کہہ مکرنی نسبت

میں سب مانتے تھے کہ اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس کی خوب
صورتی میں لوگ کچھ کلام کرتے تھے مگر اُس کے جامہ زیب
ہونے پر سب کو اتفاق تھا۔ مبتلا تو خود ایسی خبروں
کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا۔ اُس کو بیگم کا حال سب سے
پہلے معلوم ہوا ہو گا۔ لیکن باپ کے رہتے محلے کے محلے
میں بدلحاظی نہیں کر سکتا تھا نہ جا سکا۔ باپ کے مرے
پیچھے جب مبتلا کھُل کھیلا تو جہاں اُس نے اور نالائقیاں
کیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بیگم سے ملا۔ شاعری اور
ستار اور شطرنج اور کیا کیا یہ تو سب مبالغے تھے
مگر اس میں شک نہیں کہ عورت تھی بڑی گویا اُس کی
زبان کھیے دیتی تھی کہ خواصی یا مصاحبت یا کسی دوسرے
طور پر اُس نے بادشاہی محلات میں ضرور تربیت
پائی ہے۔ یا کیا عجب ہے کہ جیسا وہ کہتی تھی خود بیگم
رہی ہو۔ لسانی کے علاوہ اُس کا سلیقۂ مجلس بھی بہت
ہی دل کش تھا وہ نہایت جلد آدمی کے دل کو ٹٹول لیتی
اور ہر ایک کے ساتھ اُس ہی کے مذاق کی باتیں کرتی یہ
عمل تھا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر
کرتی تھی ورنہ صورت شکل کے اعتبار سے وہ کچھ چنداں قدر کی چیز نہ
تھی مبتلا کے ساتھ آنکھیں دو چار ہوتے ہی وہ پہچان گئی کہ یہ کوئی نیا مرد وا ہاہی

اس نے مبتلا کو دور سے کھڑے ہو کر ایسے انداز سے سلام کیا جیسے کوئی ہندو آفتاب کو ڈنڈوت کرتا ہے اور گاؤ تکیہ جس سے لگی ہوئی بیٹھی تھی چھوڑ اپنی جگہ مبتلا کو بٹھایا اور آپ مؤدب سامنے ہو بیٹھی۔ مبتلا نے چاہا کہ اس کو اپنی برابر بٹھائے مگر وہ ایاز قدر خود بشناس کہہ کر پہلو پہ نہ آئی۔ مبتلا تو تمہید کلام ہی سوچتا رہا کہ اتنے میں وہ آپ ہی بولی ایک مدت سے دلی کی تعریفیں سن سن کر جی پھڑکتا تھا اور دل میں ارمان تھا کہ اگر پر ہوتے تو اُڑ کر جاتی اور ایک نظر دلی کو دیکھ آتی۔ بارے سان نہ گمان خود بخود ایسا اتفاق پیش آیا کہ خدا نے دلی میں لا بٹھایا۔ اور جیسا سنا تھا اس سے ہزار حصے بڑھ کر پایا۔ چشم بد دور لکھنؤ میں دولت کی افراط ہے اور لوگ بھی وہاں کے بڑے زندہ دل ہیں حسن کی جو قدر و منزلت آج ہمارے لکھنؤ میں ہے کسی دوسرے شہر میں کم ہو گی اور یہی سبب ہے کہ ملکوں سے حسن کھنچ کر سب لکھنؤ میں سمٹ آیا ہے اور میرا رہنا بھی ایسی ہی جگہ ہوا ہے کہ اس کو حسن کو اکھاڑا کہنا چاہئے مگر اپنا شہر ہے تو ہونے دو بات تو سچی ہی کہی جائے گی ماشاءاللہ آپ کی صورت کا آدمی بھی میری نظر سے تو نہیں گزرا۔ مبتلا۔ یہ تو سب تمہاری مہربانی ہے چوں کہ تم نظر محبت سے دیکھتی ہو۔ تم کو میری صورت بھی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ ہم مردوں کی

صورت اگر اچھی ہوئی بھی تو کیا بے مصرف صورتیں تو تم لوگوں کی ہیں کہ ایک عالم تمہاری ان صورتوں ہی کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔ میں نے بھی تمہاری صفت و ثنا بہت کچھ سنی تھی اور تمہارے دیکھنے کے لئے دل بے قرار تھا مگر موقع نہیں بن پڑتا تھا۔ اب جو تم کو دیکھا تو معلوم ہوا حقیقت میں لکھنؤ کی خراش تراش اور وضعداری کو دلی والے نہیں پا سکتے۔ مگر یہ تو کہو کہ گھر تمہارا ٹھیرا لکھنؤ یہاں دلی میں تمہارے قیام کا کیا بھروسہ۔ بیگم ہم لوگوں کا کم بخت اس طرح کا بُرا پیشہ ہے کہ قرآن کا جامہ پہن لیں تب بھی تو کوئی اعتبار نہیں کرتا آپ کو یقین آئے یا نہ آئے میں ایک عزت دار خاندان کی بیٹی ہوں خدا جانے یہ بھی کرم میں کیا لکھا تھا کہ ایسے برے احوال سے پردیس میں پڑی ہوں میرا حال اس قطعے کا مصداق ہے ؎

رہئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
پڑئیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

میں جس وقت لکھنؤ سے نکلی دل میں یہ ٹھان کر نکلی کہ اب اس شہر کو پیٹھ دکھائی ہے جیتے جی منہ نہیں دکھاؤں گی۔ جس حالت میں آپ مجھ کو دیکھتے ہیں جس قدر مجھے اس سے نفرت ہے۔

بس خدا ہی کو خوب معلوم ہے۔ مگر موت اپنے بس کی نہیں۔" شاید باید زیستن ناشاد باید زیستن۔" آج اگر کوئی بھلا آدمی خدا اُس کے دل میں رحم ڈالے اور میری دست گیری کرے تو مجھ کو چرخہ کاتنا منظور چکی پیسنی قبول میں اس کی کفش برداری کو حاضر ہوں مگر مان نہ مان میں تیرا مہمان زبردستی کس کے سر ہو جاؤں آپ سے آپ کس کے ساتھ لگ لوں۔ ہر چند مبتلا کی آوارگی ان دنوں بڑے زوروں پر تھی مگر اس کے دل میں کسی عورت کے ساتھ تعلق لازمی پیدا کرنے کا خیال کبھی نہیں آیا تھا یہ بیگم کی سحر بیانی تھی کہ ابھی اس کی تقریر پوری نہیں ہونے پائی کہ مبتلا نے اس کو گھر میں ڈال لینے کا پہلے پہل کچھ یوں ہی سا ارادہ کیا۔ بیگم میں دو باتوں کی کمی تھی ایک تو اس کی صورت کچھ بہت عمدہ نہ تھی بنانے سنوارنے سے وہ اتنی بھی نظروں میں جچتی تھی دوسرے گانا ناچنا جس کی ان دنوں مبتلا کو چاٹ لگی ہوئی تھی اس کو مطلق نہیں آتا تھا تاہم اس نے اپنی لسانی سے مبتلا کو پہلی ہی ملاقات میں اتنا گرویدہ کر لیا کہ شام کا گیا گیا ڈیڑھ پہر رات کی توپ اس کو وہیں بیٹھے بیٹھے چل گئی۔ اس اثنا میں بیگم نے خوب مزے مزے کی گلوریاں اپنے ہاتھ سے بنا بنا کر مبتلا کو کھلائیں۔ دو دَور چائے اور کافی کے چلے۔ مبتلا اگر ایک جلسے میں مدعو نہ ہوتا تو اس سے

رات کا رہ پڑنا بھی کچھ تعجب نہ تھا بارے مکان پر سے آدمی آیا کہ صاحب جلسہ خود آپ کو لینے آتے ہیں ناچار اٹھنا پڑا اور جلسے کی سن کر بیگم کو بھی اصرار کرنے کا موقع نہ تھا مگر چلتے چلتے بیگم نے اتنا عہد تو لے ہی لیا۔ کہ جلسے کے سوائے اپنے یہاں ہو یا کسی دوست کے یہاں بلا ناغہ ہر روز ملاقات ہوا کرے گی اور میر متقی کے آنے تک ایسا ہی ہوتا رہا اور اتنے دن میں بیگم نے مبتلا کے دل میں بخوبی اپنی جگہ کر لی میر متقی کی لاحول سے جہاں اور شیطان بھاگ کھڑے ہوئے تھے ان میں ایک بیگم صاحب بھی تھیں۔ میر متقی کے رہتے بھی بیگم نے بہتیرے ڈھب لگائے کہ مبتلا زیادہ نہیں تو کبھی کبھار کھڑے کھڑے صورت دکھا جایا کرے مگر مبتلا خود ان دنوں ہتے سے اکھڑا ہوا تھا آنا جانا تو درکنار زبانی سلام و پیام تک کا بھی تو وہ روادار نہ ہوا۔ مبتلا بے چارے کے حال پر خیال کر کے کس قدر افسوس آتا ہے ؎

قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

قریب تھا کہ بیگم اس کو صبر کر کے بیٹھ رہے اتنے میں تو میر متقی کو سنا کہ تشریف لے گئے بیگم تو اس خبر کو سنتے ہی مارے خوشی کے اچھل پڑی اور اسی وقت سے لگی مبتلا کے انتظار میں

بار بار مڑ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ایک دن گزرا دو دن گزرے تین دن گزرے مبتلا کا کچھ پتہ نہیں۔ سمجھی کہ چچا نے ضرور بھتیجے کو کچھ پٹی پڑھائی آخر جب اپنے اہل برادری کو سنا کہ حساب کتاب کے لئے آنے لگے تو اس نے بھی کسی کے ہاتھ ایک رقعہ بھیجا (رقعہ) جان من۔ یا آں شورا شوری دیا بایں بے نمکی۔ اس قدر بے مروتی ایسی بے وفائی کچھ قصور کوئی خطا دل کے ایسے بودے اور ارادے کے اتنے کچے تھے تو اتنا ربط بڑھانا ایسا گہرا اختلاط کرنا کیا ضرور تھا۔ از برائے خدا چند لمحے کے لئے تشریف لاؤ اور اپنی حقیقت مجھ کو سناؤ میں خدانخواستہ کوئی بلا نہیں کہ جھپٹ جاؤں گی آپ کوئی بچے نہیں کہ پھسلا لوں گی اور اگر آپ کو آنا منظور نہیں تو مجھ سے وہاں پہنچنا کچھ دور نہیں ؎

تم جانو غیر سے جو تمہیں راہ و رسم ہو
ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

مبتلا یہ رقعہ پڑھ کر غوطہ میں تھا کہ عارف اس کے سر پہ آکھڑے ہوئے تھے عارف کے چلے جانے کے بعد مبتلا نے رقعے کو پھر کئی بار پڑھا وہ اس وقت جانے میں ہچکچاتا تھا مگر پھر اس نے سوچا کہ اگر میں نہ گیا تو بیگم خود چلی آئے گی اس سے تو میرا ہی جانا بہتر ہے غرض دل کو خوب مضبوط کر کے بیگم

کے گھر گیا مگر افسوس ہے کہ کچھ ایسی گھڑی کا گیا کہ بس اسی کے گھر کا ہو رہا۔ بیگم نے جو کئی مہینے کے بعد مبتلا کو دیکھا تو نہایت تپاک سے ملی بس اس کا وہ تپاک ایک جادو تھا کہ مبتلا کی تو کیا حقیقت تھی اس کے چچا باوا میر متقی صاحب بھی ہوتے تو پھسلتے نہیں تو لڑکھڑا ضرور جاتے دیر تک آپس میں گلے شکوے ہوتے رہے آخر مبتلا نے شروع سے آخر تک میر متقی کا آنا اور امور خانہ داری کی اصلاح اور ان کی نصیحت اور ناظر کی فضیحت اور میر صاحب کا تشریف لے جانا اور عارف سے معرفت کرانا اور عارف کا سمجھانا اور اربابِ نشاط کا حساب کتاب ذرا ذرا بیان کیا۔ بیگم نے بہت ہی توجہ سے مبتلا کے قصے کو سنا اور کہا کہ اتنے دن برابر جو آپ کا آنا نہ ہوا اس سے مجھے بڑی آزردگی ہوتی تھی اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ آپ سے اخیر دو دو باتیں کر کے ضرور اس محلے سے اٹھ جاؤں گی مگر اب جو آپ سے ساری حقیقت معلوم ہوئی میرا جی بہت خوش ہوا اور اگر میں جانتی ہوتی تو ضرور میر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرتی سبحان اللہ اچھوں کی اچھی ہی باتیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے باپ سے بڑھ کر آپ کے ساتھ سلوک کیا ان کے فرمانے پر چلو تو دنیا اور دین دونوں میں سرخ رو رہو میں تو خود آپ سے کہنے والی تھی کہ ان بلبیواؤں سے ملنا اور یوں پیسے کو برباد کرنا اور یہ

ہرجائی پن اچھا نہیں۔ مبتلا۔ مشکل یہ آ کر پڑی ہے کہ بی بی کی طرف تو مجھ کو رغبت نہیں پھر اب کسی طرح زندگی بسر بھی کروں یا نہ کروں۔ بیگم۔ بیاہتا بی بی سے اگر مرضی نہیں ملتی تو ایک اپنی مرضی کی بی بی کرلو خدانخواستہ تم کچھ غریب نہیں ہو کہ دو بیبیوں کا خرچ نہ چلا سکو گے مردوں پر تو خدا نے تنگی نہیں کی ایک ایک کو چار چار نکاح کا حکم ہے۔ مبتلا۔ تم مجھ سے نکاح پڑھانے پر راضی ہو۔ بیگم میں تو خود تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس حالت میں رہنا پسند نہیں کرتی میں تو کوئی دن جاتا ہے کہ کسی نہ کسی کا دامن پکڑ کے بیٹھ رہوں گی اور اگر تم میری دستگیری کرو تو زہے قسمت مگر تم کو بہتیری مجھ سے بہتر ملیں گی۔ نکاح کرو تو ایسی کے ساتھ کرو کہ پھر بی بی کی تمنا باقی نہ رہے بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ نکاح مت پڑھاؤ چندے کسی کو آزماؤ۔ مبتلا۔ میں تو فکر کرتے کرتے تھک گیا اور سوچتے سوچتے میرا سر دکھنے لگا۔ چچا باوا اور میاں عارف کی تو مرضی یہ ہے کہ میں ساری عمر رنج و غم میں گھل گھل کر مر جاؤں۔ بیگم۔ نوج دور پار نصیب دشمناں رنج کرے تمہاری بلا اور غم اٹھائے تمہاری پاپوش دنیا میں بار بار جنم لینا نہیں اور جوانی کی عمر بھی چلتی چھاؤں ہے۔ جب اپنا جی خوش نہ رہا تو دنیا کو لے کر کیا چولھے میں ڈالنا ہے۔ مبتلا۔ دل پر تو قابو نہیں چلتا۔ اس بی بی

سے ممکن نہیں کہ مجھ کو انس ہو چار و ناچار دوسری بی بی تو
کرنی ہی پڑے گی۔ اچھا تو آج کے آٹھویں دن۔ بیگم۔ بلکہ
پندرھویں دن مگر ایک شرط سے کہ ہست و نیست جو کچھ کہنا ہو
تم خود آکر مجھ سے کہنا ایسا نہ ہو کہ پہلے کی طرح بیٹھ رہو۔ مبتلا۔
نہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو میں ضرور خود آؤں گا بلکہ ہو سکا تو بیچ
میں ایک دو پھیرے کروں گا۔ بیگم۔ قسم کھاؤ۔ مبتلا۔ تمہاری جان
کی قسم۔ بیگم۔ میری جان تو تم ہو۔ مبتلا۔ اپنے سر کی قسم۔ یہ عہدو
پیمان ہو کر مبتلا بیگم سے رخصت ہوا۔ مگر سچ پوچھو تو آج ہی کا
جلسہ جلسۂ نکاح تھا۔ بیگم ایک بلا کی عورت تھی اور اس کو بشرے
سے دلی حالات کے معلوم کر لینے کا بڑا ملکہ تھا آج کی ملاقات
میں اس کو پورا یقین ہو گیا کہ مبتلا پر اس کا جادو چل چکا ہے
اور اسی بھروسہ پر اس نے آپ مہلت دی ورنہ وہ ایسا ڈھنگ
ڈھنگ ڈالتی کہ بے نکاح پڑھائے مبتلا جانے کا نام نہ لیتا
بیگم کے پاس یہ آج کا جانا مبتلا کے حق میں غضب ہو گیا
اس کو میر متقی نے ایک حالت پر پایا اور انہوں نے اور
عارف نے اس کو ٹھیل ٹھیل کر کچھ دور سرکایا آج وہ پھر
اپنی جگہ پر عود کر آیا۔

انیسویں فصل مبتلا اور عارف کا مباحثہ

تعدّدِ نکاح کے بارے میں

عارف نے اس خیال سے کہ اس کو اچھی طرح بطور خود غور کر لینے دو ایک ہفتہ تک اس کی خبر نہ لی پھر جو ملاقات ہوئی تو مبتلا کا تیور ہی بدلا ہوا تھا پوچھا کیوں صاحب تم نے کچھ سوچا غور کیا۔ مبتلا۔ جی ہاں دوسرے نکاح کی ٹھہرائی ہے۔ عارف (چونک کر) ایں دوسرا نکاح۔ سچ کہو۔ مبتلا۔ کیا کروں میں بھی آدمی ہوں میرے سینے میں بھی دل، دل میں خواہش ہے مجھ کو بھی موافق سے راحت اور ناموافق سے ایذا پہنچتی ہے میری زندگانی کا زمانہ بھی محدود ہے اور جوانی کا تو محدود نہیں۔ بلکہ مختصر میں بھی اتنی بات سوچتا ہوں کہ دنیا سے ایک بار جا کر پھر آنا نہیں ان تمام باتوں پر نظر کر کے میں نے بھی فیصلہ کیا کہ آخر مجھ کو تو آسائش ملے۔ عارف بے شک آسائش جایز کو کون منع کر سکتا ہے اور تم پر کیا موقوف ہے تمام آدمی کوشش کرتے ہیں اور سب کی کوششوں کا دینی ہو یا دنیاوی ماحصل ہے آسائش مگر غور طلب یہ بات ہے کہ جس کو تم نے آسائش سمجھا ہے وہ حقیقت میں بھی آسائش ہے یا نہیں۔ مبتلا۔ یہ تجویز

کرنا میرا کام ہے۔ عارف۔ بس یہ غلط ہے ہم سب ہیں بیمار اور
شارع ہے ہمارا طبیب اگر بیمار کو اختیار دیا جائے کہ اپنی آسائش
کے لئے آپ تجویز کرے تو بیمار یقیناً اپنے تئیں ہلاک کرے گا۔ مبتلا
آپ اطمینان رکھئے میں نے شرع ہی کے مطابق اپنی آسائش
کی تجویز کی ہے کیا میں نے نہیں کہا کہ دوسرے نکاح کی ٹھیرائی
ہے اگر بے نکاح کسی عورت کو گھر میں ڈال لینے یا پانچویں نکاح
پڑھانے کا نام لینا تب ہی آپ نے کان کھڑے کئے ہوتے عارف
جواز تعدد نکاح کی نسبت تم نے جس طرح پر اپنا اطمینان کر لیا
ہو ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ۔ مبتلا میں تو آپ کے ادنیٰ شاگردوں
کی برابری بھی نہیں کر سکتا میرا کیا مقدور ہے کہ آپ کو سمجھاؤں
مگر تعدد نکاح کی سند کو قرآن کی وہی ایک مشہور آیت ہے۔
وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی فانکحوا ما طاب لکم من
النساء مثنیٰ و ثلٰث و ربٰع[1]۔ عارف لیکن۔ اسی کے آگے
فرماتے ہیں۔ فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃً یعنی اگر تم
کو یہ خوف ہو کہ متعدد بیبیوں میں برابری نہ کر سکو گے تو ایک
ہی بی بی کرو اور اسی سورت اور اسی پارے میں اور آگے

---

[1] اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ ہم یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکیں گے تو عورتوں میں
سے دو دو اور تین تین اور چار چار جتنی تمہاری خوشی ہو نکاح کر لو ۱۲

چل کر ولن تستطیعوآ ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ یعنی تم بہتیرا چاہو مگر تم سے یہ ہو ہی نہیں سکے گا کہ عورتوں میں برابری کر سکو۔ پس سارے سارے بھی ایک طرف کو مت جھک جاؤ کہ اس بے چاری کو ادہر میں لٹکتا ہوا چھوڑ دو اب ان دونوں باتوں کو ملاؤ کہ برابری نہ کر سکو تو ایک کرو تمہارے کئے برابری ہو ہی نہ سکے گی۔ ایک شخص نے حال میں حرمت تعددِ نکاح پر ایک کتاب لکھی ہے اس کے نزدیک ان دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بس ایک بی بی کرو۔ مبتلا۔ ایسی ہی ایسی تفسیریں کر کے تو لوگوں نے دین میں رخنے ڈالے ہیں۔ پیغمبر صاحب اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور تمام بزرگانِ دین سب متعدد بیویاں کرتے چلے آتے ہیں ان کو بھی یہ دونوں آیتیں معلوم تھیں اور قرآن کو بھی سب سے بہتر سمجھتے تھے اور ان کا تدین بھی بہت زیادہ تھا مگر کسی نے تعدد نکاح کی ممانعت کا نتیجہ نہیں نکالا اور ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس برابری کی نسبت ارشاد ہے کہ تم سے ہو ہی نہیں سکے گی وہ پوری پوری برابری ہے۔ یعنی عدل حقیقی کیونکہ مطلق عدل سے قاعدے کے مطابق فرد کامل مراد

لینی ہوتی اور وہ نہیں ہے مگر عدل حقیقی اور اسی لئے فرمایا ہے کہ
تم سے عدل حقیقی تو ہو نہیں سکے گا تو ایسا بھی تو غضب مت کرو
کہ ایک ہی طرف کے ہو رہو اور دوسری کو لٹکا رکھو کہ وہ بیچاری
بیچ میں پڑی جھولا کرے اس سے معلوم ہوا کہ عدل حقیقی کے علاوہ
کہ وہ اعلیٰ درجہ کا عدل ہے اور انسان سے اس کا ہونا ممکن
نہیں ایک ادنےٰ درجہ کا عدل مجازی بھی ہے کہ انسان صرف
ایک ہی کا نہ ہو رہے بلکہ دوسری کی بھی خبر گیری کرتا رہے۔ چچا
باوا کے رہتے میرے دل میں اس بات کا کھٹکا تھا کہ ایک نہ
ایک دن وہ ضرور مجھ کو ٹوکیں گے تو میں نے مولوی محمد فقیہہ
سے اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی تھی میری سمجھ میں تو یوں آتا
ہے کہ پہلی آیت وان خفتم الا تعدلو فواحدۃً میں عدل
سے عدل مجازی مراد ہے کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ تم ادنیٰ
درجے کا عدل بھی نہ کر سکو گے اور بالکل ایک ہی کے ہو کے رہو گے
تو ایسی صورت میں تم کو ایک ہی بی بی کرنی چاہئے اور اگر تعدد
نکاح میں عدل حقیقی مشروط ہو تو فی الواقع جیسا آپ کہتے ہیں
ممانعت ہوئی تعلیق بالمحال اور اگرچہ اس آیت میں بھی مطلق
عدل ہے اور چاہئے کہ یہاں بھی عدل حقیقی مراد ہو مگر دوسری
آیت مابعد ولن تستطیعوا ۲ الخ قرینہ صاف موجود ہے اور اگر
خدا کو تعدد نکاح کی ممانعت منظور ہوتی تو تعلیق بالمحال کا پیرایہ

اختیار کرنا کیا ضرور تھا صاف صاف کہدینا تھا کہ بس ایک بی بی کرو نہ یہ کہ عدل حقیقی نہ کر سکو تو ایک کرو کیونکہ یہ تو معلوم ہی تھا کہ عدل حقیقی مقدورِ بشر نہیں۔ اگر وان خفتم الا تعدلوا سے ممانعت تعدد نکاح مراد ہو تو معاذ اللہ اس آیت کی ایسی مثال ہوگی کہ پوچھیں ناک کہاں ہے اور جواب میں بائیں کان سے شروع کر کے گدی کی طرف سے داہنی جانب ہاتھ لاکر بتایا جائے کہ یہ ہے۔ عارف۔ اس میں شک نہیں کہ مولوی محمد فقیہہ نے اس مسئلہ کی اچھی تحقیقات کی اور تم نے جو کچھ سمجھا میرے نزدیک نہایت درست سمجھا مگر پیغمبر صاحب سے جو تم نے استشہاد کیا اس کو میں نہیں مانتا یہ دونوں آیتیں عام مسلمانوں کے واسطے ہیں۔ پیغمبر صاحب کے نکاح ان میں داخل نہیں پیغمبر صاحب کے لئے سورۂ احزاب میں ایک پورا رکوع موجود ہے۔ یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک اللاتی اتیت اجورھن الخ پیغمبر صاحب کے لئے چار بیبیوں کی قید نہ تھی اور گرچہ آں حضرت ازواج مطہرات میں اپنی طرف سے عدل فرماتے تھے مگر خدا نے ان پر اس کو بھی لازم نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اسی رکوع میں یہ آیت ہے ترجی من تشاء منہن وتوئی الیک من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیک یعنی اپنی بیبیوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے جدا رکھو اور جس کو چاہو اپنے پاس جگہ دو

اور جس کو چاہو ہٹا کر پھر ملا لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اسی طرح
پیغمبر صاحب کو بلا مہر بھی نکاح کر لینا جائز تھا اور یہ باتیں
خصائص نبوی میں سے ہیں اور کیا مصلحتیں پیغمبر صاحب کے
ان ذاتی معاملات میں مضمر تھیں اس کی تفصیل ہے جس کے
بیان کرنے کو بڑی فرصت چاہیے اسی طرح صحابہ وغیرہ سے
بھی استشہاد کرنے کو میں درست نہیں سمجھتا مبتلا از برائے
خدا کہیں جلدی سے فرما بھی چکو کہ تعدد نکاح کے موئد ہو یا
مخالف۔ عارف۔ سخت مخالف۔ مبتلا۔ مذہباً عقلاً۔ عارف۔
یہ تو تم نے عجیب لغو بات پوچھی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ
کہ مذہب اور عقل دو چیزیں ہیں اور ممکن ہے کہ دونوں کی
دو راہیں ہوں حالانکہ میرا عقید تو یہ ہے کہ مذہب مخالف عقل
باطل۔ عقل مخالف مذہب گمراہ۔ مبتلا۔ جس چیز کے جواز کے
لئے نص قرانی موجود ہے اس سے آپ کو مخالفت کرنے کا
سبب۔ عارف۔ بات یہ ہے کہ شارع نے مردوں اور عورتوں
کی معاشرت کے قاعدے ٹھیرا دئے ہیں نکاح اور مہر اور نفقہ
اور طلاق اور خلع اور لعان اور ظہار اور رجعت اور رضاع
وغیرہ جتنے معاملات ہیں سب کے واسطے احکام ہیں اور اگر ان
احکام کی پوری پوری تعمیل ہو تو کسی قوم اور کسی مذہب کے زن
و شوہر میں اس سے بہتر معاشرت ہو نہیں سکتی۔ مگر خرابی کیا

آ کر پڑی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے رسم اور مذہب دو چیزوں کو ملا کر اپنے طرزِ معاشرت کو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنا لیا ہے مثلاً پردے سے چلو۔ بلاشبہ اسلام کا حکم ہے کہ بیبیاں پردہ کریں اور اس میں بھی شک نہیں کہ ایک پردے سے ہزارہا مفسدوں کا انسداد ہوتا ہے مگر جس سختی کے ساتھ ہم لوگوں نے پردے کو لازم کر لیا ہے افراط ہے حد شرع سے متجاوز پردہ نہیں ہے مگر قید اور قید جس قدر سخت اسی قدر ایذادہ نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی زندگی کی کامیابی اور ناکامیابی راحت اور تکلیف خوشی اور ناخوشی اسی پر موقوف ہے معاہدہ تو ایسا مہتم بالشان اور معاہدہ کرنے والے جن کو اس کا نباہ کرنا ہے اور جن پر اس معاہدے کا اثر مترتب ہوگا اس سے بے تعلق کیونکہ اکثر تو معاہدہ نکاح ایسی چھوٹی عمروں میں ہو جاتا ہے۔ کہ فریقین میں سے کسی کو بھی اس کے نتائج کے سمجھنے کی اہلیت نہیں ہوتی اور اگر شاذ و نادر ہوتی بھی ہے تو اظہار رائے کر کے بے شرم اور بے حیا اور بے غیرت اور منہ بولا کون کہلائے پس معاہدۂ نکاح تو کرتے ہیں مثلاً زید اور ہندہ اور ایجاب و قبول کرتے ہیں۔ ان کے ولی کھلم کھلا پوری آزادی تو نکاح کے معاملے میں مرد عورت کسی کو بھی نہیں۔ رہ گئے دبے دبائے اشارے کنائے

وہ بھی مردوں کے لئے بدنمائی ہے اور عورتوں کے لئے فضیحت اور رسوائی سب سے بڑا ظلم جو ہم نے اپنی عورتوں پر کر رکھا ہے یہ ہے کہ بیوہ کو دوسرا نکاح نہیں کرنے دیتے ہزارہا اللہ کی بندیاں ہیں کہ انہوں نے شوہر کا منہ تک نہیں دیکھا اور نصیبوں پر ایسے پتھر پڑے کہ رانڈ ہو گئیں ہندؤں کی طرح ستی ہو کر ایک بار کا جل مرنا ساری عمر کے جلا پے سے ہزار درجے بہتر تھا مگر حرام موت ستی کیوں کر ہوں۔ دنیا میں ناک کٹتی ہے۔ دوسرا نکاح کس طرح کریں۔ غرض جیتی ہیں تو لطف حیات نہیں اور مرتی ہیں تو اپنے اختیار کی بات نہیں۔ تو اس کا مطلب کیا نکلا کہ شارع نے جو حقوق عورتوں کو دئے تھے وہ تو پورے پورے ہم نے ان کو لینے نہ دئے اور اپنے حقوق میں سے رتی بھر چھوڑنا نہیں چاہتے تو جو نسبت مرد اور عورت میں شارع کو رکھنی منظور رکھی کیوں کر باقی رہ سکتی ہے اور وہ نسبت کیا تھی اس کے لئے میں تمہارے آگے قرآن کی دو آیتیں پڑھتا ہوں سورۂ بقر میں ہے ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ یعنی جیسے عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں ویسی ہی راست معاملگی کے ساتھ ان کے حقوق بھی ہیں اور مردوں کو عورتوں پر برتری ہے پھر سورۂ نساء میں ہے۔ وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئًا ویجعل اللہ فیہ خیرًا کثیرًا عورتوں

سے راست معاملگی کے ساتھ برتاؤ کرو پس اگر وہ تم کو بھلی نہ لگیں تو عجب نہیں تم کو ایک چیز بھلی نہ لگے اور خدا اُس میں بہت سی بہتری کردے۔ اب فرمائیے کہ تعدّدِ نکاح جائز ہے یا ناجائز مبتلا میں تو مذہب کا کوئی بڑا محقق نہیں مگر اسی طرح جورویں اگر زبردستی ہمارے گلے مڑھی جائیں گی تو جو حالت آپ نے بیوہ عورتوں کی بیان کی اُس سے بدتر ہماری ہو گی۔ بیوہ عورت کو تو خیر صبر کرنے کے لئے ایک بات بھی ہے کہ شوہر نہیں ہے نہ سہی یہ کیا مصیبت ہے کہ ایک عورت کو آنکھ بھر کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا بات کرنے کی طرف محبت رغبت نہیں کرتی اور آپ کہتے ہیں کہ زبردستی اُس کے ساتھ عاشقی کرو۔ اگر خدا کے یہاں ایسی ہی ہیکڑی ہے تو اُس کو اختیار ہے دوزخ میں ڈالے جہنم میں جھونکے بندگی و بے چارگی مگر میں تو آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ ایسی مجبورانہ عاشقی مجھ سے ہوئی ہے نہ ہوگی۔ عارف۔ بلاشبہ تم مغلوب طبیعت ہو رہے ہو اور جب تک تمہاری یہ حالت رہے گی حقیقت میں تم سے خلاف طبیعت کوئی بات ہو نہیں سکتی۔ مبتلا۔ اسی میں تو میں آپ سے مدد چاہتا تھا کہ طبیعت پر غالب آنے کی کوئی صورت بتائیے عارف جو تدبیر مجھ کو معلوم تھی اور معلوم کیا تھی وہی ایک تدبیر ہے میں نے تو اُس کے بتانے میں دریغ نہیں کیا پھر بھی تک تمہارے

ساتھ اپنا مغز خالی کیا تم لاجواب ہوئے اور چلتے چلتے تم سے کہتا
گیا کہ تم ان تمام باتوں کو فرصت سے سوچنا اور موجباتِ ترغیب
کے پاس نہ جانا. تم یوں سمجھو کہ حسن پرستی مرض ہے سوچنا دوا اور
موجباتِ ترغیب سے دور رہنا پرہیز. بھائی مرض جسمانی بھی اگر
مزمن ہوتا ہے تو اس سے جلد صحت نہیں ہوتی اور بعض صورتوں
میں برسوں علاج اور ساری عمر کے لئے پرہیز کرنا پڑتا ہے
یہی حال ہے امراض روحانی کا. جن کا دوسرا نام ہے بُری لت
بدعادت تمہارا علاج تمہارے ہی ہاتھ میں ہے کرو تو تم اور
نہ کرو تو تم. مبتلا. آپ تو تعددِ نکاح میں چند در چند طرح کے خدشات
پیدا کرتے ہیں اور بزرگان دین میں کوئی بھی اس سے خالی نہ تھا
عارف. جب ایک بات کی صراحت ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں
تو ہم کو کسی بزرگ کے قول و فعل پر نظر کرنے کی ضرورت نہیں
ایک اور دوسرے یہ معاملات ہیں شخصی جب تک کسی کی طبیعت
کیفیت حالت ضرورت کا کچا حال معلوم نہ ہو ہم بھلی یا بُری کوئی
رائے ظاہر ہی نہیں کرسکتے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ
جو لوگ اپنے لئے اس آزادی کو عمل میں لاتے تھے وہ
عورتوں کی آزادی میں بھی مضایقہ نہیں کرتے تھے ہماری
طرح اُن کا معاہدہ نکاح مرنے بھرنے کا معاہدہ نہ تھا ذراسی
ناموافقت ہوئی مرد نے طلاق دے دی یا عورت نے خلع

کرلیا۔ تھوڑے تھوڑے مہر ہوتے تھے اُن کو معاہدہ نکاح کا فسخ کر دینا ایک بات تھی نہ طلاق کا عیب نہ دوسرے نکاح کی عار تو اُن کی آزادی حق بجانب ہم کیا اُن کی ریس کر سکتے ہیں کہ ہماری بیبیاں لونڈیوں سے بڑھ کر بے اختیار دایم الحبس ناک چوٹی گرفتار اور پھر تعدد نکاح سے جو بے لطفیاں اور بدمزگیاں خانہ داری میں پیدا ہوتی ہیں ہم دیکھتے ہیں تو بزرگان دین کو بھی اس سے نجات نہ تھی۔ امہات المومنین یعنی پیغمبر صاحب کی ازواج طاہرات میں باوجودے کہ دنیا کے عیش و آرام کسی کو میسر نہ تھے تاہم فقر وفاقے میں بھی باہم ویسی ہی محاسدات تھے جیسے سوکنوں میں ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔ سُنّی شیعہ کا تفرقہ جو تم دیکھتے ہو کہ دونوں گروہوں کا خدا ایک رسول ایک قرآن ایک اور پھر آپس میں اس درجہ کی عداوت اگر سچ پوچھو تو متفرع ہے ان ہی محاسدات پر۔ حضرت پیغمبر صاحب کی سب سے پہلی بی بی حضرت خدیجۃ الکبریٰ جن کے بطن پاک سے حضرت فاطمۃ الزہرا پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس اُن کے پہلے شوہر کا بڑا سرمایہ تھا جس کو انہوں نے تجارت میں لگا رکھا تھا اُن کو ضرورت تھی ایک دیانت دار اور ہوشیار کارندے کی انہوں نے (بعثت سے بہت پہلے کا مذکور ہے) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت امانت راست بازی کا حال سن کر اُن کو

اپنی تجارت کے کام میں لگایا اللہ نے حضرت کی نیک نیتی سے تجارت میں بڑی برکت دی۔ حضرت خدیجہ رضؓ نے حسن کارگزاری سے خوش ہو کر اُن کے ساتھ نکاح پڑھا لیا۔ اس نکاح کی وجہ سے جو لوگ نِرے دنیادار تھے البتہ حضرت کی زیادہ وقعت کرنے لگے۔ پھر جب حضرت کا زمانہ بعثت نزدیک آیا تو خوارقِ عادات پیش آنے لگے کبھی آسمان پر فرشتوں کو دیکھتے کبھی درخت اُن کو سلام کرتے۔ کبھی غیب سے آواز آتی۔ ان واقعات کو دیکھ کر ڈرے اور حضرت خدیجہ رضؓ پر اس تمام حقیقت کو ظاہر کیا۔ حضرت خدیجہ رضؓ تھیں بڑی باخدا بی بی اور اُن کے گھر میں صحف انبیاء اور تورات کی تلاوت کا بڑا چرچا تھا۔ انہوں نے سن کر حضرت کی بڑی تسلی کی کہ تم خدا ترس آدمی ہو۔ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر رحم اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتے ہو ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ خدا تم جیسے آدمی کو ضائع کرے اور حضرت کو اپنے بھائی کے پاس لے گئیں جو تورات کے بڑے عالم تھے پیغمبر آخرالزماں کی پیشین گوئیاں تو آسمانی کتابوں میں موجود ہی تھیں اور لوگ دن گن رہے تھے انہوں نے جو حضرت کو دیکھا اور ان کی ساری حقیقت سنی تو پہچان گئے۔ اور صاف کہہ دیا کہ آپ پیغمبر ہونے والے ہیں جب تک حضرت خدیجہ رضؓ زندہ رہیں پیغمبر صاحب نے دوسرے نکاح کا قصد تک بھی نہیں کیا۔ حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات

کے بعد پیغمبر صاحب نے متعدد بیبیاں کیں جن میں سب سے زیادہ عزیز اور سر برآوردہ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ تھیں۔ رشتے میں ماں اور عمر میں حضرت فاطمہؓ سے بھی چھوٹی اب سے انکار کرنا بداہت سے انکار کرنا اور واقعات کا جھٹلانا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا تعزز تمام ازواج طاہرات پر شاق تھا اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ پر بھی جو اپنے تئیں اپنی والدہ حضرت خدیجہؓ کی جگہ سمجھتی تھیں اور جن کو پیغمبر صاحبؐ کا معاملہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے کانوں کا سُنا اور آنکھوں کا دیکھا سب یاد تھا یہ ہے فی الاصل سنی اور شیعہ کی بنیاد۔ جنہوں نے یہ سمجھا کہ پیغمبر صاحب صلعم کو دُنیا میں حضرت فاطمہؓ کے سوائے کسی کے ساتھ کچھ انس نہ تھا وہ شیعہ ہو گئے باقسام جہم یعنی تفصیلی اور نصیری اور کیا اور کیا خوارج ٹوٹ کر بیبیوں کی طرف داری کرنے لگے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ بی بی۔ بی بی کی جگہ اور بیٹی بیٹی کی جگہ۔ یہاں تک درست ہے۔ مگر آگے چل کر انکار کرنے لگتے ہیں کہ خاندانِ نبوت میں کسی کو کسی سے کسی طرح کا ملال نہ تھا۔ بس سنیوں کی یہ بات دل کو نہیں لگتی میں بھی سُنی ہوں۔ مگر میرے نزدیک پھوٹ اور نااتفاقی بے شک تھی تاہم اس سے اُن بزرگوں کی مذہبی شان میں کچھ بھی فرق نہیں آتا یہ تقضائے بشریت ہے اور کیوں کسی کی دین داری میں بشریت سے بٹا لگنے لگا جب کہ

پیغمبر صاحب نے اپنی شان میں فرمایا ہو۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحیٰ اِلَیَّ ۔ میں بھی تو تم جیسا بشر ہوں فرق صرف اتنا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ غرض اس طول مقال سے یہ ہے کہ جو بے لطفیاں تعدد نکاح کو لازم ہیں خاندانِ نبوت بھی اُن سے محفوظ نہیں رہا۔ دوسرا کس گنتی میں ہے۔ مبتلا۔ اب بھی مجھ کو کون لطف حاصل ہے۔ عارف۔ تم آگ کے جلے ہوئے کو سینکتے ہو یعنی ایک بے لطفی کو دوسری بے لطفی سے دبانا چاہتے ہو۔ مگر ممکن ہے کہ یہ دوسری بے لطفی آخر میں اس پہلی بے لطفی سے زیادہ ہو۔ مبتلا۔ اُس وقت جیسا موقع ہوگا دیکھا جائے گا میں ابھی سے فکر مستقبل کر کے اپنی زندگی کو کیوں تلخ کروں۔ عارف تو اب حقیقت میں تمہاری ملاقات لا حاصل ہے مگر ہیں اتنا کہے دیتا ہوں کہ تم اپنے حق میں اچھا نہیں کرتے افسوس ہے کہ تم نے مجھ کو جناب میر متقی صاحب سے شرمندہ کیا یہ کہہ کر عارف بکمال نارضامندی اُٹھ کر چلا گیا۔

بیسویں فصل مبتلا کا دوسرا نکاح اور اُس کی دوسری بی بی ہریالی کا ماما بن کر گھر میں داخل ہونا اور نکالا جانا اور پھر داخل ہونا

مبتلا کے سر پر اُن دنوں ایسا جن سوار تھا کہ اُس کی عقل ہی

ٹھکانے نہ تھی۔ عارف سے پیچھا چھُڑا وہ پھر بیگم کے گھٹنے سے جا لگا وہ تو پہلے ہی سے اس کے لئے جال پھیلائے بیٹھی تھی جانا تھا کہ اِس پر چھا گئی۔ بیگم بالطبع زیادہ تر اس بات کی طرف راغب تھی کہ مبتلا آشنائی کے طور پر اُس کو گھر میں ڈال لے مگر میر متقی اور عارف کی تعلیم کا مبتلا پر اِتنا تو اثر ہوا کہ اُس نے بے نکاح بیگم کے ساتھ تعلق رکھنے کو پسند نہ کیا پاس تھی مسجد دو طالب العلموں کو بلا بھیجا نکاح پڑھا جانے لگا مہر میں ہوا اختلاف مبتلا نے چاہا مہر شرع محمدی۔ بیگم نے کہا جو غیرت بیگم کا مہر وہ میرا مہر جیسی نکاحی بی بی وہ ویسی نکاحی بی بی ہیں دیر تک اس میں تکرار ہوتی رہی آخر مولوی صاحب جو نکاح پڑھاتے تھے بولے جانے دو مہر مثل رکھو۔ مبتلا تو نیم راضی ہو چلا تھا مگر بیگم مہر مثل کے نام سے جھینپتی تھی کیوں کہ سارے خاندان میں کبھی کسی کا نکاح ہوا ہو تو مہر مثل ہو دادی اور پھوپھیاں ساری عمر خرچیاں کماتی رہیں مہر مثل آئے تو کہاں سے آئے ناچار مہر شرع محمدی ماننا پڑا اور بات یہ بنائی کہ وہ بھی کیا بی بی ہے جو میاں پر مہر کا دباؤ ڈال کر گھر کرے ہم تو بڑا مہر مرد کے دل کو سمجھتے ہیں دل مٹھی میں آیا تو جانو سب کچھ بھر پایا وہ کیا غضب کے داؤ پیچ تھے کہ ادھر پڑھے گئے اور اِدھر فکروں نے آگھیرا۔ بیگم نے نکاح کے بعد پہلی بات جو کہ وہ یہ تھی کہ یہ مکان جس میں مَیں رہتی ہوں تم کو معلوم ہے کہ کرایے کا ہے

اور جتنا ساز و سامان تم یہاں کا دیکھتے ہو یہاں تک کہ میرے ہاتھ
کان کا گہنا اور گلے کے کپڑے کوئی چیز میری نہیں، میری سگی خالہ
میرے ساتھ ہیں یہ سب اُن کا مال ہے اُن کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ
میں نکاح کروں اب جو میں نے اُن کو ناراض کرکے کیا ہے تو
اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے خالہ بندی میرے پاس ٹھیرنے
والی نہیں اور مجھ کو اس وقت کہیں سے چلتے ہو تو میں تیار
ہوں آپنی آپ دو کا پاس کرکے گہنا کپڑا تم بہتیرا پہناؤ گے اور
میں پہنوں گی مگر ابے چلنا ہے تو مجھ کو اپنے یہاں کے کپڑے
پہنا کر لے چلو اور دو چار دن کے لئے یہاں ٹھیرانے کی صلاح
ہے تو جا کر خالہ سے اجازت لو میں اُن کے سامنے نہیں جا سکتی
مبتلا نکاح کے لئے تو بڑا مستعجل تھا مگر احمق نے پہلے سے اتنا
بھی تو نہ سوچا کہ کہاں دوسری بی بی کو لے جا کر رکھوں گا
اور کیوں کر اس نئے گھر کا انتظام ہوگا۔ اب جو دفعتاً اُس کو
معلوم ہوا کہ بیگم بے سر و سامان محض بیک بینی و دو گوش اس
کے سر پڑی تو بہت سٹ پٹایا اور جتنا اختلاط وہ معمولی
ملاقاتوں میں کر لیا کرتا تھا طبیعت کو اُس کے لئے بھی حاضر نہ
پایا یہ حقیقت تھی اُس خواہش کی جس کے پیچھے مبتلا اس قدر
دیوانہ بن رہا تھا کہ دنیا اور دین کچھ اُس کو نہیں سوجھتا تھا اب
ایک ذرا سا تردد پیش آگیا تو کہیں اُس خواہش کا پتہ نہ تھا میر متقی

اور عارف اُس کو یہی تو سمجھاتے تھے کہ کس فکر خسیس میں پڑے ہو فکر کرنے کی باتیں دوسری ہیں عمدہ اونچی اور ضروری اگر اُن میں دل لگاؤ تو اس فکر بے ہودہ سے نجات پاؤ۔ بیگم پر اپنی درماندگی ظاہر کرتے ہوئے تو اُس کو شرم آئی آخر وہ یہ کہہ کر اٹھ آیا کہ ابھی تھوڑی دیر میں بندوبست کرکے تم کو لے چلتا ہوں تیار رہو۔ ایک بات یہ بھی اکثر دیکھنے میں آئی کہ آوارہ اور عیاش مزاج لوگ دھوکا دینے میں بڑے چالاک ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خود ہمیشہ تختۂ مشق مغالطات رہتے ہیں، مبتلا کو بھی عین وقت پر غضب کی سوجھتی تھی جس وقت تک وہ بیگم کے پاس بیٹھا رہا کوئی بات اُس کے ذہن میں نہ تھی اٹھ کر باہر آتا تھا کہ اُس نے اپنے دل میں کہا بیگم کو اپنے ہی مکان میں بلکہ زنان خانہ میں بلکہ غیرت بیگم کے ساتھ رکھنا ٹھیک معلوم ہوتا ہے کیوں کہ یہ بات چھپنے والی تو ہے نہیں آخر کبھی نہ کبھی کھلے گی ضرور پس جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ پرسوں کا ہوتا کل اور کل کا آج ہو چکے یہ دل میں ٹھان وہ گھر کی طرف چلا آرہا تھا کہ راہ میں اُس کو اپنے گھر کی دو عورتیں ملیں۔ ماما۔ ماما کے ساتھ انّا۔ انّا کی گود میں مبتلا کی دودھ پیتی ہوئی دس گیارہ مہینے کی ننھی بچی۔ چور کی داڑھی میں تنکا مبتلا تو سمجھا کہ غیرت بیگم کو نکاح کی خبر ہو گئی اور سنتے کے ساتھ ہی شاید

ناظر کے گھر چلی گئیں۔ اور یہ عورتیں پیچھے سے جا رہی ہیں گھبرا کر پوچھا ماما بولی ننھی بچی کا جی دس بارہ دن سے ایسا ماندہ ہو رہا ہے کہ بخار کسی وقت نہیں اترتا کل شام سے مطلق آنکھ نہیں کھولی اب کے ایسی بھاری نظر ہوئی ہے کہ دوپہر سے دودھ بھی منہ میں نہیں لیتیں۔ منو کل شاہ صاحب کے پاس دم کرانے لئے جاتے ہیں۔ مبتلا سے اور ایک ڈاکٹر سے بہت ملاقات تھی مبتلا لڑکی کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اُس نے دیکھ کر کہا بخار بڑے زور کا ہے مگر کچھ گھبرانے کی جگہ نہیں گلپیاں پھول رہی ہیں مسوڑہ کھولے دیتا ہوں اور شیشی ایک بھیج دینا۔ عرق دوں گا گھنٹے گھنٹے بعد ایک ایک چمچہ پلانا پسینا آ کر تپ اُتر جائے گی اور دودھ تو خدا نے چاہا ابھی پینے لگے گی۔ مسوڑھے کی تکلیف کے مارے منہ نہیں چلا سکتی یہ کہہ کر نشتر نکال مسوڑھا کھول دیا اناّ نے پیٹھ موڑ کر دودھ لگایا تو غٹ غٹ پینے کی آواز آنے لگی سب لوگ خوشی خوشی گھر واپس آئے۔ جب مردانے میں پہنچے تو مبتلا نے لڑکی کو آپ لے لیا۔ یہ تو خیر لڑکی تھی۔ اس سے بڑا لڑکا معصوم ساڑھے تین برس کا ہوا اس بلا کی باتیں۔ جیسے بنگالے کی مینا اور ایسی پیاری صورت کہ کوئی راہ چلتا بھی دیکھتا تو گود میں اٹھا لیتا مبتلا نے کبھی بھول کر بھی آنکھ اٹھا کر اُس کی طرف کو نہ دیکھا بلکہ وہ بچہ جب اُس کو دیکھتا ابا ابا کہہ کر دوڑتا اور یہ

ظالم دور سے اُس کو جھڑک دیا خلاف عادت بیٹی کو گود میں لئے ہوئے جو گھر میں گھسا۔ غیرت بیگم تو دیکھتے ہی ریجھ گئی اور بیٹی کو لینے کے لئے دوڑی اور لگی پوچھنے کہ میں نے تو اس کو دم کروانے کے لئے بھیجا تھا کیا تم اس کو الٹا پھر والائے۔ مبتلا تم کو خبر بھی ہے اس کی کچلیاں نکل رہی ہیں اور کچلیوں کا تو معمول ہے کہ بچے کو کچلا کر کے بڑی مشکل سے نکلتی ہیں۔ میں اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اُس نے نشتر سے اس کا مسوڑہ کھول دیا ہے اور بخار کے لئے عرق دینے کو کہا ہے شیشی بھیج دو ماما جا کر عرق لے آئے خدا نے چاہا آج ہی رات کو بخار بھی اُتر جائے گا اور کچلی تو سمجھو نکل آئی۔ غیرت بیگم۔ اے ہے کیا مسوڑھے کو چیرا لگایا ہے۔ مبتلا۔ کچھ خوف کی بات نہیں انّا سے پوچھو کہ لڑکی کو خبر تک بھی نہیں ہوئی اُسی وقت تو اُس نے خاصی طرح دودھ پیا۔ ڈاکٹر کہتا تھا کہ جب دانت نکلنے کو ہوتا ہے تو مسوڑھا پہلے سے مردار پڑ جاتا ہے اس وجہ سے تکلیف نہیں ہوتی کچھ خدا کو بہتری کرنی تھی کہ عین وقت پر تدبیر ہو گئی ورنہ آج رات بھر میں معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔ غیرت بیگم نے لڑکی کا منہ کھول کر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں بخار بھی کسی قدر ہلکا ہو گیا تھا اور صورت بھی ہوشیار تھی پکارا۔ بتول بتول۔ تو ماں کی آواز پہچان کر آنکھیں کھول دیں اور دیکھ کر مسکرائی بھی ماں نے

پیار کر کے انا کی گود میں دیا تو پھر دودھ پیا یہ دیکھ کر غیرت بیگم بولی کہ ننھے بچوں کی یہی تو بڑی مصیبت ہے کہ آپ تو منہ سے کچھ کہہ نہیں سکتے اوپر والوں کو کیوں کر معلوم ہو کہ ان کو کس بات کی ایذا ہے۔ آنکھوں کا نہ کھولنا اور ڈر ڈر کر اچھل اچھل پڑنا اور ہتیلیوں میں بباندھی بباندھی بو کا آنا ان باتوں کو دیکھ کر یہاں تو سب لوگ یہی کہتے تھے کہ نظر ہو گئی ہے۔ مبتلا۔ ڈاکٹر نے دیکھنے سے پہلے زبانی حال سن کر کہہ دیا تھا کہ کوئی دانت نکل رہا ہو گا پھر جو منہ کھول کر دیکھا تو حقیقت میں دور سے کچلی صاف جھلک رہی تھی۔ غیرت بیگم۔ گھر میں کوئی بڑا بوڑھا ہو تو ان باتوں کا دھیان رکھے بچے ذرا ماندے پڑتے ہیں تو میرے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہتے لو اب مغرب کی اذان یا تو ہو چکی ہو گی یا ہو رہی ہو گی لڑکی کے جھگڑے میں کھانے کا بھی تو کچھ بندوبست نہیں ہوا گوشت کا تو اب وقت نہیں رہا کہو تو خاگینہ پکوالوں۔ مبتلا۔ جو تمہارے جی میں آئے پکواؤ مگر خدا کے لئے کوئی سلیقہ مند عورت ضرور رکھو۔ غیرت بیگم۔ ماماؤں کا تو ہمارے شہر میں ایسا توڑا ہے کہ دوا کے لئے بھی میسر نہیں جو عورتیں اس کام کی ہیں مزے میں گھر بیٹھے گوٹے کناریاں بنتی یا سلائی کا سیتی ہیں۔ نوکری پرائی تابعداری کرے اُن کی بلا اور جن سے یہ کام ہو نہیں سکتا انہوں نے سر پر ڈالا برقع اور جدھر کو منہ

اٹھا چل کھڑی ہوئیں پہر پیچھے گھڑی بھیگ اتنی لدی پھندی گھر لوٹ آئیں۔ مبتلا۔ لیکن میرے نزدیک تم کو ماما کی نہیں بلکہ ایسی عورت کی ضرورت ہے جو بال بچوں کی خبر گیری وقت پر اُن کا ہاتھ مُنہ دھلائے کھانا کھلائے کپڑے پہنائے گھر کی چیز بست دھرے اٹھائے۔ غرض داروغہ کی طرح گھر کے سارے انتظام کی نگرانی کرکے تم کو آسائش پہنچائے۔ غیرت بیگم۔ تم ہی کوئی اس طرح کی عورت ڈھونڈ کر نہیں لاتے۔ مبتلا۔ لادوں تو رکھو گی اور کیا تنخواہ دو گی۔ غیرت بیگم ضرور رکھوں گی اور تنخواہ پانچ روپے اور کھانا کپڑا۔ مبتلا۔ خیر اتنی ہی تنخواہ دینا مگر خاطرداری سے رکھنا لکھنؤ کی ایک عورت ہے خدا جانے کس تباہی میں آکر یہاں چلی آئی ہے اگر پھٹا پرانا ایک جوڑا کپڑا دو تو میں پہنا کر ابھی اُس کو لے آؤں۔ غیرت بیگم نے جلدی سے گٹھری کھول ایک جوڑا کپڑا نکال میاں کے حوالے کیا۔ مبتلا کپڑے لے بیگم پاس پہنچا اور اُس کو سمجھا دیا کہ اس طور پر میں نے تمہارے گھر لے چلنے کی راہ نکالی ہے۔ مجھے اپنی بی بی کا حال معلوم ہے وہ یہی نہیں کہ صورت کی اچھی نہیں بلکہ اُس میں عقل کی بھی کوتاہی ہے صورت تو خیر تم خود چل کر دیکھ لوگی مگر عقل کی کوتاہی اسی سے ظاہر ہے کہ اُس نے عورت کے لانے کی فرمائش کی بھی تو مجھ سے پس تم کو چند روز البتہ بے عزتی کا تحمل کرنا پڑے گا۔ اس کے

بعد مجھے کامل یقین ہے کہ تم گھر والی ہوگی اور وہ رہے گی تو تمہاری خدمت کرے گی یا اپنے میکے چلی جائے گی۔ غرض غیرت بیگم کا اُتارن پہن معزز ماما یا داروغہ کا بھیس بنا بیگم مبتلا کے گھر جا داخل ہوئی بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں کی طرح دبی جھکی سکڑی سمٹی مبتلا کو تو اتنی جرأت نہ ہوسکی کہ خود دے جاکر غیرت بیگم سے ملا دیتا۔ دروازے کے اندر کرا "تنا پکار دیا تو صاحب یہ داروغہ جی آتی ہیں اور آپ مردانے میں جا بیٹھا۔ بیگم نے اپنے تئیں سنبھالا بہت مگر وہ جس قدر اپنے تئیں چھپاتی تھی اُسی قدر اُس کا پردہ فاش ہوتا جاتا تھا۔ آئی تو نوکری کے نام سے اور عورتوں میں بیٹھی دلہنوں کی طرح گھونگھٹ نکال کر۔ رات کا تھا وقت غیرت بیگم نے کہا ذرا روشنی قریب لاؤ تو ان کی صورت اچھی طرح نظر آئے جو غیرت بیگم نے زبردستی اُس کا منہ کھولا دیکھتی کیا ہے کہ ایک عورت ہے جوان ماتھے پر افشاں چنی ہوئی پٹیاں جمی ہوئی اینٹھ بل کی چوٹی اور اس میں چنپا کا موباف کانوں میں چنبیلی کی کلیاں آنکھوں میں دھواں دھار سرمہ مسی کی دھڑی اور دھڑی پر لاکھا ہاتھ پاؤں میں مہندی دور سے خوشبو پڑی مہک رہی ہے۔ غیرت بیگم دیکھتے کے ساتھ اس طرح ڈر کے پیچھے کو ہٹی کہ جیسے کوئی بچہ بھیانے سے بھاگتا ہے اور لگی کہنے اوئی بیوی یہ ماما کس قسم کی یہ تو کوئی نامراد کنچنی ہے۔ پھر تو ہم سائے

تک کی عورتیں گھر میں آ بھریں اور سب نے مل کر بیگم کا ایسا بُرا ہڈرا کیا کہ کوئی ڈوپٹا اتارے لئے جاتا ہے کوئی پیچھے سے چوٹی گھسیٹ رہا ہے اگر ذرا بھی بیگم وہاں اور رہے تو لڑکیاں اُس کی بوٹیاں نوچ کر کھا جائیں مگر کسی رحم دل بی بی نے اُس کا ہاتھ پکڑ باہر ڈیوڑھی میں لے جا کر چھوڑ دیا اور کہا بیوی بنّو جدھر سے آئی ہے ادھر ہی کو چلی جاؤ تو گھر والی دل کی بڑی نیک ہے کوئی اور تیری کی ہوتی تو بے ناک چوٹی کاٹے نہ رہتی۔ مبتلا ڈیوڑھی کے بازو سے یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا۔ کچھ ہنسی کچھ غصہ بیگم کو دیکھتے ہی بولا واہ اچھی اپنی گت کرائی باوجودے کہ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ میں تم کو نوکری کے چلے سے لئے چلتا ہوں پھر تم کو ایسا بن سنور کے آنا اور اتنا لمبا چوڑا پردہ لگانا کیا ضرور تھا سیدھے سبھاؤ چلی آئی ہوتیں نہ کسی کو شبہ ہوتا اور نہ چراغ لے کر کوئی تمہارا منہ دیکھتا خیر اب ذرا کی ذرا ٹھیرو پھر میں ٹپس جماتا ہوں مگر دیکھو خبردار کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں کو میرے تمہارے لگاؤ کا شبہ ہو مبتلا نے گھر کے اندر پاؤں رکھتے ہی پوچھا لڑکی کا کیا حال ہے۔ انا بولی اب تو اللہ کا فضل ہے دو بار عرق پلایا اس قدر پسینا آیا کہ شام سے تین کرتے بدل چکی ہوں۔ مبتلا۔ بس انشاء اللہ اب بخار اتر گیا بارے الحمد للہ بچ گئیں (بیوی کی طرف مخاطب ہو کر) لاؤ صاحب کھانا

تیار ہو تو منگواؤ۔ دسترخوان بچھا عادت کے مطابق میاں بی بی کھانا کھانے بیٹھے تو مبتلا نے پوچھا کیوں صاحب وہ عورت آئی تھی؟ غیرت بیگم۔ واہ! چوری اور سرزوری آج کو بڑے ماموں جان زندہ ہوتے تو الٹے استرے سے مردار کا سر منڈوا کر بھی بس نہ کرتے اور تم کو تو اپنی لاج کا لحاظ نہ پاس۔ آج کیا برسوں سے نہیں بڑے ماموں جان کی زندگی تک چوری چھپے کرتے تھے وہ مرے تم کھل کھیلے۔ مردانہ مکان تو مدتوں سے کنچنیوں کا چکلہ ہو رہا ہے ایک زنانہ مکان بچا تھا سو میں خوب جانتی ہوں کہ تم اس کی تاک میں لگے ہو مگر جب تک میں زندہ بیٹھی ہوں دیکھوں تو کون رستم کی جنی میری ڈیوڑھی کے اندر پاؤں رکھتی ہے اپنا اس کا خون ایک کردوں تو سہی۔ مبتلا۔ بے وجہ بے سبب تم اس قدر کیوں گرم ہوتی ہو بھلا اتنا تو سمجھو اگر وہ کنچنی ہوتی اور فرض کرو کہ مجھے اس کو بلانا منظور ہوتا تو مردانہ ہوتے ساتے مجھ کو اس کے گھر میں لانے کی کیا ضرورت تھی ایک اور دوسرے خدا عقل دے تو سمجھنے کے لئے ایک موٹی بات یہ ہے کہ تمہارے مانگے کے کپڑے پہن کر کیوں آتی۔ غیرت بیگم۔ کپڑا اور گہنا تو بے شک اس کے پاس نہ تھا مگر سر سے پاؤں تک چونتھی کی دلہن معلوم ہوتی تھی مبتلا

لہ مبتلا کے والد میر متہذب ۱۲

تم کو چاہئے تھا کہ مجھ کو بلا کر پوچھتیں اگر میں تمہاری تشفی نہ کرسکتا
تب بھی اُس بیچاری کا کیا قصور تھا مجھ پر جتنا چاہتیں خفا ہو لیتیں۔
بات یہ ہے کہ حقیقت میں وہ آج شاموں شام تک کنجنی تھی مگر میں
اس کو ایک مدت سے جانتا ہوں ہمیشہ یہ مجھ سے کہا کرتی تھی کہ مجھ کو
اس پیشے سے سخت نفرت ہے اگر کہیں میری روٹی کا ٹھکانا لگ
جائے تو میں تائب ہو جاؤں۔ جب تم نے نوکر رکھنے کا وعدہ کیا تو
میں نے اُس کو زبان دی اور وہ ارادے کی ایسی پکی اور سچی
تھی کہ فوراً میرے ساتھ ہو لی۔ اور پھر کس طرح پر کہ گہنا اور پاتا
اور کپڑا اور لتا اور ساز و سامان یعنی بھرا بھرایا گھر سب کو
لات مار کر جس طرح بیٹھی تھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے بے
شک جھک مارا اور میرا بال بال خدا کا اور تمہارا گنہگار ہے
مگر جس دن سے چچا باوا تشریف لائے تم میری کوئی ایک بات
بتاؤ اور یوں اگر تمہارے مذہب میں تو یہ کچھ چیز نہیں اور ناحق
بدگمان رہو تو تمہاری خوشی بھلا تم نے چند روز تو اس بے چاری
غریب کو رکھ کر دیکھا ہوتا جو شخص آٹھوں پہر آنکھوں کے سامنے
رہے اُس کا حال آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ضرور
کھلے گا پر کھلے گا۔ نوکر سر پر نہیں ہے کہ جھٹ جانے
مرضی ہوئی رکھا مرضی نہ ہوئی نہ رکھا مگر چونکہ میرا
قدم درمیان میں ہے میں تم سے بات کہوں صاف

یوں بے خطا بے قصور تو میں اس کو اِدھر میں نہیں چھوڑ سکتا
تم ہی بتاؤ کہ اب وہ جائے تو کہاں جائے۔ غیرت بیگم۔ ابھی
کچھ ہاں نا کرنے نہیں پائی تھی کہ مبتلا نے کہا جا ماما جا باہر
ہریالی ایک عورت کھڑی ہے اُس کو بُلا لا۔ اور کام کاج میں
اُس سے مدد لیا کر۔ غرض ہریالی نکالی جا کر پھر آ موجود ہوئی۔ رات
گئی تھی زیادہ لوگ کھانا کھا پی کر اپنی اپنی جگہ سو سُلا رہے ہریالی
بھی تخت پر بے تکیے بے بچھونے ماماؤں میں سوئی صبح کو جو اُٹھے
تو پھر لوگوں نے ہریالی کو گھورنا شروع کیا۔ مگر اب اُس کا
سنگار ہو گیا تھا باسی اور تمام شب کی بدخوابی اور زحمت کی
تکان سے اُس کا جوبن بھی نڈھال ہو رہا تھا۔ لوگوں نے کچھ بہت
اُس کا پیچھا نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ گھر میں ایک منتظم عورت
کی سخت ضرورت تھی اور یہی ضرورت ہریالی کے پاؤں جم جانے
کا سبب ہوئی۔ ہریالی نے جو صبح سویرے اُٹھ کر دیکھا تو تمام
اسباب مولی گاجر کی طرح سارے گھر میں پھیلا پڑا ہے اُس نے
خود کھڑے ہو کر جہاں جہاں فرش تھا اُٹھوا کر دالانوں میں
کوٹھریوں میں صحنچیوں میں دروں میں یا درچی خانے میں یہاں
تک کہ ڈیوڑھی میں جھاڑو دلوائی لوٹ کر دوں کوڑا نکلا اور بہت
سی گری پڑی چیزیں ملیں جن کو ڈھونڈ ڈھونڈھ صبر کر کے
بیٹھ رہے تھے اور سمجھ لیا تھا کہ کھوئی گئیں مٹی کی تھیں

جُھتے جُھتے دریوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اصلی رنگت پہچان نہ پڑتی تھی۔
جھڑوایا تو منوں گرد۔ دروازوں میں جو چلمنیں اور پردے بندھے
تھے اُلٹے سیدھے کا تو کس کو امتیاز تھا۔ کوئی اُدھر تک بندھا
ہے تو کوئی آدھے در میں پڑا لٹک رہا ہے اور کسی کا ایک طرف کو
جھک کر نکل پڑا ہے تو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اس کو برابر کر دیں
بلکہ کئی پردوں میں سے تو فاختاؤں اور جنگلی کبوتروں اور گلہریوں
کے گھونسلے نکلے۔ گھر میں تخت تو بہتیرے ہیں مگر بیٹھنے کے دالانوں
میں زمین پر بوریے بچھے ہیں بوریوں پر دریاں دریوں پر چاندنیاں
لونڈیاں اور مامائیں ہیں کہ بے تکلف مٹی اور کیچڑ کے ننگے ننگے پاؤں
چاندنیوں پر لئے پھرتی ہیں۔ اور چاندنیوں کا مارے دھبوں اور
چکٹوں کے یہ حال ہو رہا ہے کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کو جی نہیں
چاہتا۔ صبح سے کھڑے کھڑے ہریالی کو دوپہر ہو گئی۔ تب
کہیں جا کر اتنا کام ہوا کہ گھر میں جھاڑو دی گئی دالانوں میں
اس حساب سے تخت بچھوائے کہ بیچ میں فرش اور ادھر
اُدھر ماماؤں اور لونڈیوں کے چلنے پھرنے کی جگہ اب چاندنیوں
اور تکیوں کے غلاف اور پلنگوں کی چادروں کی ڈھنڈیا پڑی
قاعدہ ہے کہ جب چیزوں کا انتظام نہیں ہوتا تو یہی شناخت
ہے کہ چیزوں کی حفاظت بھی نہیں۔ اتنا بڑا گھر اور اس
وقت دھوئی ہوئی تین چاندنیاں درکار تھیں وہ بھی نہیں ملتی تھیں

غیرت بیگم نے بہتیرے پیتے بتائے ارے کمبختو ابھی ہفتے عشرے کا ذکر ہے دھوبن چاندنیوں کا گٹھر لائی وہ سب ڈھیر کا ڈھیر کیا ہو گیا۔ لٹھے کی وہ کوری چاندنی جو بیچ کے دالان میں بچھی تھی اور پرسوں اترسوں اُس پر سالن کی دیگچی مبارک قدم کے ہاتھ سے اُلٹ پڑی تھی اور میں نے صاف کرنے کے لئے اُٹھوادی تھی کہاں ہے۔ جتنی کھڑی تھیں ایک ایک کا مُنہ دیکھتی تھیں ایک ایک کا مُنہ دیکھتی تھی اور ایک ایک پر ٹالتی تھی آخر بڑی مشکل سے دو چاندنیاں اناج کی کوٹھری میں مچان پر پڑی ملیں جن میں چوہوں نے کاٹ کاٹ کر بغارے ڈال دیئے تھے۔ اور ایک میں کسی ماما نے سوکھے ٹکڑے باندھ کر کھونٹی میں لٹکا رکھے تھے اسی جستجو میں معلوم ہوا کہ کئی چاندنیاں باہر سائیس کے پاس ہیں وہ اوڑھ کر سوتا ہے۔ دو یا تین چاندنیاں کسی کو مانگے دی تھیں وہ واپس نہیں آئی ہیں۔ میلی چاندنیوں کا ایک ڈھیر غسل خانے میں پڑا ملا۔ غرض اس وقت تو ہریالی نے کسی طرح گونتھ گانتھ کر فرش کو پورا کیا۔ پلنگ سب کے سب جھولا ہو رہے تھے۔ اُن کو کسوا کر اُجلی چادریں بچھوا دیں تکیوں کے غلاف بدلے اجلا دستر خوان نکلوا دیا اتنے میں معلوم ہوا کہ میاں (مبتلا) کھانے کے لئے آ رہے ہیں ہریالی یہ سن کر سامنے سے ٹل باورچی خانے کی آڑ میں ہو گئی۔ مبتلا نے

آ کر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں گھر کی صورت بدلی ہوئی تھی سمجھا کہ یہ سب ہریالی کے تصرفات ہیں۔ دالان میں بیٹھ کر کھانا مانگا تو باورچی خانے سے دو لونڈیاں سالن کی دو دو رکابیاں لے کر چلیں پیچھے سے ایک ماما ہاتھ میں روٹیوں کی تھئی اٹھا کر دوڑی۔ ہریالی سے نہ رہا گیا عین وقت پر ہو کیا سکتا تھا مگر خیران جاتیوں کو روک کر جلدی جلدی تھالی جوڑ پانی پینے کی صراحی سینی سلپچی خاص دان اُگال دان سب چیزیں منگوائیں سینی کے بیچ میں روٹی گرداگرد سالن کی رکابیاں جما اوپر سے خوان پوش ڈھک ایک لونڈی کے سر پر رکھوا سمجھا دیا کہ دیکھ خبردار آگے دیکھ کر آہستہ آہستہ چلیو کہیں ٹھوکر نہ لگے۔ اور دوسری لونڈی کو سلفچی آفتابہ اُجلا دسترخوان دے کر اُس کے ساتھ کیا کہ پہلے تخت کے نیچے کھڑی رہ کر میاں بی بی دونوں کے ہاتھ دُھلائیو جب ہاتھ دُھو چکیں سلفچی آفتابہ الگ رکھ کر دونوں کے بیچ میں اُجلا دسترخوان بچھا دیو اور سینی احتیاط کے ساتھ اُتروا کر روٹیاں بیچ میں رکھیو دو قسم کا سالن ہے دونوں کے سامنے دونوں قسم کا رکھ دیجیو تھالی جوڑا اور پانی پینے کی صراحی پیچھے سے بھجواتی ہوں جب مانگیں تو خبردار آدھے کٹورے زیادہ بھر کر نہ دینا اور پانی جو پلانا جھک کر کٹورا آگے کر دینا کہ خود اپنی آنکھ سے

دیکھ لیں اور خالی منہ کے نیچے رکھتا کہ پانی کپڑوں پر گرنے نہ پائے۔ گھر میں چٹنی آچار مربّا سبھی کچھ تھا مگر دستر خوان پر رکھنے کا دستور نہ تھا جس کسی کو کبھی کسی چیز کا خیال آگیا اور منہ پھوڑ کر مانگی تو مرتبان یا اچاری اُس کے پاس لے جا کر ہتھی پر ایک پھانک رکھ دی۔ ہریالی نے چار قسم کی چار پیالیاں ایک رکابی میں لگا کر ابھی کھانا شروع نہیں کرنے پائے تھے کہ پہنچا دیں۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھ دھونے کو گرم پانی کا آفتابہ اور ایک ملشری میں بیسن کھانے کو خاص دان میں بھیگی ہوئی صافی سے لپٹی ہوئی گلوریاں پہلے سے تخت پر رکھوا دیں۔ یہ تو ہریالی کے پہلے دن کے بلکہ پورا دن بھی نہیں دوپہر کے اور جلدی کے کام تھے۔ مہینے بھر کی محنت میں اُس نے کپڑے کا کھانے کا سامان خانہ داری کا اندر باہر دونوں جگہ کے نوکروں کا بازار کے سودے سلف کا سب انتظام کر دیا۔ سلیقہ بھی عجب چیز ہے اندر باہر عورت مرد جتنے نوکر تھے آپ سے آپ سب ہریالی کا ادب کرنے لگے۔ معصوم ایسا ہلا کہ دن رات میں ایک دم کے لئے گود سے نہیں اُترتا تھا۔ بتول کی کیا بساط تھی کیسی ہی پھڑکتی ہو آواز سنی اور چکی ہوئی غیرت بیگم کے دل میں اس کی طرف سے شک تو تھا مگر ہرچند

توہ لگائی کوئی بات نہ پکڑ پائی۔ مبتلا کے گھر میں آنے کے وقت مقرر تھے ہریالی ان وقتوں میں اِدھر اُدھر کسی نہ کسی بہانے سے ٹل جاتی تھی اور اگر احیاناً بضرورت سامنے چلی پھری بھی، تو ایک دوسرے سے ایسے بے رُخ بن جاتے تھے کہ تعلق کیسا گویا جان پہچان تک بھی نہیں مگر خدا جانے دونوں کو کیا ڈھب یاد تھا۔ کہ اتفاقی اُٹھتی ہوئی ایک نگاہ ان کے حق میں خلوت کا حکم رکھتی تھی نہیں معلوم مبتلا آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا کہہ دیا کرتا تھا کہ ہریالی برابر سرگرمی اور دل سوزی کے ساتھ گھر کے انتظام میں مصروف رہتی تھی۔ سچ ہے غیرت بیگم کے ساتھ مبتلا کے دل کے نہ ملنے کا بڑا سبب تھا۔ مبتلا کی حُسن پرستی اور آوارگی۔ مگر اتنا قصور تو غیرت بیگم کا بھی ضرور تھا کہ اُس نے مبتلا کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ذرا بھی کوشش نہیں کی وہ سمجھی جیسا کہ گھر کی بیبیاں اکثر سمجھا کرتی ہیں کہ جب ماں باپ نے میاں کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیا تو بس مجھے اپنی طرف سے کچھ کرنا نہیں اب میاں کا کام ہے کہ کما کر لائے اور مجھے کھلائے پہنائے میری خاطرداری و مدارات کرے لیکن اُس کو اتنی بات اور سمجھنی چاہیئے تھی کہ کھانا پہنانا خاطرداری و مدارات کرنا سب چیزیں متفرع ہیں۔ رغبت پر رغبت کرنا میاں کا کام ہے اور دلانا بی بی کا رہی یہ بات کہ بی بی

کیوں کر میاں کو رغبت دلائے اس کے لئے ایسا کوئی قاعدہ
نہیں کہ ہر جگہ چل سکے کیونکہ ہر ایک کا مزاج مختلف اور ہر
شخص کی رغبت جدا۔ لیکن بی بی اگر چاہے تو اُس کو اپنے میاں
کی رغبت کا معلوم کر لینا کیا مشکل ہے مثلاً غیرت بیگم اتنا تو دیکھتی
تھی کہ مبتلا کیسی صفائی اور کس شان کے ساتھ رہتا ہے وہ ہر چیز
میں حُسن چاہتا تھا خیر حُسن صورت مبتلا کی پسند کے لائق تو اختیاری
بات نہ تھی مگر جس قدر اختیاری تھی غیرت بیگم نے اُتنی ہی کر کے
دکھائی ہوتی۔ گھر کی صفائی ستھرائی ساز و سامان کی درستی،
انتظام کی خوبی یہ چیزیں بھی داخل حسن ہیں اور طبیعت میں سلیقہ
ہو تو ہاتھ پاؤں کے اور غیرت بیگم کی تو زبان کے ہلانے سے
سب کچھ ہو سکتا تھا مگر اُس نے ان چیزوں کی طرف کبھی بھول کر
بھی توجہ نہ کی۔ مردانے مکان میں میاں کی بیٹھک تھی اُسی کو دیکھ کر
متنبہ ہوئی ہوتی اُس کا ایسا کیا حال تھا کہ میاں کو جو شروع شروع
میں اپنی طرف سے بے رُخ پایا تو تین تین چار چار دن سر میں
کنگھی ندارد لونڈیوں کے تقاضے سے دسویں پندرھویں سر
دھویا ہے تو بالوں میں تیل کی خبر نہیں پھولے پھولے رُوکھے
بال دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گرگٹ مُرغی بیٹھی ہے آنکھوں
میں سرمہ نہیں ہاتھ پاؤں میں مہندی نہیں پھول نہیں عطر نہیں گوٹہ
نہیں کناری نہیں غرض عورتوں کے سنگھار کی کوئی

چیز نہیں ۔ مبتلا کو پہلے استکراہ تھا غیرت بیگم کی بے تدبیروں نے استکراہ کو نفرت اور نفرت کو ضد اور ضد کو چڑ بنا دیا .... صورت شکل میں ہریالی کچھ غیرت بیگم سے زیادہ اچھی نہ تھی مگر چھپا نمک بھر حُسن ہوتا ہے تو غور و پرداخت سے دیکھنے والوں کی نظر میں سیر بھر جچنے لگتا ہے سو غور و پرداخت کے عوض غیرت بیگم تو یہ چاہتی تھی کہ اُبٹنے کی جگہ تھوڑی سی کیچڑ ملے تو اُٹھا کر مُنہ پر مل لوں ۔ میاں بی بی میں جب اختلافِ مزاج اس درجہ کا ہو تو اُن میں صحبت برآر ہونے کی کیا امید ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھاتی پر مونگ دلنے کے لئے آخر ایک سوکن تو آموجود ہوئی ۔ ہریالی کا انتظام دیکھ کر غیرت بیگم کا پھوہڑ پن مبتلا کے دل میں اور بھی ببجھتا چلا جاتا تھا ۔

اکیسویں فصل غیرت بیگم پر اپنی سوکن ہریالی کے راز کا فاش ہونا اور اُس کا سوکن کو مارنا اور آخر کار سیّد حاضر کا بیچ بچاؤ اور فیصلہ کرنا

معلوم نہیں مبتلا کو کب تک ہریالی کا اس نمط پر رکھنا منظور تھا

کہ ایک دن گھر میں باہر سے یہ اطلاع پہنچی کہ ایک بوڑھی عورت نوکری کی جستجو میں آئی ہے اگر حکم ہو تو اندر بھیج دیں۔ انتظام خانہ داری تو سب ہریالی کے ہاتھ میں تھا۔ غیرت بیگم نے ہریالی سے پچھوایا ہریالی کسی کوٹھری میں خدا جانے کس کام میں مصروف تھی اُس نے وہیں سے کہا کیا مضائقہ غرض وہ عورت اندر آ کر سیدھی غیرت بیگم کے پاس جا بیٹھی اور لگی کہنے کہ میں تو ہریالی بیگم پاس آئی ہوں جن کو تمہارے میاں نکاح پڑھوا کر نکال لائے ہیں۔ مدت سے میں ان کے یہاں اوپر کے کام پر نوکر تھی۔ بیگم کو تو نکلے ہوئے تین مہینے ہونے آئے میں اِن کی خالہ کے پاس رہی آج یہ آٹھواں دن ہے کہ وہ بھی لکھنؤ سدھاریں میں نے کہا چلوں اگر بیگم پھر رکھ لیں تو میں اُن کے مزاج سے واقف ہوں وہ مجھ کو جانتی پہچانتی ہیں۔ اَن جان جگہ تابع داری کرنی کیا ضرور کیا وہ اس گھر میں نہیں رہتیں۔ غیرت بیگم نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ تم جن کے پاس آئی ہو وہ سامنے والی کوٹھری میں ہیں وہ عورت اُٹھ کر کوٹھری کی طرف چلی دروازے تک پہنچی، تھی کہ اتنے میں غیرت بیگم بے خود ہو کر بگولے کی طرح اُٹھی اور وہ عورت بھی ہریالی سے بات بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ اُس نے پہنچ کر بے چاری بڑھیا کو اوندھے مُنہ ہریالی پر ڈھکیل دیا اور کہا کہ تم نے دیکھا یہ ہریالی نہیں گھر والی ہے یہ بی بی ہے یہ میری سوکن ہے

میں رانڈ ہوں یہ سہاگن ہے میں لونڈی ہوں یہ بیگم ہے میں چڑیل ہوں یہ حور ہے یہ میاں کی لاڈو ہے یہ میاں کی چہیتی ہے یہ میاں کے کلیجے کی ٹھنڈک ہے۔ یہ کہتی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ہزارہا گالیاں اور سیکڑوں کوسنے اور دوہتڑ تھا کہ باری باری سے اس شامت کی ماری بڑھیا اور ہر یالی پر اور اپنے آپ پر بھی اس زور پڑ رہا تھا کہ گویا مزدور سڑک کوٹ رہے ہیں گھر میں بہتیری لونڈیاں اور ماما ئیں تھیں مگر سیدانی کا جلال دیکھ کر کسی کی ہمت نہ پڑ سکی کہ کوٹھری کی طرف رُخ کرے سب کی سب بدحواس ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ ہمسائے کی عورتیں کوئی کھڑکیوں میں سے کوئی دیوار پر سے کھڑی جھانکتی تھیں پر کسی سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ گھر کے اندر قدم رکھے مبتلا کو دکھلوایا تو وہ بھی اس وقت کہیں باہر گئے ہوئے تھے مردانے میں ٹٹروں ٹوں اکیلا وفادار اس کو اور تو کچھ نہ سوجھی گھوڑا تو دروازے پر بندھا ہوا تھا ہی مُنہ میں لگام دے ننگی پیٹھ پر سوار ہو بگ ٹٹ[1] سیدھا پہنچا کچہری میں سید ناظر کے پاس ناظر اُسی گھوڑے پہ چڑھ دھم سے آموجود ہوئے اور اتفاق سے سید حاضر بھی کسی ضرورت سے دو تین دن کے لئے آئے ہوئے تھے۔ کچہری سے اُن کے پاس بھی آدمی دوڑا دیا کہ آپ بھی جلد آئیے غرض سید حاضر اور مبتلا بھی آگے پیچھے پہنچ گئے۔ غیرت بیگم سید ناظر کے آنے سے

---

[1] یعنی ایسے زور سے گھوڑے کو دوڑایا کہ باگ ٹوٹ جائے تو عجب نہیں ۱۲

پہلے کھڑی اور پڑی انتا پیٹی، انتا پیٹی کہ آخر اُس کو غش آ گیا ناظر جس وقت پہنچا ہے تو وہ بالکل بے ہوش پڑی تھی ناظر نے آتے کے ساتھ اُس کو ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کیں سید حاضر اور مبتلا دونوں آ گئے ہیں اُس کے بہت دیر بعد غیرت بیگم کو ہوش آیا۔ سب سے زیادہ چوٹ غیرت بیگم ہی کو لگی تھی کہ اُس نے پیٹ پیٹ کر اپنا سارا بدن چوری کی طرح نیلا کر لیا تھا۔ ہریالی کی بھی کُندی خوب ہوئی مگر اُس کو گجّی مار لگی تھی۔ بڑھیا ہریالی اور کوٹھری کی دیوار کے بیچ میں آکر بچ گئی مگر وہی مثل ہے کہ مرغی کو تکلے ہی کا گھاؤ بہت ہوتا ہے دو تین دو ہتّڑ جو اُس پر جمتے ہوئے بلبلا گئے وہ اُتنے ہی میں سسکیاں لینے لگی اگر ناظر نہ ہو تو کوتوالی والے کیا اس مقدمے کو بے چالان کئے رہیں۔ توبہ توبہ اور اگر حاضر نہ ہو تو ناظر اور مبتلا آپس میں کٹ مریں۔ پانچ چھے دن تو بیماروں کی دوا دارو ہوتی رہی باندھنے کے موقع پر آنبا ہلدی کا حلوا پکا پکا کر باندھا سیکنے کی جگہ پُرانے روڑا اور رہ سے سینکا۔ پھٹکری کو دودھ میں جوش کر کے پلایا۔ اب کیا باقی رہ گیا تھا جس کے لئے مبتلا کو ہریالی سے ملنے میں تامل ہوتا۔ حاضر ناظر بہن کی خدمت گزاری لگے تھے۔ اور مبتلا کھلم کھُلّا ہریالی اور اُس بُڑھیا کی بار سے جب سب کے ہوش و حواس درست ہوئے تو لگے اپنی اپنی جگہ صلاحیں کرنے مبتلا اور ہریالی

۱؎ اندرونی

کی تو یہ مصلحت تھی کہ اب اسی گھر میں برابری کے داعئے سے رہنا اور جلنتوں کو خوب جلانا اُدھر حاضر ناظر غیرت بیگم کے آپس ہی میں پھوٹ تھی ناظر کہتا تھا کہ ابھی لگے ہاتھ پہلے تھانے میں اطلاع لکھوا کر ایک دم سے تین نالشیں تو فوجداری میں داغو مداخلت بیجا کی ہریالی پر اور ضرر رسانی اور اپنے اور دونوں بچوں کے نفقے کی مبتلا پر اور ایک دعوے مہر کا کاغذ کامل القیمت پر دیوانی میں دائر کرو۔ غیرت بیگم معاملے مقدمے کو تو کچھ سمجھتی بوجھتی نہ تھی وہ اپنی اسی ایک بات پر اڑی ہوئی تھی کہ مجھ کو ستید نگر پہنچاؤ نہیں تو افیون کھاتی ہوں سید حاضر تھا میر منشی صاحب کے خوشہ چینوں میں اور بات کے انجام کو سوچتا تھا اُس کی یہ رائے تھی کہ نہ تھانے میں اطلاع لکھواؤ نہ سرکار دربار میں کسی طرح کی نالش فریاد کرو نہ ستید نگر جاؤ نہ افیون کھاؤ صبر کر کے چُپ چاپ گھر میں بیٹھی رہو سوکن کا آنا تمہاری تقدیر میں تھا سو ہوا اب تمہارے شور و فساد سے بہت ہوگا تو شاید اس گھر سے نکل جائے مگر تم اپنے میاں کو اُس کے چھوڑ دینے پر مجبور نہیں کر سکتیں تم جو سید نگر جانے یا افیون کھانے کو کہتی ہو یہ تمہاری نامراد سوکن کی عین مراد ہے ناظر بھائی نے جو تدبیر بتائی اُس کا خلاصہ ہر لڑائی اور لڑائی کا ضروری نتیجہ ہے نقصان اور زردد اور فضیحت اور رسوائی۔ اب تو سوکن کے آنے سے تم کو صرف ایک خیالی تکلیف پہنچی ہے اور تم افیون کھانے کو موجود ہو لڑائی کی صورت

ہیں بہت سی واقعی تکلیفیں ایسی پیش آئیں گی کہ شاید تمہارے ساتھ مجھ کو اور ناظر بھائی کو بھی افیون کھانی پڑے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوکن کے آنے پر تم اس قدر آپے سے باہر کیوں ہو گیا سوکن تم پر آج آئی ہے تمہارا تو بیاہ ہولیے پیچھے اور سوکنیں تمہارے بیاہ سے بہت پہلے کی آئی ہوئی موجود تھیں کیا تم ہی بتاؤ کہ مبتلا بھائی کس دن بے سوکن کے رہے۔ ہمارا استبد اگر جانتا ہے کہ میں نے تمہاری منگنی کے وقت بہتیرا غل مچایا مگر میری سنتا کون تھا۔ میں تو تمہارے نصیبوں کو اسی دن رو چکا جس دن تمہاری بات ٹھیری۔ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے ورنہ میں تو حقیقت میں اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا کہ مبتلا بھائی نے نکاح پڑھا لیا اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ انھوں نے آوارگی سے توبہ کی وہ کوٹھوں کوٹھوں سرباز ار خدائی خوار پڑا پھرنا بہتر یا ایک کا ہو رہنا اور اس کو اپنا کر لینا بہتر تم کیسی مسلمان ہو کہ ایک شخص جب تک خلاف شرع چلتا رہا تم نے ہوں تک نہیں کی۔ اس کا طریقہ شریعت پر آنا تھا کہ تمہارے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی ہم تو بھائی ایسے دین و ایمان کے قائل نہیں۔ بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ مبتلا بھائی نے تمہارا بڑا لحاظ کیا کہ نکاح کو تم سے چھپایا اور تمہاری خاطر سے بی بی کو ماما بنایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم پردہ فاش نہ کرتیں تو مبتلا بھائی اس عورت کے ساتھ

اپنے معاملہ کو اسی طرح دبا دبایا رہنے دیتے مگر تم نے بیٹھے بٹھاتے سوتی ہوئی بھڑوں کو جگایا اُن کو حیلہ ہاتھ آیا اب اگر وہ اس عورت کی اور بڑھیا کی دل جوئی نہ کرتے تو سارا گھر کھچا کھچا پھرتا میں نے تو جس وقت آکر بڑھیا کو دیکھا ہے تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرے تو ہوش اُڑ گئے تھے۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف چہرے کی رنگت متغیر ہیں تو سمجھا خدا جانے کہاں بے موقع صدمہ پہنچا کہ اس کا سانس پیٹ میں نہیں سماتا پوچھو میاں ناظر سے اخباروں میں کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی گورے نے ایک قلی کو تھپڑ کھینچ مارا یا ٹھکرا دیا اور قلی فوراً مر گیا۔ غیرت بیگم تم نے یہ بڑی سخت بے جا حرکت کی اور اگر تم اس طرح دست درازی کرو گی تو یقین جانو تم اپنی تو اپنی ایک نہ ایک دن سارے خاندان کی ناک کٹوا دو گی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے چند بدنصیب بندے یعنی لونڈیاں جو تمہارے اختیار میں ہیں تم حق ناحق اپنا غصہ اُن پر نکالتی رہتی ہو یہ بے چاریاں تمہارا کچھ کر نہیں سکتیں ہاتھ چھوٹا ہوا، طبیعت بڑھی ہوئی، تم سمجھیں کہ سب جانور ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جاتے ہیں سوکن اور بڑھیا دونوں کو اُٹھا کر پیٹ ڈالا گویا وہ تمہاری لونڈی ہے۔ اور یہ تمہاری باندی۔ نہ تو خدا نے اتنی خبر کی کہ بڑھیا مری نہیں اور اِدھر عین وقت پر آ پہنچے میاں ناظر کہ

اُن کے ملاحظے سے کوتوالی والوں نے خوب نقاب کر دی ورنہ ساری شیخی کر کری ہو جاتی کہ سادات سیّد نگر کی بیٹی میر مہذب کی بہو کی ڈولی کوتوالی چبوترے پر دھری ہوتی۔ صد آفریں ہے تمہاری سوکن پر ہے تو ذات کی کنجنی مگر بڑی ضبط کی آدمی ہے کہ تم سے کہیں زبردست معلوم ہوتی ہے مگر چپکی مار کھایا کی۔ اور اُلٹ کر اُف تک نہ کی کیوں غیرت بھلا جیسا تم نے اس کو مارا تھا اگر وہ بھی برابر سے مارتی تو تمہاری عزت تو دو کوڑی کی ہو جاتی مگر اتنا فائدہ ضرور ہوتا کہ پھر تمہارا ہاتھ کسی پر نہ اُٹھتا سید حاضر نے ناظر اور غیرت بیگم کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ دونوں کو کچھ جواب نہ بن پڑا۔ اور دونوں اپنا اپنا سا منہ لیکر رہ گئے آخر ناظر بولا کہ آپ ہم دونوں سے بڑے ہیں۔ جو کچھ آپ کے نزدیک مناسب ہو ہم اس کی تعمیل میں نہ مجھ کو عذر ہے اور نہ آپا کو یہ معاملہ ناموس کا ہے اور بھائی بہنوں کی ناموس کچھ جُدا جُدا نہیں ہوتی اس میں رتی برابر فرق نہیں کہ آپ جو کچھ کرینگے آپا کے حق میں بہتر ہی کرینگے۔ سیّد حاضر نے کہا تو بس مجھ کو مبتلا بھائی سے دو دو باتیں کر لینے دو۔ انشاء اللہ میں کوئی ایسی راہ نکالونگا کہ دونوں میاں بی بی میں صفائی ہو جائے ایسا موقع تاک کر کہ مبتلا مردانے میں اکیلا تھا سید حاضر خود اس کے پاس گئے جس وقت سے گھر میں یہ واردات ہوئی تھی، حاضر اور ناظر دونوں کی طرف سے بُرے ہی

بُرے خیالات مبتلا کے دل میں گزرتے تھے۔ اس کو ساری عمر کبھی کچہری جانے کا اتفاق نہیں ہوا بس کچہری کے نام سے اس کا دم فنا ہوتا تھا اور حاضر ناظر دونوں کو خصوصًا ناظر کو کچہری ایسی تھی جیسے مچھلی کو تالاب، مویشی کو تھان۔ پرند کو گھونسلا۔ عورت کو میکا۔ باوجودے سرتاسر قصور غیرت بیگم کا تھا مگر مبتلا الٹا چور کی طرح سہما جاتا تھا کہ دیکھئے یہ بھائی بہن کئی کئی دن سے کمیٹیاں کر رہے ہیں کیا فساد کھڑا کرتے ہیں اس کے دوست آشناؤں میں بھی کسی کسی نے اس کو کوتوالی اور فوجداری میں استغاثہ کرنے کی صلاح دی تھی مگر ہر چند اس کو مردوا بناتے تھے کچہری کا نام آیا اور اس کا رنگ فق ہوا وہ بگڑ بگڑ کے ایک ایک کی منت کرتا تھا کہ یارو مجھ سے مدعی بننے کی توقع مت کرو کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ اگر یہ لوگ مجھ پر نالش کریں اور کریں ہی گے تو مجھ کو حاکم کے روبرو نہ جانا پڑے بہتیرے لوگ سمجھاتے تھے کہ ان کی طرف سے نالش کے ہونے کی کوئی روداد نہیں اور فرض کیا کہ نالش ہو بھی تو تم اپنی طرف سے جواب دہی کے لئے مختار یا وکیل کھڑا کر دینا بلکہ بعضے تو شرط باندھتے تھے کہ اگر نالش ہو اور خدانخواستہ تم پر کسی طرح کی آنچ آجائے تو حاکم جو سزا تمہاری تجویز کرے اس کی چوگنی ہم بھگتنے کو موجود ہیں چاہئے ہم سے لکھوا لو۔ مبتلا کہتا تھا تم ناظر بھائی کے ہتھکنڈوں سے واقف نہیں ہو ارے میاں وہ ان

بلا کا آدمی ہے کہ چچا باوا بے چارے کسی کے لینے میں نہیں دینے میں نہیں اس نے دل پر رکھا تو شہر سے نکلوا کر چھوڑا۔ مبتلا کا حال یہ ہو گیا تھا کہ ہریالی اور اس کی بڑھیا کی مرہم پٹی کی ضرورت ہے کھڑے کھڑے گھر میں جاتا تو الٹے پاؤں باہر بھاگا ہوا آتا کہ دیکھوں کہیں سرکار سے طلبی تو نہیں آئی۔ اتنے دن نہ تو اس نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور نہ پوری نیند سویا اگر تھوڑے دن اور سید حاضر کی طرف سے سبقت نہ ہو تو مبتلا اس قدر پریشان تھا کہ وہ خود ابتدا کرتا اور اتنے دن بھی وہ اپنے آپ کو لئے رہا تو ان لوگوں کی نارضامندی کے خیال سے اس کو جراءت نہیں ہوئی سید حاضر کو دور سے آتا ہوا دیکھ کھڑا تو ہو گیا مگر اس وقت تک اس کے دل میں کھٹکا تھا کہ ان کا آنا خالی از علت نہیں جب سید حاضر نے قریب پہنچ کر معانقے کے لئے ہاتھ پھیلائے تو اس کو اطمینان ہوا اور بھائی کے گلے لگ کر غیرت بیگم کی زیادتی اور اپنی مجبوری اور اتنے دن کی پریشانی کو یاد کر کے خوب رویا سید حاضر کا بھی جی بھر آیا کہ دیکھو خدا کے فضل سے گھر میں سب طرح کی فراغت ہے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں ہیں بچے ہیں کسی بات کی کمی نہیں مگر ایک بری لت جو اپنے پیچھے لگالی ہے تو زندگی کیا تلخی سے گذرتی ہے۔ معانقے کے بعد دونوں بھائی ایک جگہ بیٹھے تو سید حاضر نے کہا مبتلا بھائی یہ نیا رشتہ تمہارے ساتھ

کیا ہوا کہ وہ پرانا رشتہ بھی اس کے پیچھے گیا گذرا ہوا۔ دیہات کا کم بخت کیا برا دستور ہے کہ ہم تو بہن کے گھر پر بلا ضرورت آ نہیں سکتے اب تمہاری ہی طرف سے ملاقات ہو تو ہو سید نگر تو کھلا تم کیوں آنے لگے شہر میں بھی تم کہیں نظر نہیں آتے آج آٹھواں دن ہے کہ میں بلا ناغہ دونوں وقت یہاں آتا ہوں کہ تم کو چار بار دیکھا بھی مگر تمہارا رخ نہ پایا۔ آخر آج مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے کہا لاؤ میں ہی پیش قدمی کر کے تم سے ملوں۔ مبتلا۔ کیا کہوں میں تو ندامت کی وجہ سے نہیں مل سکا۔ حاضر۔ ندامت کی کیا بات ہے عورتیں ناقصات العقل آپس میں لڑا جھگڑا ہی کرتی ہیں۔ اگر مرد ایسی ایسی باتوں کا خیال کیا کریں تو دنیا میں کیسے گذر ہو۔ مبتلا۔ آپ پر ثابت تو ہو گیا ہو گا کہ زیادتی کس کی تھی۔ حاضر اس معاملہ میں میرا منہ نہ کھلواؤ میں تم سے کیسی ہی سچی بات کہوں نہ کہوں پر تم یہی سمجھو گے کہ بہن کی طرفداری کرتا ہے۔ مبتلا۔ میں نے آپ کے تدین کی تعریف اور کسی سے بھی نہیں چچا باوا سے سنی ہے میں آپ کی نسبت بے انصافی کا خیال کبھی کر ہی نہیں سکتا۔ حاضر دوسرا نکاح تو تم کر چکے اب اس کی نسبت یہ کہنا کہ تم نے جلدی کی یا بے جا کیا فضول ہے بلکہ ایک اعتبار سے تو میں کہتا ہوں کہ تم نے بجا کیا مناسب کیا خوب کیا اور ضرور کرنا چاہئے تھا۔ تمہارا طرز زندگی دین کے شرافت کے کھلم کھلا ہٹ سکے عقل کے

سب کے خلاف تھا بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم نے اس سے توبہ
کی خدا کرے کہ تمہاری توبہ پہاڑ کی طرح مستحکم ہو بھاری بھرکم ہو.
مضبوط ہو اٹل ہو مگر مجھ کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایک نگدر کو تو تم
اٹھا نہ سکے جوڑی تم سے کیوں کر ہلائی جائے گی تمہاری وہی مثل
ہے کہ تنور سے بچنے کے لئے بھاڑ میں گرے دو بیبیوں کا رکھنا جمع
بین النقیضین کچھ آسان کام نہیں تم نے تو ایسی ہنڈیا پکائی ہے
کہ یہ واقعہ جو پیش آیا اس کا پہلا ابال ہے جب کھرچن کی نوبت
آئے گی تو اصلی مزا معلوم ہوگا. یقین جانو کہ میں کچھ بہن کی پاسداری
سے نہیں کہتا بلکہ حقیقت نفس الامری بیان کرتا ہوں کہ تم نے
غیرت کی قدر و وقعت کو مطلق نہیں پہچانا غیرت بیگم خدانخواستہ
(برا مت ماننا) تمہاری اس بی بی کی طرح گری پڑی بازاری
عورت نہیں وہ ایسے جتھے اور ایسے گروہ اور ایسی برادری اور
ایسے خاندان کی بیٹی ہے کہ جہاں اس کا پسینہ گرے آج سید نگر
میں کم سے کم دو سو آدمی ایسے نکلیں گے جو اپنا خون بہانے کو
موجود ہو جائیں گے عورتوں کے معاملے عزت اور آبرو اور ناموس
کے معاملے ہیں مال کی تو کیا حقیقت ہے عزت کے آگے شرفا خاص
کر دیہات کے خاص کر سادات سید نگر جان کی
ذرا بھی پروا نہیں کرتے یاد کرو کتنی منت کس قدر خوشامد کیسی
آرزو سے ماموں اور ممانی (خدا ان دونوں کو جنت نصیب کرے)

غیرت بیگم کو بیاہ کر لائے آج کو وہ دونوں یا ان میں سے ایک بھی زندہ ہوتے تو کیا تمہاری مجال تھی کہ تم غیرت بیگم پر سوکن لاؤ اور اسی کی گود میں بٹھاؤ پھر بندہ خدا تم کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ ماں باپ اس کے نہیں ساس سسرے اس کے نہیں دنیا میں وارث کہو سرپرست کہو شوہر کہو ایک تم سو تم نے جلا جلا کر اس کا یہ حال تو کر دیا کہ پہلے کی نسبت اب تہائی بھی باقی نہیں رہی اور اس پر بھی تم کو صبر نہ آیا سوکن کو لا بٹھایا عورت ہو تو جانو یا عقل ہو تو پہچانو کہ سوکن کا کیا داغ ہوتا ہے۔ بیوگی سے بڑھ کر۔ میاں نکھٹو اپاہج ہو بدمزاج ہو روٹی کھانے کو اولاد جی بہلانے کو نہ ہو سب مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور نہیں جھیلی جا سکتی تو سوکن کی۔ دنیا کے اور جلاپے جلاپے ہیں اور سوکن کا جلاپا۔ سلگاپا۔ جس شخص پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو وہ اگر افیون کھا لیتی یا کنوئیں میں گر پڑتی یا پیٹ میں چھری بھونک لیتی اس سے کسی بات کا تعجب نہ تھا بلکہ تعجب یہ ہے کہ رونے پیٹنے پر قناعت کی اگر خدا نخواستہ اس نے اپنے کو ہلاک کر لیا ہوتا تو تمہارا کیا جاتا تم تو نئی بی بی کے ساتھ چین کرتے گل چھرے اڑاتے ہم کو بہن کہاں پیدا تھی۔ مبتلا۔ اگر آپ کہیں تو میں اس عورت کو چھوڑ دوں۔ حاضرہ۔ میں تو چھوڑنے کو نہیں کہہ سکتا اور تم ایسے چھوڑنے والے ہوتے تو کرتے ہی کیوں۔ فرض کیا کہ تم نے اس کو میرے کہنے سے چھوڑ دیا اور پھر وہی سابق وتیرہ اختیار کیا

تو اپنے ساتھ دنیا اور دین دونوں جگہ میرا منہ بھی کالا کراؤ۔ مبتلا پھر آپ ہی کوئی راہ نکالئے مجھ سے ایک نادانی تو ہوئی اور اپنی طبیعت کو بارہا آزما چکا ہوں میرے قابو کی نہیں آج آپ سے ایک وعدہ کروں اور کل کو جھوٹا ٹھیروں تو پھر آپ کے نزدیک میرا کیا اعتبار رہا اس سے بات کا صاف صاف کہدینا اچھا اور اگرچہ آپ سے اس معاملہ میں صلاح پوچھنا داخل بے حیائی ہے۔ مگر چچا باوا چلتے چلتے فرما گئے ہیں کہ اگر کوئی مشکل آپڑے تو آپ کی رائے پر عمل کرنا اور یوں بھی آپ بڑے بھائی ہیں باپ کی جگہ آپ ہی اگر اڑی پر آڑے نہ آئیں گے تو میں کس کے پاس التجا لے جاؤں بندہ کے سو قصور خدا معاف کرتا ہے آپ از برائے خدا میرا ایک قصور معاف کیجئے۔ حاضر۔ بات یہ ہے کہ میں تمہاری اس نئی بی بی کے حالات سے بخوبی واقف نہیں میں کچھ نہیں سکتا کہ کس طرح اس کے ساتھ مدارات کرنی مناسب ہے۔ مبتلا۔ اس کم بخت کے اور حالات ہی کیا ہیں بازاری عورت ہے تن تنہا مدت سے توبہ توبہ پکار رہی تھی میری جو شامت آئی اس کے ساتھ عقد شرعی کر لیا کیوں کہ چچا باوا کے سامنے آوارگی سے میں توبہ کر چکا تھا حماقت پر حماقت یہ ہوئی اور اب میں اس گھڑی کو بہت پچھتا تا ہوں کہ گھر میں لا کر اوپر کا کام کاج سپرد کیا دوسری ماماؤں کی طرح رہنے سہنے لگی اگر میں نے اس کے ساتھ کسی طرح کا سروکار

رکھا ہو تو مجھ پر خدا ہی کی مار پڑے یہ تو اس کی پچھلی کیفیت ہے آیندہ کے لئے بھی اگر آپ کی مرضی ہو تو وہی ماماؤں کی طرح رہے گی اور بدستور گھر کی خدمت کرے گی۔ حاضر۔ اس کا عیرت بیگم کے پیش نظر رہنا تو میں پسند نہیں کرتا کیوں کہ اس صورت میں فساد عاجل کا بڑا اندیشہ ہے دو سوکنوں کی مثال تمہیں کس طرح بتاؤں یوں سمجھو کہ دو گلاس ہیں ایک میں سوڈا ہے پانی حل کیا ہوا اور دوسرے میں ایسڈ ممکن ہے کہ سوڈا اور ایسڈ ملیں اور ان میں جوش و خروش پیدا نہ ہو پس دونو کو ایک جگہ رکھنے کا تو تم کبھی بھول کر بھی ارادہ نہ کرنا ورنہ آج دو ہتڑ ٹھکتے تو کل جوتیاں ہونگی اور پرسوں چھریاں اس کو تو کسی دوسرے شہر میں یا خیر دوسرے محلے میں یا خیر دوسرے گھر میں تو رکھنا ضرور ہے مگر مشکل یہ ہے کہ تم کہتے ہو وہ ہے اکیلی تن تنہا آدمی زیادہ رکھے جائیں تو تمہاری چادر[1] میں اتنے پاؤں پھیلانے کی گنجائش نہیں پس صرف یہی تدبیر ہے کہ زنانے مکان میں پورب کی طرف جو ایک کھانچا سا نکل گیا ہے پردے کی دیوار کھچوا لو اور دیوڑھی میں سے دروازہ پھوڑ کر اتنا گھر الگ کر لو اور حقیقت میں یہ تھا بھی دوسرا گھر ماموں باوانے مول لے کر باہر گلی کا دروازہ تیغہ کرا کے زنانہ مکان میں ملا لیا تھا۔ تیغے کا نشان اب تک موجود

---

[1] یعنی تم کو اتنا مقدور نہیں ۱۲

ہے اتنا مکان ایک مختصر خانہ داری کے لئے بخوبی کافی ہے ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں دالان در دالان آگے سائبان دونوں طرف بڑی بڑی دو دو کوٹھریاں باورچی خانہ اس کی بغل میں چیز بست رکھنے کو بلبی کوٹھی سامنے کے ضلع میں سہ درہ بس اور چاہئے کیا بڑے گھر کی طرف خدا کے فضل سے آدمی زیادہ ہیں اور خرچ بھی بہت ہے برابری اگر چاہو تو دونوں گھروں میں ممکن نہیں اور ضرور بھی نہیں اور مناسب بھی نہیں۔ چھوٹے ماموں باوا پینسٹھ روپے کی تنخواہیں اور کرایہ تمہارے نام کرا گئے ہیں اور ساٹھ کی غیرت بیگم کے نام۔ سواپنے پینسٹھ میں تیس چھوٹی بی بی کو دیا کرو اکیلا دم ہے فراغت سے بسر کر سکتی ہیں۔ پینتیس تم کو بچیں گے اس میں تمہارا کپڑا ہے اور باہر مردانے کا خرچ غیرت بیگم کے ساٹھ کو ہاتھ مت لگاؤ ایک دن بڑے گھر میں رہو ایک دن چھوٹے گھر میں نہ ہڑ ہڑ نہ کھڑ کھڑ اللہ اللہ خیر صلاح۔ مبتلا تو اپنی جگہ یہ ڈر رہا تھا کہ نہیں معلوم شہر سے نکلوائیں گے یا قید ڈلوائیں گے یا گھر بار ضبط کرائیں گے سید حاضر کا فیصلہ سنتے کے ساتھ اس کے پیروں پر گر پڑا کہ بس اس میں اگر میری طرف سے کبھی سر مو فرق ہو تو جانیے گا کہ میری اصالت میں فرق ہے ہریالی بھی اپنی جگہ بہت ہی خوش ہوئی اور سمجھی کہ اب میرا لی بی ہونا سب پنچوں نے جانا گھر بنٹوا پایا میاں کے پینتیس بھی میرے

اپنے ہی ہیں وہ ملا کر تنخواہوں میں کرائے ہیں بڑا آدھا میری طرف رہا کہاں غیرت بیگم سیدانی اشرف میاں کی پھوپھی زاد بہن صاحب اولاد آٹھ نو برس کی بیاہی ہوئی اور کہاں میں۔ انصاف کی رو سے تو میں ان کی جوتی کی برابری نہیں کر سکتی قربان جاؤں خدا کے کہ اس نے مجھ گنہ گار ناچیز کی توبہ کو ایسا نوازا کہ ان ہی کے سگے بھائی کے ہاتھ سے مجھ کو جتوایا۔ غیرت بیگم کو تو سوکن کے نام کی جلن تھی اس کو مکان سے تنخواہ سے کچھ بحث ہی نہ تھی ہریالی کو کیسے ہی بُرے احوال سے رکھتے مگر جب تک غیرت بیگم یہ جانتی تھی کہ یہ میری سوکن ہے کسی طرح وہ راضی ہو ہی نہیں سکتی تھی لیکن بڑے بھائی نے جب ایک فیصلہ کر دیا تو کیا کرتی دل میں پیچ و تاب کھا کر چپکی ہو رہی مبتلا کے ساتھ بولنا بات کرنا پہلے ہی سے کم تھا اب بالکل چھوڑ دیا غرض صحن میں پردے کی دیوار اٹھائی گئی ڈیوڑھی میں دروازہ لگا ہریالی نے الگ گھر کر کے رہنا شروع کیا۔

بائیسویں فصل دو سوکنوں کی لڑائی کا سلسلہ اور اس کا اثر بد مبتلا پر مبتلا کی اولاد پر اس کی بیبیوں پر اور انتظام خانہ داری پر

آدمی الگ گھر کرتا ہے تو پلنگ پیڑھی تخت چوکی چولہا چکی برتن

بھانڈا سبھی چیزیں اس کو درکار ہوتی ہیں غیرت بیگم کے یہاں اسباب کے اٹم لگے ہوئے تھے پر کس کی مجال تھی کہ تنکا تو اٹھا کر ادھر سے ادھر لے جائے ہریالی کو ابتدا میں سخت تکلیف ہوئی مگر سلیقہ بھی عجب چیز ہے دو ہی برس میں ہریالی نے رفتہ رفتہ اپنا گھر ایسا درست کیا کہ غیرت بیگم کے کئی پشتوں کے جمے ہوئے گھر میں ایک چیز وقت پر نہیں بھی ملتی تھی مگر ہریالی کے یہاں آتا تو کون تھا لیکن اگر دس مہمان بھی آجاتے تو آسائش کا ہمہ سامان موجود پاتے ایک مرتبہ ہرا ناہر کا درکار تھا تعجب کی بات ہے کہ سارے محلے میں کسی کے یہاں نہ نکلا ہریالی نے (جس کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا تھا۔ سنتے کے ساتھ ہی پیالہ بھر کر بھجوا دیا۔ جس طرح سید حاضر نے ٹھیرا دیا تھا مبتلا ایک ایک دن باری باری سے دونوں گھروں میں رہتا تھا بڑے گھر میں تو اس سے کوئی بولتا چالتا نہ تھا کسی دن اگر معصوم کو پکڑ پایا تو گھڑی دو گھڑی اس کے ساتھ جی بہلا یا ورنہ منہ لپیٹا سو رہا۔ خاطر داری سمجھو مدارات سمجھو آؤ بھگت سمجھو جو کچھ تھی سو چھوٹے گھر میں تھی مگر غیرت بیگم اس کو وہاں بھی چین سے نہیں رہنے دیتی تھی وہ اپنے گھر میں تو مبتلا سے ایسی بے رخی کرتی کہ گویا اس کو میاں کی ذرا بھی پرواہ نہیں اور چھوٹے گھر کی باری آئی اور صبح سے اس نے مبتلا کی نگرانی شروع کی۔

مردانے میں کتنی دیر بیٹھے گھر میں کس وقت آئے کہاں سوئے کیا کھایا اور کتنا کھایا ہریالی کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ گھر کے نوکروں پر ایک نیا کام یہ اور پڑا کہ سارے سارے دن اور پہر پہر رات گئے تک ایک ڈیوڑھی میں کھڑی جھانک رہی ہے تو ایک دروازے میں کان لگائے سن رہی ہے اور ایک ہے کہ جس طرح جلاہا تانا بانا تنتا رہتا ہے اوپر تلے بیسیوں پھیرے زنانے سے مردانے میں اور مردانے سے زنانے میں۔ باوجودے کہ غیرت بیگم نے ایک مبتلا کے پیچھے اتنے جاسوس لگا رکھے تھے اس پر بھی اس کا جی نہیں مانتا تھا ایک موکھا تو اس نے پاخانے کی دیوار میں کیا کہ چھوٹے گھر کے سہ درے کی ذرا ذرا بات وہاں سے سنائی دیتی تھی۔ رہ گیا ایک ضلع صحن سایہ بان اور سایہ بان کے اندر کا دالان سو غیرت بیگم کی طرف ایک بالاخانہ تھا اور اس میں تھی ایک کھڑکی وہ کھڑکی کھول دو تو صحن سے لے کر اندر والے دالان تک سب کچھ دکھائی دیتا۔ یا تو غیرت بیگم نے جس دن سے بیاہی آئی کبھی بالاخانے پر پاؤں نہیں رکھا تھا یا اب سوکن کی ضد پر جس دن چھوٹے گھر کی باری ہوتی صبح سویرے سے کوٹھی پر چڑھی چڑھی اگلی صبح کو اترتی۔ غرض ساری گرمی غیرت بیگم نے میاں کو ہریالی سے بات نہیں کرنے دی جاڑا آیا اور پردے چھوڑ کر دالان میں سونے لگے تب تھک کر بیٹھی۔ شروع شروع میں تو نوکروں کو

آنے جانے کی ایسی سخت ممانعت تھی کہ ایک مرتبہ ایک لونڈی نے باہر دیوڑھی میں سے آگ پکڑوا دی تھی غیرت بیگم کو خبر ہو گئی تو اس کے ہاتھ پر جلتا ہوا انگارہ رکھ دیا لیکن پھر سوچی کہ نوکروں سے خبریں خوب ملتی ہیں ان کا روکنا ٹھیک نہیں۔ بندی کھول دی مگر اس سے خرابی کیا پیدا ہوئی کہ ما لونڈی جو کوئی چھوٹے گھر سے ہو کر آتی غیرت بیگم اس سے حال پوچھتی اگر وہ اس کی خواہش کے مطابق کچھ بیان نہ کرتی تو اس پر خفا ہوتی کہ تو جھوٹی ہے یا چھپاتی ہے یا تو ادھر ملی ہوئی ہے ناچار اس کی بدگمانیوں سے بچنے کے لئے نوکروں نے جی سے باتیں بنانی شروع کیں حقیقت میں تو وہ باتیں ہوتی تھیں بے اصل مگر اس کو ایک ایک بات کا ہفتوں جھگڑ لگا رہتا تھا آپ رنجیدہ رہتی اور مبتلا پر اپنی بدنفسی اور حماقت ثابت کرتی۔ ایک آتی اور دل سے جوڑ کر کہتی بیوی آج تو تمہاری سوکن کے عجیب ٹھاٹھ ہیں ایسی بن سنور کر بیٹھی ہیں جیسے کوئی نئی دلہن سر میں چنبیلی کا تیل پڑا ہوا ہے مگر کوئی چار روپیہ سیر کا کہ سارا گھر پڑا مہک رہا ہے چوٹی گندھی ہے۔ یہ بڑے بڑے موتیا کے پھولوں کا سارا گہنا البتہ ڈیڑھ دو روپے سے کیا کم کا ہوگا ملاگیری چنا ہوا مہین رنگ کا ڈوپٹا اچھا خاصہ چار انگل کا چوڑا سنہری ٹھپا ٹنکا ہوا سفید ترین بیل کا پاجامہ پائنچوں میں بیل دار

کنارہ کنارے پر کیکری کیکری پر بانکڑی کی چمک۔ غیرت بیگم یہ سن کر ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہتی ہاں صاحب جن کے بھاگ ان کے سہاگ۔ دوسری بات بناتی کہ وہ آپ[1] تو صحن میں کرسی بچھائے بیٹھی ہیں میاں سامنے کھڑے گنا چھیل رہے ہیں گنڈیریاں بنا بنا کر آپ بھی کھاتے جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے ان کے منہ میں بھی دیتے جاتے ہیں میں تو یہ دیکھ کر الٹے پاؤں پلٹ آئی۔ ماما باہر بیٹھی کھانا پکا رہی ہے۔ غیرت بیگم لعنت خدا کی پھٹے منہ حیا اور شرم تو مطلق چھو نہیں گئی۔ تیسری اشارے سے بوی کو بلاتی کہ ذرا آپ بھی تو موکھے میں سے دیکھئے آج میاں کا جی کیسا ہے دولائی اوڑھے پڑے ہیں اور وہ کنجنی پاس بیٹھی پاؤں دبا رہی ہے۔ غیرت بیگم۔ اری کم بخت تجھ کو دھوکا ہوا ہوگا کنجنی لیٹی ہوگی اور میاں پاؤں دبا رہے ہوں گے۔ اس طرح کی سینکڑوں باتیں صبح سے شام تک اپنے ہی گھر کے نوکر غیرت بیگم سے آ آ کر کہتے تھے اور سب میں زیادہ منہ لگی وہ تھی جو اس طرح کی باتیں خود تصنیف کر سکتی تھی۔ اتنی تو کسی کی مجال نہ تھی کہ غیرت بیگم کے منہ پر ہریالی کو ہریالی کہہ دے اور اگر کسی کی زبان سے بھولے سے بھی چھوٹی بیوی نکل جاتا تو بے شک غیرت بیگم تڑ سے اس کے

---

[1] یعنی ہریالی ۱۲

منہ پر جوتی کھینچ مارتی نام سے تو اتنی نفرت اور پہروں رات اسی کی تسبیح آخر سوچ کر غیرت بیگم نے سوکن کو بے غیرت کا خطاب دیا اور جتنے لوگ غیرت بیگم کے طرفدار تھے یہاں تک کہ ادنے ادنے نوکر اس کی حمایت پاکر سب بے تامل ہریالی کو پکار پکار کر بے غیرت کہتے تھے اور دیوار کے پیچھے ہریالی اپنے کانوں سے سنتی تھی بلکہ اس نے سیکڑوں بار مبتلا کو سنوا سنوا دیا۔ مبتلا کو نوکروں کے منہ سے یہ لفظ سن کر سخت رنج ہوتا تھا کیونکہ ہریالی جو کچھ تھی سو تھی مگر راجہ کے گھر آئی اور رانی کہلائی اب تو اس کی منکوحہ تھی نوکروں کو اور گھر کی لونڈیوں کو کیا زیبا تھا کہ اس کی منکوحہ کو یوں منہ بھر بھر کر گالیاں دیں مگر وہ کیا کر سکتا تھا ہریالی کو سمجھا دیتا کہ کچھ تم سے پرخاش نہیں مجھ کو نوکروں کے ہاتھ سے ذلیل کرانا منظور ہے خدا کی شان میرے نوکر میرے لونڈی غلام اور ایسے گستاخ اتنے بے ادب کیا کروں کچھ کرتے بن نہیں پڑتا میں بھی صبر کرتا ہوں تم بھی صبر کرو غیرت بیگم کو سوکن کی طرف سے ہر طرح کی بدگمانی تو تھی ہی نبول کو تو اس طرف کوئی لے جانے نہیں پاتا تھا مگر معصوم اپنے پاؤں دوڑا دوڑا پھرتا تھا اس کو کون روکے غیرت بیگم بہتیرا ڈرانی دھمکاتی گھرکتی مگر یہ کس کی سنتا تھا آنکھ بچی اور چھوٹے گھر میں۔ غیرت بیگم سے اور مبتلا سے تو روز بروز عداوت

بڑھتی چلی جاتی تھی مبتلا کے جلانے اور چھیڑنے اور ایذا دینے کو جہاں غیرت بیگم اور بہتیری باتیں کرتی تھی ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بچوں کے ساتھ اس کی اگلی سی مدارات باقی نہیں رہی تھی۔ اب تو وہ بات بات پر معصوم کو مار بیٹھتی اور کوسنا تو تکیہ کلام ہو گیا تھا۔ بچوں کا تو قاعدہ ہے کہ وحشی جانوروں کی طرح ہلانے اور پرجانے سے رام ہوتے ہیں معصوم کا یہ حال ہو گیا تھا کہ غیرت بیگم کی شکل سے دور بھاگتا اور اس کی پرچھائیں سے ڈرتا۔ چھوٹے گھر میں اس کی ایسی خاطرداری ہوتی تھی کہ اس نے اندر پاؤں رکھا اور ہریالی نے دوڑ کر اس کو گود میں لیا۔ ہاتھ منہ دھلایا بالوں میں تیل ڈالا کنگھی کی آنکھوں میں سرمہ لگایا میوہ مٹھائی اس کے لئے لگا رکھی تھی جو کچھ موجود ہوا کھلایا۔ گھنڈی تکمہ بند اگر ٹوٹ گیا ہے ٹانک دیا کبھی کبھار کوئی کھلونا منگوا دیا آپ پان کھاتی ہوئی تو اس کو بھی ٹکڑا بنا دیا آئینہ ہاتھ میں دے دیا کہ دیکھو تو کیا منہ لال لال ہوا ہے بس معصوم سارے سارے دن چھوٹے گھر میں کھیلتا اور اگر بڑے گھر میں بلاتے تو روتا اور مچلتا ایک دن غیرت بیگم معصوم کا انگرکھا قطع کر رہی تھیں کہ لونڈی سے کہا کہ جا ذرا معصوم کو جلدی بلا لا میں انگرکھا اس کے قد سے ناپ لوں ایسا نہ ہو اونچا ہو جائے۔ لونڈی نے چھوٹے گھر میں

جا کر معصوم سے کہا چلو میاں بی بی بلاتی ہیں لونڈی کی صورت دیکھ کر اور طلبی سن کر معصوم زمین میں لوٹ گیا۔ بہتیرا لونڈی گود میں اٹھاتی ہے نکل نکل پڑتا ہے اس کشتم کشتا میں تھوڑی دیر لگ گئی اور وہاں غیرت بیگم ہاتھ میں کپڑا لئے انتظار کر رہی ہیں آخر دوسری کو دوڑایا کہ بسنتی معصوم کو بلانے گئی تھی وہیں مر کر رہ گئی بس آپ بھی اس کے ساتھ کھیل میں لگ گئی ہو گی جا دونوں کو پکڑ کے لا۔ غیرت بیگم جو بگڑ کر اور خفا ہو کر زور سے بولی تو اپنے گھر میں ہریالی نے بھی سنا اور اس نے جلدی سے اٹھ کر معصوم سے کہا آہا بڑی اماں کے یہاں کیسے کیسے بہار کے کپڑے آئے ہیں جلدی بھاگ کر جاؤ کہ تمہاری بھی اچکن بیونتی جائے وہ بڑی اماں بیٹھی کہہ رہی ہیں آنکھیں کون آئے معصوم سامنے گیا تو غیرت بیگم بولی موئے جان ہار لیوں ہی سارے دن خدائی خوار خاک چھانتا پڑا پھر دیکھ اب تجھ کو کیسے ظالم استاد کے پاس پڑھنے بٹھاتی ہوں کہ تو بھی یاد کرے معصوم میں اپنی چھوٹی ماں کے پاس بھاگ جاؤں گا غیرت بیگم۔ لانا دیئے میں ایک بڑا سا انگارا کہ اس کم بخت ناشدنی کا منہ جلاؤں نگوڑا بدوں کا بد گندی بوٹی کا لبا ہنڈا شوربا آخر اپنی اصالت پہ گیا سنجنی کو متیا بنایا میرے سامنے اگر پھر اس مردار کو اماں کہا ہو گا تو جیبھ پکڑ کر کاٹ ڈالوں گی

معصوم یہ سُن کر آدھی دور سے پھر اُلٹا بھاگ گیا۔ بسنی پیچھے دوڑی بھی مگر اب وہ کس کے ہاتھ آتا تھا۔ ڈیوڑھی میں کھڑا ہوا غیرت بیگم کے چڑانے کو پکار پکار کر چھوٹی اماں چھوٹی اماں کہتا تھا اور جہاں غیرت بیگم نے دیکھا آڑ میں ہو گیا اور پھر ذرا سی دیر میں لگا سامنے آکر چھوٹی اماں چھوٹی اماں کہنے لگا۔ غیرت بیگم نے دالان میں سے بیٹھے بیٹھے جوتی کھینچ کر ماری۔ مگر وہ ڈیوڑھی تک کہاں پہنچتی۔ غرض معصوم کو جو دھت لگی تو غیرت بیگم کو اسی طرح گھڑی بھر تک دق کرتا رہا۔ اور پھر چھوٹے گھر میں جا گھسا۔ غیرت بیگم ہر بالی کی ساری باتوں کو برائی پر ڈھال لے جاتی تھی معصوم کے ساتھ جو ہر بالی عام ماؤں سے اور خصوصاً غیرت بیگم سے بڑھ کر محبت کرتی تھی تو میاں کی خوشامد پر محمول کرنا شاید چنداں بے جا نہ تھا۔ مگر ہر بالی کی مخالفت میں غیرت بیگم کے خیالات ایسے بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا بھی وہ دوسرا ہی مطلب لگاتی تھی اُس کا مقولہ یہ تھا کہ دیکھا نامرادکٹنی کو کیسی معصوم کی تلو بتو میں لگی رہتی ہے اور مجھ کو یقین ہے کہ وہ ضرور لڑکو مجھ سے لڑا کر رہے گی ابھی سے اُس کو میری صورت سے بیزار کر دیا ہے نہیں تو اتنے بچے ماؤں سے ایک لمحے کے لیے پرے نہیں ہٹتے اور معصوم کو تو اگر میں نہ بلاؤں کبھی بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرے۔ غیرت بیگم

گو تو اُلٹے سیدھے ہر طرح ہریالی کو اُلاہنا دینا منظور تھا۔ معصوم اگر کبھی بیمار ہوتا اور چھوٹے بچے اگر بیمار ہوتے رہتے ہیں تو معیت یہ تھی کہ میاں کی ضد کے مارے دوا علاج کچھ نہ کرتی اور جو کوئی کہتا تو بجائے جواب دیتی کہ کوئی دُکھ ہو تو علاج کروں اِس کو تو دشمنوں نے کچھ کر دیا ہے اور دشمن کون یہی بغلی گھونسا یہ کیا ہم میں سے کسی کا جیتا چھوڑے گی لیکن اگر میرے بچے کا بال بینکا ہوا تو کوٹھری میں کیا مار ماری تھی اگر جان سے نہ مار ڈالوں تو سید کی جنی نہیں اور پھر اُس کے حامیوں کو دیکھ لوں گی۔ ہریالی عجب پس وپیش میں تھی اگر معصوم کو نہیں آنے دیتی تو کہیں خود جو بے اولادی ہے جلتی ہے دیکھ نہیں سکتی۔ اور آنے دیتی ہے تو اس کی ذمہ داری کون کرے کہ بچہ بیمار نہ پڑے یا بیمار پڑے تو ضرور اچھا ہی ہو جایا کرے بس ذرا بھی معصوم کا جی ماندہ ہوتا تو ہریالی کا کئی چلّو لہو خشک ہو جاتا کہ خدا خیر کرے۔ انتظام خانہ داری کی یہ صورت ہوئی کہ آخر اُس کو بھی تو صاحب خانہ کی توجہ درکار ہے۔ یہاں آپس کی کھا سُنی تاک جھانک لڑائی جھگڑے قصے قضیے سے اتنی فرصت ہی کس کو تھی کہ انتظام کی طرف متوجہ ہوتا اور فرصت تھی بھی تو دلوں میں شوق نہیں رغبت نہیں اطمینان نہیں اُمنگ نہیں کس کی بلا کو غرض پڑی تھی کہ یہ دردِ سر مول لے۔ خانہ داری میں سب سے بڑا انتظام کھانے کا کہ صبح بھی ہو اور شام بھی ہو سو کھانے کا یہ حال کہ بڑے گھر میں تو مبتلا نے کبھی پیٹ بھر

کھانا کھایا ہی نہیں۔ میاں بی بی میں ناخوشی تو سدا کی تھی تاہم
کھانا دونوں ایک ہی دسترخوان پر کھایا کرتے تھے جس دن سے ہریالی
نے الگ گھر کیا غیرت بیگم نے میاں کے ساتھ بات چیت کرنی کیا چھوڑی
بات چیت کے ساتھ کھانا اور کھانے کے ساتھ دیکھنا بھالنا لگا لپٹا
سب کچھ چھوڑ دیا دو چار بار مبتلا نے منہ پھوٹ کر کہا بھی جواب نہ دارد
پس کھانا تیار ہوتا تو گھر کے نوکروں میں سے کسی نے میاں کا حصہ
نکال کر لا آگے رکھ دیا۔ اس بے دقری کے ساتھ جو کھانا دیا جاتا تھا
تو مبتلا کو اس قدر طیش آتا تھا کہ اگر اس کا بس چلے تو غیرت بیگم کو
کچی اٹھا کر کھا جاتے۔ مگر وہ اپنا خونِ جگر پی کر چپ ہو رہتا تھا ڈر کے
مارے ذرا کی ذرا منہ جھٹلایا اور کھڑا ہو گیا۔ غیرت بیگم خود تو کبھی خبر
نہیں لیتی تھی اگر کبھی کوئی نوکر خدا واسطے کو کہہ بیٹھا کہ میاں تو پوری
ایک چپاتی بھی نہیں کھاتے تو بولتی اُس مال زادی کے بددل میاں
کے حلق سے نوالہ کیوں اُترنے لگا اور اُن کو اِس گھر کا کھانا کیوں
بھانے لگا۔ غیرت بیگم جلی تن کا مبتلا سے بدتر حال تھا وہ آپ ہی اپنے
دل سے باتیں پیدا کرتی اور آپ ہی اُن کی اُدھیڑ بن میں ڈو ڈو وقت
کھانا نہ کھاتی۔ نوکروں نے جو دیکھا گھر والے دو۔ میاں بیوی اور دونوں
کو کھانے کی طرف مطلق رغبت نہیں یہ لوگ بھی سُستی اور بے پروائی
اور چوری اور طرح طرح کی خرابیاں کرنے لگے۔
نتیجہ یہ ہوا کہ خرچ تو ڈیوڑھا اور دو نا بڑھ گیا اور

برکت آدھی اور پاؤ بھی باقی نہ رہی۔ غیرت بیگم کی طرف تو بہت سویرے سے خاک اُڑنے لگی چھوٹا گھر خبر بیول ہی لشٹم پشٹم چلا جاتا تھا۔ گھر کی عزت ہوتی ہے مردانے سے اور مردانے کی رونق مردوں سے مردوں کے شوق سے مردوں کے اہتمام سے۔ بتلا جس کا کبھی یہ حال تھا کہ ایک دن بالوں میں تیل نہ پڑتا تو اُس کا سر درد کرنے لگتا دن میں اگر چار مرتبہ گھر سے باہر نکلتا تو چار طرح کی پوشاک بہن کر ایک چیز اگر جگہ سے بے جگہ رکھی ہوتی تو بے چین ہو جاتا فرش پہ سلوٹ پڑی دیکھی اور ماتھے پر بل پڑا۔ آندھی ہو مینہ ہو سردی ہو گرمی ہو چار گھڑی دن رہے گھوڑے کی سواری کبھی ناغہ ہونے ہی نہیں دی ہر چیز صاف ستھری قیمتی انوکھی یا اب خانہ داری کے جھگڑوں نے اس کو اس قدر عاجز اور ناچار کر دیا تھا کہ اُس کو اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا بال اُلجھ کر نمدہ ہو گئے ہیں کس کو دماغ ہے کہ کنگھی کرے معصوم ہر معلوم ہے کہ کپڑے میلے چکٹ ہو رہے ہیں مگر بدلتے ہوئے آلکسی آتی ہے چیز بے ٹھکانے پڑی ہے زبان کون ہلائے کہ اُس کو موقع سے رکھو۔ سفید چاندنی دھبے پڑ پڑ کر جا جم بن گئی ہے نوکروں کو توفیق نہیں کہ بدلیں میاں کو خیال نہیں کہ بدلوائیں گھوڑا نسل ولایتی جس پر مکھی پھسلتی تھی پیٹھوں پر

نالی پڑی ہوئی سواری جو ہوئی موقوف تھان پر بندھے بندھے
پانچوں عیب نکال لایا بادی نے آدبایا مالش میں ہوئی کمی اور
دانے میں ہوئی چوری تھوڑی دنوں میں پر ٹل کا ٹٹو معادم ہونے لگا۔
سینکڑوں روپے کا اسباب صرف غرور اور پرداخت کے نہ ہونے
سے کوڑے کی طرح بے قیمت ہو گیا۔ غرض وہ جو لوگ
کہاوت کہتے ہیں کہ دو ملاّ میں مرغی حرام۔ دو بی بیوں کی کش مکش
میں گھر کی مٹی ایسی پلید ہوئی کہ باہر سے لے کر اندر تک نکبت اور مفلسی
اور بے رونقی چھا گئی۔ ایک مدت تک غیرت بیگم کی طرف سے
انواع و اقسام کے ظلم ہر یالی پر ہوتے رہے اور بدلہ لینا کیسا
اُس کی اتنی بھی مجال نہ تھی کہ اُف کرے نام لے لے کر پکار پکار
کر سنا سنا کر گالیوں کی بوچھاڑ برسا رکھی ہے اور کوسنوں
کا تار باندھ دیا ہے اور دم بخود مگر کتنا صبر کہاں تک برداشت آخر
اُس کا مُنہ کھُلا تو ایسا کھُلا کہ لوگوں نے اپنے کان بند کر لئے
برکت۔ رونق۔ فراغت۔ عافیت۔ محبت۔ مُروّت۔ سب کچھ غارت
ہو ہوا کر ایک آبرو وہ بھی محلّے والوں کی نظروں میں باقی رہی
تھی ہر وقت کی تھُکاّ فضیحت میں وہ بھی گئی گذری ہوئی۔ کم بختیں اس
بیہودگی کے ساتھ آپس میں لڑتی تھیں کہ کنجڑا کنوں قصائنوں کو مات
کر دیا تھا۔ اور دھوبنوں بھٹیاریوں کو شرمندہ غیرت بیگم
تو کسی کے قابو کی تھی نہیں مگر ہاں ہریالی کو اگر مبتلا منع کر دیتا

تو وہ بے شک باز آجاتی پر غیرت بیگم کی طرف سے مبتلا کو ایسے
ایسے رنج پہنچے تھے کہ روکتا کیسا وہ تو کبھی کبھی ہریالی کو اور
اشتعالک دے دے کر اُس کی آڑ میں اپنے دل کے جلے
پھپھولے پھوڑ لیتا تھا۔ ان لوگوں میں جو باہمی رنجشیں اور عداوتیں
تھیں پہلے چند روز تک دلوں ہی میں رہیں بڑھتے بڑھتے دلوں سے
مُنہ تک آئیں اب اور زیادہ ہوئیں تو پھوٹ کر ایسی بہیں جیسے کوہِ
آتش فشاں کا ملغوبہ آگے آگے آپ اور پیچھے پیچھے تباہی اور
بربادی ⁂

تیئیسویں فصل ہریالی کا اُمیدسے ہونا غیرت بیگم کا اس بات کو جاننا اور اپنی ماما خاتون سے اُس کو سنکھیا دلوانا۔ مقدمے کا کوتوالی میں دائر ہونا اور آخر کار ناظر کی تدبیر سے دب جانا مگر مبتلا کا دوالہ نکالکر

اتفاق سے ہریالی پڑی بیمار۔ شاموں شام سر دھویا سردی
کھائی زکام ہوا بخار آنے لگا۔ چند روز کچھ دھیان

نہ گیا بخار تھا کہ جم چپڑ ہو گیا۔ بلکہ ذرا ذرا کھانسی کی بھی دھک
شروع ہو گئی معمولی طور پر حکیموں کے علاج کئے منضج ہوئے مسہل ہو کے
بخار رہے کہ جنبش نہیں کھاتا کھانسی کو اتنا آرام ہوا سمجھو کہ سوکھی سے
تر ہو گئی ایک دن بلغم میں کچھ سرخی کی سی جھلک دکھائی دی تو تردد ہوا
اور تردد کی بات ہی تھی خیال کیا کہ پان کی سرخی ہو مگر پھر ثابت ہوا
کہ نہیں خون کی ہے۔ تب تو مبتلا بہت گھبرایا۔ غیرت بیگم کے
ہاتھوں سے تو اُس کو ایسی ایسی ایذائیں پہنچی تھیں کہ اُس کے
نام سے اِس کا دل بے زار تھا۔ اس کو تھوڑی یا بہت جو کچھ دلبستگی
تھی ہریالی کے ساتھ تھی۔ اب جو اس کو خون تھوکتے دیکھا قریب
تھا کہ سودائی ہو جائے۔ شبہ تو بہت دنوں سے تھا کہ ایسا نہ ہو
کہ کہیں غیرت بیگم نے کچھ کر کرا دیا ہو کھانسی کے ساتھ خون کا
آنا تھا کہ یقین کیسا حق الیقین ہو گیا۔ کہ غیرت بیگم نے پون
بٹھائی۔ خدانخواستہ ایسا تو پڑا تا بخار بھی نہیں کہ سِل ہونے کا
اندیشہ ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سیانے اور بھگت بلائے آئے
سب نے اپنے اپنے جادو چلائے مگر کم بخت پون کی کچھ
اصل جادو کی کچھ حقیقت ہو تو رد گ میں کمی مرض میں خفت
ہو خبط کے جادو وہم کی پون اس کو اُتارے کون۔ ہریالی
کا حال بہت پتلا ہوتا چلا آخر کسی نے صلاح دی کہ سب کچھ تو
کر چکے ذرا ڈاکٹر چنبیلی کو بھی تو ایک نظر دکھاؤ۔ ڈاکٹر چنبیلی کا نام اصل

میں مس بیلی تھا ولایت سے نئی آئی ہوئی تھی کہ اس نے نواب اقتدار الدولہ بہادر کے محل میں ایک محل میں ایک بڑے معرکے کا علاج کیا تب ہی سے شہر میں اس کی بڑی شہرت ہوئی نواب صاحب کی محل سرا میں اس کو چنبیلی چنبیلی پکارتے تھے وہاں کی سُنی سُنائی اور لوگ بھی چنبیلی کہنے لگے دایہ گری کے فن میں نہایت تجربہ کار اور مشاق تھی اور خود مبتلا کے گھر میں معصوم اور بتول دونو کے ہونے میں بلائی جا چکی تھی ہریالی اور ہریالی کے بیمار دار کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ہریالی کی حالت ڈاکٹر چنبیلی کے علاج کی متقاضی ہے۔ ڈاکٹر چنبیلی کو جب بلایا گیا تو غیرت بیگم سمجھ کر معرفت سابقہ کے لحاظ سے بلا عذر بہت خوشی کے ساتھ فوراً چلی آئی۔ اُس کو یہاں آ کر معلوم ہوا کہ مبتلا نے دوسری بی بی کی ہے۔ اس نے بیمار کو دیکھا تو سہی مگر مبتلا سے کہا کہ مجھ سے اور غیرت بیگم سے دوستی یا بہناپا تو نہیں ہے پر تم کو معلوم ہے کہ اُن کے دو بچوں کے ہونے میں میں نے اُن کی خبر گیری کی ہے۔ تو تمہاری اس بی بی کا علاج کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا اس کو میں خلافِ مروت سمجھتی ہوں اور میرے علاج کی چنداں ضرورت بھی نہیں۔ جس حکیم کا علاج کرتے ہو اُن کو صرف اتنا اشارہ کر دینا کہ زچہ جانوں کی رعایت سے علاج کریں۔ اِتنا کہہ کر ڈاکٹر چنبیلی غیرت بیگم کی طرف گئی معصوم اور بتول دونوں کو

گود میں لے کر پیار کیا پھر غیرت بیگم سے بولی کہ اگر میں دوسرے گھر میں نہ بلائی گئی ہوتی تو میں تم سے پوچھتی کہ اس قدر دُبلی کیوں ہو ہم لوگوں میں مرد دوسری بی بی نہیں کر سکتے۔ اور مرد اور عورت دونوں کے حقوق کو تولا جائے تو شاید عورت ہی کا پلّہ جھکتا ہوا رہے گا۔ پھر بھی مرد اور عورت کا تعلق اس قسم کا ہے کہ بیاہ ہو جانے سے عورت مرد کے بس میں آ جاتی ہے یہی سمجھ کر میں نے اپنا بیاہ نہیں کیا۔ اور کرنے کا ارادہ بھی نہیں۔ میں تمہاری حالت پر افسوس کرتی ہوں اور اُس سے زیادہ افسوس اس مجبوری کا ہے کہ مدد کرنے کی جگہ نہیں لیکن اگر کبھی میرا کام آ پڑے تو ضرور مجھ کو یاد کرنا۔ غیرت بیگم نے اگرچہ دیہات میں پرورش پائی تھی پر وہ اتنی بھی بے تمیز نہ تھی کہ چنبیلی کے آنے کا اُس کی محبت کا مروّت کا ہمدردی کا شکریہ ادا نہ کرتی مگر سوکن کے جھگڑے میں اُس کو کسی چیز کی سُدھ بُدھ نہ تھی چنبیلی اُس سے بات کر رہی تھی اور یہ اس فکر میں تھی کہ کب چُپ کرے اور میں سوکن کا حال پوچھوں۔ غرض غیرت بیگم نے چھوٹتے ہی پوچھا کہو کیا دیکھا چنبیلی بولی حکیم کو دھوکا ہوا اس نے پہچانا نہیں کہ یہ عورت چار مہینے ہوئے دوجی سے بیٹھی ہے میں نے تمہارے میاں کو جتا دیا ہے اب بھی اگر سمجھ بوجھ کر علاج ہو گا تو بچے کو تو میں نہیں کہہ سکتی کیونکہ اُدھر تو ہوئے جلاب اور اُدھر بخار کی وجہ سے بلین

اوپر تلے ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں بچے کو سردی نے پکڑ لیا
مگر ما احتیاط کی جائے تو میرے نزدیک نیچے والی کو ابھی تک
کچھ فرق جو کھوں نہیں ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ آدمی فربہ شود
از راہ گوش۔ ہریالی نے جو سُنا تو اُس کے دل کو اس قدر تقویت
پہنچی کہ کیسی دوا اور کس کا علاج گھڑیوں اُس کا مزاج خود بخود بحال ہوتا
چلا یہاں تک کہ یا تو آپ سے کروٹ نہیں بدل سکتی تھی یا ایک
ہی ہفتے میں پھرنے چلنے لگی۔ یہ تو اُٹھ کھڑی ہوئی اور اُس کی جگہ
اب غیرت بیگم پڑی۔ غیرت بیگم کا سارا غرور سارا گھمنڈ سارا ناز بیجا
اولاد کے برتے پر تھا۔ اب جو اُس نے دیکھا کہ سوکن نے اس میں
بھی ساجھا لڑایا تو حقیقت میں اُس کی کمر ٹوٹ گئی اور سمجھی کہ بس
اب ہریالی کے مقابلہ میں نہیں پہنچتی اُس کو اِس بات کی بڑی
تسلی تھی کہ ہریالی لاکھ میاں کی پیاری کیوں نہ ہو مگر آخر
ہے تو بے اولاد نہ کوئی نام کا لینے والا نہ پانی کا دینے والا کھائے
جتنا اُس کے تقدیر میں ہے اور پہن لے جس قدر اُس کے
نصیب کا ہے۔ پھر میں ہوں تو میں اور نہیں تو اللہ رکھے اور پروان
چڑھائے میری اولاد اس خیال سے کبھی اُس نے سوکن کو
سوکن مانا ہی نہیں اب البتہ اس کو سوکن کی حقیقت کھلی اور آدھی
اور ساری کا سوچ پیدا ہوا۔ چنبلی البا کوئی دو تین گھڑی
دن چڑھے چڑھتے آئی تھی۔ اُس کے گئے پیچھے سے جو غیرت بیگم

گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھی تو دوپہر ڈھلتے ڈھلتے ڈھل گئی مگر اللہ کی بندی نے گردن اونچی نہ کی دو تین بار کھانے کی اطلاع ہوئی مگر اس نے یہی کہہ دیا کہ مجھے بھوک نہیں۔ اس کے گھر میں ایک بہت پرانی نوکر تھی خاتون وہ گھر کی داروغہ تو نہ تھی مگر کبرسنی اور قدیم الخدمتی اور ہوشیاری اور سلیقے کی وجہ سے گھر کے نوکروں میں سب سے سربرآوردہ تھی۔ غیرت بیگم کو اُس سے مانوس ہونے کا ایک سبب خاص یہ بھی تھا کہ جس طرح مبتلا نے غیرت بیگم پر سوکن کی اسی طرح خاتون پر بھی اُس کے میاں نے سوکن کی تھی۔ غیرت بیگم کا تو ایسی باتوں میں بہت جی لگتا تھا خاتون گھڑیوں اپنی سوکن کی باتیں کرتی اور غیرت بیگم کُرید کُرید کر پوچھتی اور ایک ایک بات کو بار بار کہلواتی پس خاتون نوکر کی نوکر تھی قصہ خواں کی قصہ خواں اور بیوی کی ہمدرد جب خاتون نے دیکھا کہ جس گھڑی سے چنبیلی آئی بیوی کچھ ایسے سوچ میں پڑ گئی ہیں کہ پان تک کھایا نہیں کھانے کا وقت بھی ٹل گیا تو اُس نے قریب جا کر پوچھا کہ بیوی آج جو تم اس قدر اُداس بیٹھی ہو اس کا سبب کیا ہے۔ غیرت بیگم۔ تم نے نہیں سُنا کہ بے غیرت کے یہاں بال بچہ ہونے والا ہے ابھی اُس نے کیا اُٹھار رکھا ہے بال بچہ ہوئے پیچھے تو مجھ کو اس گھر میں گھڑا پانی بھی نہیں پینے دے گی۔ خاتون۔ بال بچہ ہونے

نے والا ہوتا تو حکیم کیا ایسے اندھے ہیں جلّا بول پر جلّا اب
کیوں دیتے۔ غیرت بیگم۔ حکیموں کو دھوکا ہوا۔ اُنھوں نے جانا
ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں دی جارہی ہیں پیٹ میں بادی بھر
گئی ہے۔ اب سنبلی نے دیکھا تو بتایا۔ کیوں خاتون بی میں تو سمجھتی
تھی کنجیوں کے اولاد نہیں ہوتی کیا میری ہی تقدیر پر ایسے پتھر
پڑے تھے کہ مجھ پر کنجنی بھی آئی تو آتے دیر نہ ہوا اور ماں بن جائے
خاتون۔ نہیں بیوی کون کہتا ہے کہ کنجیوں کے اولاد نہیں ہوتی
ہوتی ہے اور نہیں بھی ہوتی کیا تم بھول گئیں میری سوکن کون
تھی اصل نسل کی کنجنی جب میرا میاں اُس کو لایا تو خدا جانے
نام دیں مردوں کی آنکھوں میں کیا پٹی ڈال دیتی ہیں وہ جانتا
تھا کہ سترہ اٹھارہ برس کی لڑکی ہے پیچھے معلوم ہوا کہ چار بچوں
کی ماں تو وہ اس وقت تھی اور ہمارے یہاں تو بیوی پانچ برس
وہ جی میری اتنی روک ٹوک پر سات یا آٹھ دفعہ اُس نے بتاری
کی مگر واہ ری چینیا دائی ہو تو ایسی ہو کبھی چھ تھانہ لگنے دیا۔ غیرت بیگم۔
وہ چینیا اب ہے۔ خاتون۔ مدتیں ہوئیں مر کھپ گئی ستر بہتر برس
کی تو وہ میری سوکن کے وقت میں تھی۔ غیرت بیگم۔ پھر خاتون
کوئی ویسی ہی تدبیر یہاں نہیں کرتیں۔ خاتون۔ بیوی لمنا رہے
یہاں اختاد دوسرے طور کی ہے ہم تو غریب آدمی اب بھی ہیں
اور تب بھی تھے۔ میاں سات روپے مہینے پر ایک عطار کی

دکان پر بیٹھتا تھا۔ سامنے تھا اس بلبیوا کا کوٹھا آدمی تھا وہ بھی طرح دار یہ نامراد اُس کے سر ہو تی ہیں بارہ آنے مہینے کرایہ پر دینا بیگ خاں کے کڑے میں رہتی تھی ذرا سا مکان میرے اکیلے دم کا اس میں بمشکل سے گذر ہوتا تھا سوکن صاحبہ جو آئیں بس میری گود میں بیٹھیں مردوا کمبخت اس طرح کا ظالم کہ گالی نہ سے بٹھنا اس کے آگے ایک بات اور بات بات میں مُکّا اور لات اگر وہ کبھی مجھ کو اور سوکن کو آپس میں لڑتا دیکھ پائے تو دونوں سے کے لگائے۔ سو بیوی اپنی عزت اپنے ہاتھوں نے نوچوں نہیں کی اور ظاہر میں سوکن سے ایسی گھلی ملی رہی رہی جیسے سگی بہن پر دل سے تو وہ میری جان کی دشمن تھی۔ اور میں اس کے ایک جگہ کے رہنے سہنے اور ظاہر کے میل ملاپ سے ایک یہ فائدہ تو تھا کہ میں جو چاہتی تھی سو کر گزرتی تھی اور اس کو یا مردوے کو شبہ نہیں ہونے پاتا تھا۔ تمہارے یہاں بیوی اول دن سے کھلم کھلا بگاڑ پڑے ہوئے ہیں ایسی جگہ کوئی تدبیر چلنی ذرا مشکل ہے نہیں تو کیا بڑی بات تھی چنیا نہیں چنیا کی بہنیں اور بہتیری اور دائی کا بھی اس میں کیا کام ایک سے ایک دوا مجھ کو ایسی معلوم ہے کہ چٹکی بجاتے میں کھڑا پھٹکا نہ کھائے۔ غیرت بیگم۔ اے ہے اچھی میری خاتون ایسی کوئی دوا ہو تو ضرور مجھ کو بتاؤ۔ حسنا تون۔ دوائیں

تو بہت پر کاڑھے ہیں بیٹے کے کچھ لیپ ہیں لگانے کے آج
کو دوا یہاں بنتی چھنتی ہوتی تو کچھ مشکل نہ تھا دوا تو بناتے ہیں
اپنے ہاتھوں سے میاں کوئی کرے تو کیا کرے۔ عبرت بیگم
پھر تم ہی کچھ تدبیر نکالوگی تو نکلے گی ورنہ میں تو اپنی جان پر کھیلے
بیٹھی ہوں اور یہ ہی بات اس وقت میں سوچ بھی رہی تھی خدا
مجھ کو تو اُس کے واسطے نہ رکھے ہائے کن آنکھوں سے
دیکھوں گی کہ اُس کے بچے کھیلتے پھریں اور کن کانوں سے
سنوں گی کہ وہ اماں پکاری جائے تم سے کچھ ہو سکتا ہو
تو کرو نہیں تو تم اکیلی کیا دُنیا دیکھ لے گی کہ جلا ہوا دل بہت
بُرا ہوتا ہے اور کسی پر زور نہیں چلتا اپنی جان جائے گی بلا سے
غیرت میرا نام ہے۔ نام کے پیچھے جان و دل تو سہی۔ غائتون
بیوی خدا کے واسطے تم ایسی ایسی باتیں میرے سامنے تو
کرو مت سُن سُن کر میرے تو ہوش اُڑے جاتے ہیں۔
جان سی چیز کہاں پائے تم اپنے ننھے ننھے بچوں کا منہ کرو۔
خدا تمہاری سلامتی ہیں ان کو پروان چڑھائے۔ الٰہی تم کو
ان کی بہاریں دیکھنی نصیب۔ اور قربان کی وہ نامراد سوکن
خدا چاہے گا تو وہ ہی نہ رہے گی ہر اساں ہو تمہاری
بلا اور غم کرے تمہاری بلا پوش جب خدا نہ کرے تمہاری
ہی جان پر آ بنے گی تو ہم پندرہ بیس بندے جو تمہاری

جوتیوں سے لگے ہیں کیا منہ دیکھنے کے واسطے ہیں پہلے ہم
سب تم پر سے تصدق ہو لیں گے تب جو بات سو بات
پر بیوی جو بات تم چاہتی ہو جان جوکھوں کا کام ہے پہلے
اپنی جان سے ہاتھ دھولے تو اس کا بیڑا اُٹھائیے پھر اس کو
چاہیئے آدمی دل کا پکا پیٹ کا گہرا بھروسے کا پورا کہ خدانخواستہ
کل کلاں کو کچھ ایسی ویسی ہو تو اپنے اوپر جھیل لے جائے اور
مالک کو بال بال بچائے سو تمہارے گھر ہیں تو میں اس ڈھب کا
کسی کو نہیں پاتی جو کریاں ہیں پھوری کہ آدھی بات سن پائیں
تو ایک ایک کی چار چار دل سے بنائیں اور سارے محلے میں دھوم
مچائیں رہ گئیں مامائیں نوکریں تو ہر کسی سے کہتے جی لرزتا ہے۔
اور مجھ اکیلی سے سارا سرانجام ہو نہیں سکتا ایک میرا بھانجا ہے
جو میرے میاں کی جگہ عطار کی دُکان پر نوکر ہے اگر وہ ٹھہر
جائے تو بس سارے کام آسان ہیں دیکھو میں اُس سے
ذکر کروں گی پر بیوی تم اپنی جگہ بھی سمجھ لو میری تو اگر جان
بھی تمہارے کام آجائے تو دریغ نہیں۔ میں نے تمہارا نمک کھا لیا
ہے۔ اور میں اب دنیا میں جی کیا کروں گی بُہتیرا جی چُکی پھول
پر میرا بھانجا بال بچے دار آدمی ہے مگر بھی کچھ اس کی ایسی بہت
نہیں اسے تو کچھ ایسا ہی بھاری لالچ دیا جائے گا تو
شاید وہ اس کام میں ہاتھ ڈالے تو ڈالے۔ غیرت بیگم

مجھ کو تو اگر کوئی کھڑا کر کے بیچ دے تو بھی عذر نہیں پر کسی
طرح اس عذاب سے چھٹکارا ہو۔ خاتون۔ بوی دیکھو
خبردار میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کسی کو کانوں
کان خبر نہ ہو نہیں تو سارے گھر پر آفت آجائے گی۔ غیرت بیگم
خیر خبر مناؤ تم نے کیا مجھ کو ایسا نادان سمجھ لیا ہے
میں خوب سمجھتی ہوں کہ بڑے اندیشے کی بات ہے مجھ کو اپنے
دونوں بچوں کی جان کی قسم کیا مجال کہ منہ تک بات آجائے
خاتون بس تو بات کو اپنی ہی تک رہنے دو جب سب
ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ تو میں تم کو آپ خبر کردوں گی
اور میں تم کو بھی صلاح دیتی ہوں کہ مل جاؤ کیوں کہ
ملاپ میں خوب کام نکلتا ہے مگر اُنھیں تو یہ ہر وقت کا
جھگڑا بکھیڑا تو موقوف کرو ورنہ کرے گا کالا چور اور پکڑے
جائیں گے تمہارے دشمن بُرا چاہنے والے خاتون کے
سمجھانے بجھانے سے غیرت بیگم نے باوجود سے کہ ناوقت
ہو گیا تھا منگوا کر کھانا کھایا اور وہ جو سارے سارے
دن ہر یالی کا جھگڑا لگا رہتا تھا وہ بھی بند ہوا۔ آدمی
لاکھ چھپائے پر دل کی کپٹ بے ظاہر ہوئے نہیں رہتی
لوگ جو چوری یا دوسرے جرموں کے مرتکب ہوتے ہیں اپنے پندار میں بڑی بڑی پیش
بندیاں کرتے ہیں آخر کو وہی پیش بندیاں انکو رسوا اور فضیحت کراتی ہیں یا تو تمام تمام دن دونوں

سوکنوں کی لڑائی کا ایک غل پڑا رہتا تھا یا ایک دم سے ہوا سناٹا تو غیرت بیگم اور خاتون کے سوائے سبھی کو حیرت تھی کہ دلوں میں ایسی کیا نیکی خدا نے ڈالی کہ آپ سے آپ لڑتے لڑتے رُک گئیں باوجودے کہ خاتون نے سمجھا دیا تھا کہ جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا تو میں تم کو خبر دوں گی مگر غیرت بیگم کو اتنا صبر کہاں تھا اُس نے تو اگلے دن ہی سے خاتون کی جان کھانی شروع کر دی۔ کیوں بی اب کب ہو گا کیا دیر ہے کاہے کا انتظار ہے۔ اے ہے کبھی ہو بھی چلے گا یا نہیں۔ بس اب خاک ہو گا۔ تم کو نہیں کرنا منظور تھا تو مجھ کو آس کیوں دی تھی۔ سخی سے سوم بھلا جو ترت دے جواب۔ آخر جب تقاضا حد سے گزر گیا۔ تو ایک دن خاتون نے کہا لو بیوی خدا نے مجھ کو تم سے سُرخ رو کیا اب کہیں اتنے دنوں میں جا کر بڑی مشکل سے معاملہ طے ہوا میں تو سمجھتی تھی خدا جانے میرے سے حامی بھی بھرے یا نہ بھرے اور بھرے تو دس ہزار مانگے یا پندرہ ہزار مانگے پر ماشاء اللہ قسمت تمہاری زبردست ہے سستا چک گیا ایک ہزار روپیہ پہلے اور چپ چپاتے خاطر خواہ کام ہوئے پیچھے ایک ہزار اور جو خدا نہ کرے کھل کھلا پڑے تو دو ہزار غیرت بیگم تو کہہ ہی چکی تھی اگر مجھ کو کوئی کھڑا کر کے بیچ ڈالے تو بھی عذر نہیں سنتے کے ساتھ لگی ہاتھوں سے سونے کے ٹھوس کڑوں کی جوڑی اتارنے کہ اتنے میں خاتون بولی بیوی کڑے

مت دو میراجی کڑھتا ہے ننگے ہاتھ بُرے لگیں گے اور لوگوں میں بھی چھل پڑے گی بلکہ جتنا گہنا تم پہنے رہتی ہو اس میں سے کچھ بھی مت دو۔ غرض جس جس طرح خاتون کہتی گئی کچھ نقد و جنس[۱] ملا کر ہزار پورے کر اس کے پلے باندھے۔ ہزار معجل اور ہزار موجل[۲] کے بدلے خاتون نے یہ کار نمایاں کیا کہ چوہوں کے بہانے سے تھوڑی سی سنکھیا بھانجے سے مانگ لائی دونوں گھروں میں دودھ کا راتب بندھا ہوا تھا گھوسن بڑے سویرے آتی اور سب سے پہلے یہیں کا راتب لاتی۔ خاتون اندھیرے منہ اٹھ مردانے میں جا بیٹھی جوں گھوسن نے پاؤں اندر رکھا کہ خاتون نے اُس سے لڑنا شروع کیا کہ ساری دُنیا میں حلوائی ہوئے گھوسی ہوئے دودھ میں پانی ملاتے ہیں یہ کہیں سے بے چاری الوکھی گھوسن نکلی کہ پانی میں دودھ ملا کر لاتی ہے پرسوں کھیر پکی کسی نے منہ پر نہیں رکھی کل جوں چاہا کہ سویوں میں ڈالیں نیلا نیلا نسوت پانی ہر روز بیوی کو ہم لوگوں پر خفا کر داتی ہے لا تیری ہنڈیا بیوی کو لے جا کر دکھاؤں تب تو انھیں یقین آئے گا غرض زبردستی گھوسن کے ہاتھ سے ہنڈیا چھین ڈیوڑھی میں لے گھسی اور سنکھیا کی پوڑیا دودھ میں گھول ہنڈیا گھوسن کو پھیر دی کہ بیوی کہتی ہیں میرے پاس حرام کا پیسہ

---

[۱] نقد ۱۲۔ [۲] اُدھار ۱۲

نہیں ہے جا دور ہو اب میرے گھر دودھ نہ لانا۔ برسوں کی لگی ہوئی گھوسن اور روز کا راتب اس طرح ملونی کرتی تو اتنی مدت کیوں کر نبھتی بے چارے رونکھی اور کھسیانی ہو کر خاتون کا منہ دیکھنے لگی اور چھوٹے گھر کی ماما کو آواز دے بھری ہنڈیا اُس کے حوالی کی کہ بڑی بی بی نے تو آج کئی برس کے بعد جواب دیا چھوٹی بی بی بھی اگر دوسری گھوسن لگا لیں تو میری ہر روز صبح سویرے کی اتنی ربڑ بچے۔ ہریالی نے دیکھا تو دودھ ہر روز جیسا گاڑھا اور چکنا اس کے جی میں آ گیا کہ میاں کئی بار فیرنی کی فرمایش بھی کر چکے ہیں لاؤ آج قلفیاں جما دیں سارے کا سارا دودھ لے لیا جب دودھ لے چکی تب اس کو خیال آیا کہ آج [1] تو بڑے گھر کی باری ہے ماما سے کہا دیکھو تو کیا مجھ سے بھول ہوئی بڑے گھر کی باری کا خیال نہ رہا اور فیرنی کے لئے اتنا سارا دودھ لے بیٹھی اب کیا کروں ماما نے کہا مضائقہ کیا ہے جاڑے کے دن ہیں اس وقت کی جمی ہوئی باسی قلفیاں تو کل تک ٹھنڈی ٹھنڈی اور بھی مزے کی ہوں گی۔ غرض فیرنی پکا قلفیاں بھر الماری میں رکھ اوپر سے قفل لگا دیا۔ جن لوگوں کے بال بچے نہیں ہوتے جی بہلانے کو اکثر جانور پال لیا کرتے ہیں۔ ہریالی نے بھی طوطا اور مینا اور بلی اور کبوتر اور مرغیاں بہت سے جانور پال رکھے تھے اچھا ایک

---

[1] یعنی میاں بڑے گھر میں رہیں گے۔ ۱۲

پیالہ بھر کر فیرینی ان جانوروں کے لئے الگ نکال کر تھوڑی ماما کے لئے دیگچی میں لگی چھوڑ دی تھی۔ دو سیر دودھ ملا کر پاؤ بھر چانول برابر کی کھانڈ فیرینی کاہے تھی اچھا خاصہ کھویا کہنا چاہیئے جس نے پائی خوب مزے سے کھائی دو گھنٹے نہیں گزرنے پائے تھے کہ سب سے پہلے میاں مٹھو ٹیں ہوئے پھر تو باری باری بے اوپر سویر کوئی جلد کوئی دیر مینا سکڑی بلی بلائی کبوتر چکر لئے مرغیاں اونگنے لگیں۔ ماما مارے قے دستوں کے بدحواس ہو گئی ڈولی میں لاد اُس کے گھر پہنچوا دیا اُس کا بیٹا تھانہ میں نوکر تھا۔ سنتے کے ساتھ بھاگا ہوا آیا۔ ماں کو دیکھا تو آدمی کو نہیں پہچانتی تھی نیم جان کو اٹھا کر ہسپتال لے گیا۔ ڈاکٹر نے پچکاری سے پیٹ صاف کیا پانی جو پیٹ میں سے نکلا تھوڑے سے میں کوئی دوا ڈال کر دیکھا تو سنکھیا تھی آخر ڈاکٹر نے سوچ سوچ کر یہ کہا کہ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اُس نے کتنی سنکھیا کھائی اور ٹھیک کس وقت کھائی لیکن جس قدر اُس کے پیٹ میں سے نکلی ہے اگر اتنی بھی ہضم ہو کر خون میں مل گئی ہو گی تو قاعدہ کی رُو سے اس کو مرنا نہیں چاہیئے۔ غرض سنکھیا کے توڑ کا جو تریاق انگریزوں کے یہاں ہوتا ہو گا اوپر تلے دینا شروع کیا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہوتے بیمار کی طبیعت کچھ سنبھلی آخر لوٹ پیٹ کر اچھی تو ہو لی مگر کچھ ایسیا

لے یعنی مشکل سے ۱۲ ٓے مر گیا

روگ لگ گیا کہ جب تک زندہ رہی مارے دھڑکن کے بے چاری
کو ساری ساری رات بیٹھے گزر جاتی تھی۔ اُدھر ہریالی کے یہاں
جس جس جانور نے ذرا سی فیرینی کھائی سبھی کی تو موت آئی ہریالی
اپنے اس کنبے کے سوگ میں تھی کہ کوئی چار گھڑی دن رہتے
رہتے تو کوتوالی کے لوگ مردانے میں آ بھرے پکڑ دھکڑ ہونے
لگی فیرنی کی قفلیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں کوتوالی
والوں نے فوراً ہسپتال کو ڈاکٹر کے پاس چلتی کیں اور لگے اپنے
دستور کے مطابق ایک ایک کو الگ لے جا جاکر پوچھ پچھ
کرنے غرض چھ گھڑی رات کی توپ نہیں چلی تھی کہ کوتوالی والوں
نے سارا مقدمہ مرتب کر لیا۔ محلے والوں نے اظہار دیئے کہ دونوں
گھروں میں ہر وقت کو سم کا ٹار ہا کرتی تھی اب ہفتے عشرے سے
امن ہے۔ گھوسن نے بیان کیا کہ مدت سے دونوں گھروں میں
دودھ کا راتب لاتی ہوں کبھی کسی نے دودھ کو بُرا نہیں بتایا
کل خاتون نے پہلے پہل مجھ سے کہا کہ تیرے دودھ میں ملونی
ہوتی ہے اور ہنڈیا میرے ہاتھ سے لے ڈیوڑھی میں گھس
گئی اور پھر الٹے پاؤں ہنڈیا لے کر باہر آئی کہ بیوی نہیں لیتیں
میں نے وہی ہنڈیا جوں کی توں چھوٹے گھر میں بھیج دی دونوں
گھروں کی ماماؤں نے ایک زبان گواہی دی کہ گھوسن نے دودھ
کبھی بُرا نہیں دیا۔ حکیم عطار[1] نے تصدیق کی کہ میری دُکان پر خاتون

---

[1] حکیم نام ہے ۱۲

گا بھانجا بیٹھتا ہے اور جس وقت میں دکان پر نہیں ہوتا وہی بیچتا کھوچتا ہے اور میری دکان میں سنکھیا بھی رہتی ہے مگر میری سخت تاکید ہے کہ دیکھو سنکھیا ۔ کچلا ۔ جمال گوٹا۔ سنجرف ' ھڑتال بچناگ ۔ دھتورا ۔ اس قسم کی چیزیں اَن جان آدمی کے ہاتھ مت بیچنا ۔ ان چیزوں کی فروخت کا حساب کتاب میں کیا شہر میں کوئی عطار بھی نہیں رکھتا ر خاتون کے بھانجے کو بلوایا بہتیرا ڈھونڈا اتفاق سے اُس وقت نہیں ملا بلکہ کوتوالی والوں کو شبہ ہوا کہ کہیں خبر پاکر روپوش تو نہیں ہو گیا ۔ بس اسی کے آنے کی کسر رہ گئی ورنہ مقدمہ اُسی وقت لکھا پڑھا ہو کر چالان ہو جاتا گھر کے نوکروں میں خاتون ذرا سب سے زیادہ معزز تھی اور ڈیوڑھی تک بھی بہت ہی کم آتی جاتی تھی کوتوالی والوں کو ہوا تامل اس کو دوسرے نوکروں کی طرح باہر بلوائیں یا آپ ڈیوڑھی کے پاس جاکر اُس سے پوچھ پاچھ کریں اتنے میں تو سید ناظر خبر پاکر آموجود ہوئے اگر ناظر ذرہی دیر اور نہ آتے تو خاتون کی کیا اصل تھی کوتوالی والے تو اُس کے اچھے سے قبول کروا لیتے بلکہ وہ تو اس فکر میں تھے کہ اپنی طرف سے کسی عورت کو اندر بھیج کر خود بیگم صاحب کی مزاج پُرسی کریں ناظر کا آنا تھا کہ مقدمے کا رنگ بدل گیا کوتوال نے مناسب سمجھا کہ رات گئی ہے زیادہ اس وقت تحقیقات کو ملتوی کیا جائے

فیرنی کی قلفیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں یہی دو بڑے ثبوت تھے دونوں ہمارے ہاتھ میں ہیں اب ناظر نہیں ناظر کا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں تو کیا کریں گے ماما کے پیٹ میں سے سنکھیا نکل چکی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اتنے سارے جانور سب سنکھیا سے مرے اور فیرنی میں سنکھیا موجود۔ اب رہ گئی یہ بات کہ سنکھیا دی تو کس نے دی سو نہ دونوں سوکنوں سے انکار ہو سکتا ہے اور نہ دونوں کی عداوت سے۔ زہر خورانی کا مقدمہ اس سے زیادہ اور کیا صاف ہو گا۔ صاحب مجسٹریٹ کوتوالی کے چالان کئے ہوئے مجرم اکثر چھوڑ دیا کرتے ہیں اور اُن کو کوتوالی کے ساتھ خدا واسطے ایک ضد سی آپڑی ہے لیکن اگر اس مقدمے کو بگاڑا تو علم کی قسم صاحب سپرنٹنڈنٹ کو سمجھا کر صدر کو ایسی رپورٹ کراؤں کہ جواب دیتے نہ بن پڑے اور میاں ناظر کو بھی وکالت کا بڑا گھمنڈ ہے بڑی مدت میں اونٹ پہاڑ کے تلے آیا ہے دیکھیں تو اب ہائی کورٹ کی کون سی نظیر پیش کر کے بہن کو بچاتے ہیں۔ غرض کوتوال خاتون کو ناظر کے سپرد کر کے حوالہ نامہ لکھوا گھوسن کو ساتھ لے چلتا ہوا اور سیدھا پہنچا صاحب سپرنٹنڈنٹ کے پاس اور اُن کو مقدمے کی روداد سمجھا کر کہا کہ مقدمہ ہے سنگین اور مجرم عورتیں پردہ نشین سیّد ناظر وکیل کا نام حضور نے سُنا ہو گا۔ اصل میں اُن

کی بہن نے سوکن کو زہر دلوایا مگر وہ اتفاق سے بچ گئی کل حضور بھی موقع واردات تک چلیں ورنہ وکیل صاحب بڑے شورہ پشت اور ثقہ بدمعاش ہیں ہم لوگوں کے قابو ہیں آنے والی آسامی نہیں۔ ادھر ناظر بہن پاس گیا تو دیکھا کہ مارے ہول کے دست پر دست چلے آ رہے ہیں دیکھتے کے ساتھ ہوش ہی خطا ہو گئے اور سمجھا سب سے بڑا ثبوت تو خود ان کی حالت ہے آخر بہن سے اتنا کہا کہ بڑے بھائی نے تم کو اس قدر ڈرا دھمکا دیا تھا مگر تم نے نہ مانا اور دل کی بودی طبیعت کی کچی ہمت کی ہیٹی تھیں تو ایسے کام پر تم کو جرأت کیوں کر ہوئی بس اب تین پہر رات اور ہے صبح ہوئی اور تمہاری ڈولی کوتوالی چلی بھائی کے منہ سے اتنی بات سن غیرت بیگم کو اور تو کچھ نہ سوجھا بہت دن ہوئے تولہ بھر افیون منگوا کر صندوقچے میں رکھ چھوڑی تھی دوڑی دوڑی کوٹھری میں جا صندوقچہ کھول افیون کا گولا نگل اوپر سے بھر اکٹورا پانی کا پی لیا بتول کی انا کو یہ حال معلوم تھا کہ انہوں نے صندوقچے میں افیون رکھ چھوڑی ہے دالان کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی بھائی بہن کی باتیں سن رہی تھی۔ بیوی کو جو اس طرح گھبرا کر اندھیری کوٹھری میں جاتے ہوئے دیکھا جلدی سے بتول کو چارپائی پر لٹا پیٹتی ہوئی بھاگی کہ اے ہے خاک پڑے اس جھگڑے پر لو اب تو

دشمنوں کو ٹھنڈک پڑی وہ بیوی نے افیون کھالی۔ اتنے میں
تو غیرت بیگم بھی کوٹھری سے یہ کہتی ہوئی نکلی کہ بھائی تم کچھ تردد
مت کرو میں بری تھی بُری ہی سے خدا نے تم سب کا پیچھا چھڑایا
صبح تک میں ہی نہیں رہونگی کوتوال کو اختیار ہے میرا مردہ
لے جا کر کوتوالی میں دفن کرے۔ زہر خورانی کا ایک مقدمہ تو
قایم تھا ہی اقدام خودکشی کا دوسرا اور ہوا۔ معصوم اور بتول
دونوں بے خبر پڑے سوتے تھے۔ غیرت بیگم نے سوتوں کو گود
میں لے کر پیار کیا اور دونوں کو گلے لگا کر ایسی بلک بلک کر روئی
کہ گھر میں قیامت برپا ہو گئی۔ ناظر نے جو بہن کا بلبلانا دیکھا
اور ساتھ ہی خیال آیا کہ بس یہ بھی دُنیا میں تھوڑی دیر کی
مہمان اور ہے پھر کہاں ہم اور کہاں بہن اُس کے سر پر ایسا
جنون سوار ہوا کہ نہ پکارا نہ کنڈی کھڑکھڑائی نہ دستک دی نہ
اجازت لی مُنہ اُٹھا سیدھا چھوٹے گھر میں جا گھسا دونوں میاں
بیوی سر جوڑے بیٹھے ہوئے خدا جانے کیا صلاحیں کر رہے تھے
مبتلا نے آہٹ پا کر دُور ڈانٹا ایں ایں کیا بدتمیزی ہے اندھے
ہو تم کو معلوم نہیں کہ پردہ ہے اُس مرتبہ بہن کو مداخلت
بیجا کی نالش پر آمادہ کرتے تھے اب یہ مداخلت بیجا نہیں ہے
ناظر۔ اللہ رے تیرا پردہ نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی
یہی نالایق پردے والی بنی تو پردے والی نے افیون کھائی

اور دُنیا جہاں سے روپوش ہونے کی تیاری کی۔ مبتلا۔ الحمدللہ خس کم جہاں پاک مگر ذرا تم خیریت سے چلتے پھرتے تو نظر آؤ سامنے سے پرے ہٹتے ہو یا میں اٹھ کر تم کو راستہ دکھاؤں مبتلا کا اتنا کہنا تھا کہ ناظر یا تو صحن میں تھا یا مبتلا کی چھاتی پر۔ پھر تو دونوں میں خوب کشتی ہوئی۔ ناظر دیہات میں پیدا ہوا دیہات میں پلا ہاتھ پاؤں کا ٹھلا۔ گٹھیلا برسوں اکھاڑے کا لڑا ہوا بیسیوں داؤ یاد۔ پچاسوں گھاتیں معلوم سینکڑوں پیچ رواں اور اب تک بھی دو وقتہ ڈنڑ مگدر کبھی اُس نے ناغہ نہیں ہونے دیئے۔ مبتلا۔ بے چارے نازنین میرزا مرزا جیسی ناظر نے وہ وہ پٹخنیاں دیں اور ایسا رگڑا کہ آنکھیں نکل نکل پڑیں اور سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے۔ مبتلا کے پاس پھکیتی پھبتی کل جمع تین حربے چٹکیاں لینا نوچنا کاٹنا سو ناظر کی پھرتی کے مقابلے میں ایک بھی کارگر نہ ہوا۔ مبتلا کو اگر معلوم ہو کہ یہ کم بخت چھوٹا گھوٹا چھپا رستم ایسے غضب کا بچھا ہوا ہے تو کبھی بھول کر بھی اس سے دو بدو نہ ہو مگر اس کی تقدیر میں تو دو بیبیاں کرکے ہر طرح کی مصیبت اٹھانی تھی چھوٹا سمجھ کر اُس کو ایک ڈانٹ بتائی بیٹھے بٹھائے اور اپنی شامت لوائی۔ ہریالی نے جب دیکھا کہ میاں کو ناظر گیند کی طرح اچھالے پڑا پھرتا ہے۔ یہاں سے اٹھایا

اور وہاں دے مارا اور اُدھر سے اُچھالا اِدھر لا پٹکا
ایسی دہشت دل میں سمائی کہ اُس کا حمل جس کے سبب
سے اتنا سارا فساد ہوا ساقط ہو گیا۔ ناظر گیا مبتلا کو جنیا چھوڑتا
وہ تو خدا کا کرنا عین وقت پر سید حاضر آ پہنچے دیکھا تو گھر میں
مجموعہ تعزیرات ہند پھیلا پڑا ہے مگر گیا قایم مزاج آدمی تھا
آتے کے ساتھ سب سے پہلے تو ناظر اور مبتلا کو چھڑایا پھر
نمک ڈال بھر بھر لوٹے گرم پانی غیرت بیگم کو پلانا شروع
کیا۔ غیرت بیگم اس طرح کی ضدی عورت تھی کہ اگر
ساری دنیا ایک طرف ہوتی تو گرم پانی کا کٹورا منہ کو نہ لگانے دیتی
مگر کچھ تو بڑے بھائی کا لحاظ اور ادھر چپکے سے کسی نے کان
میں جھک کر کہہ دیا کہ مبارک ہو ہریالی کا حمل تو گر گیا بے عذر
خوب ڈگڈگا کر پانی پی لیا پانی کا حلق سے اُترنا تھا کہ استفراغ
ہوا اور استفراغ کے ساتھ کھٹ سے افیون کا گولا سمُوچے
کا سموچا نکل کر الگ جا پڑا اُدھر ہریالی کے لئے دوہری
دوہری دائیاں بلوائیں اور پھر مبتلا اور ناظر دونوں کو
ساتھ لے جا کر بیٹھا کہ ہر چند تم دونوں کی طبیعتیں اس وقت
حاضر نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ مزاج میرا بھی ٹھکانے نہیں مگر
میں دیکھتا ہوں تو آدھی رات ڈھل چکی ہے صرف سوا پہر
کی مہلت ہے تو سامان تو بدقسمتی سے ایسا جمع ہوا ہے کہ اب

آبرو بچتی ہوئی نظر نہیں آتی اور جب آبرو پر بنی تو سب سے پہلا شخص جو جان دینے میں دریغ نہ کرے میں ہوں دیکھو تو کتنے آدمی ہم لوگوں کے ملاقاتی ہیں مگر ہمدردی اور مدد تو درکنار مرد عورت کوئی آکر بھی جھانک کا پیچ کہا ہے گاڑھی بھر آشنائی کام کی نہیں اور رتی بھر ناتا کام آتا ہے۔ بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ جب ناتے سے کام لینے کا وقت آیا تو تم لوگ آپس ہی میں لڑنے لگے۔ جس طرح پر تم دونوں میں لڑائی شروع ہوئی ہیں سب سن چکا ہوں تم میں سے کسی کو مجھ سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ میں ایک کو ملزم ٹھیراؤں اور دوسرے کو بری جس طرح تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اسی طرح لڑائی کبھی ایک کے لڑنے سے نہیں لڑی جاتی ہیں تم دونوں کو برابر الزام دیتا ہوں لیکن رشتہ داروں میں اگر کسی بات پر ترنج بھی ہو جاتی ہے تاہم ان کے خون ملے ہوئے ہیں وہ ظاہر میں جُدا ہیں اور باطن میں ایک۔ غیرت بیگم کا افیون کھا لینا سن کر مبتلا بھائی کو الحمد للہ منہ سے کہہ دینا بہت آسان تھا لیکن جب غیرت بیگم کی مدت حیات پوری ہو اور خدا کرے کہ مبتلا بھائی اس کو اپنے ہاتھوں سے مٹی دیں تو دنیا میں سب سے بڑھ کر رنج کے کرنے والے بھی یہی ہوں گے گھر کس کا برباد ہوگا ان کا۔ اولاد کس کی بے ماں

کے ماری ماری پھرے گی۔ ان کے کنبے والوں کا میل ملاپ کس سے چھوٹ جائے گا ان سے بھلے مانسوں میں جو خانہ داری کی ساکھ ہوتی ہے یعنی تمدنی عزت وہ کس کی جاتی رہے گی ان کی۔ اس میں شک نہیں چھوٹی بھاوج کی وجہ سے دلوں میں بڑے فرق پڑ گئے ہیں اور پڑنے ضرور تھے مگر پھر بھی غیرت بیگم کی ناموس کا پاس ہم کو چھٹانک بھر ہوگا تو مبتلا بھائی کو سیر بھر میں جانتا ہوں کہ مبتلا بھائی بڑے ضبط کے آدمی ہیں منہ سے نہیں کہتے مگر ان کے تلووں سے لگی ہے ناظر کیا کوئی تم سے خیر کی توقع کرے گا جب تم ایسی مصیبت میں مبتلا بھائی کی مدد نہ کرو ہزاروں مقدموں میں تم بہ طمع صلہ پیروی کرتے ہو اس ایک مقدمہ میں صلۂ رحم کو صلہ سمجھو اور میری خاطر سے اپنی بہن کی خاطر سے بھانجا بھانجی کی خاطر سے غصّے کو تھوک کر بچاؤ کی کوئی صورت نکالو اور تم مبتلا بھائی از برائے خدا رحم کرنا اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر بزرگوں کے نام پر خاندان کی عزت پر تم کو معاملات مقدمات کا کبھی اتفاق نہیں پڑا کوتوالی والے مدت سے تم پر دانت لگائے بیٹھے ہیں خدا جانے کس بلا میں تم کو پھنسا دیں گے۔ ناظر تمہارا خرد ہے اگر اس نے بے تمیزی کی تو بہت بُرا کیا۔ جھک مارا میں اس کی طرف سے معذرت کرتا اور تمہاری تھوڑی میں ہاتھ ڈالتا ہوں

جانے دو معاف کر دو۔ اس کے بعد ناظر کو پکڑ کر مبتلا کے پیروں پر گرایا اور ناظر اور مبتلا دونوں کو گلے لگوایا وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے مل کر رو دئے حاضر بہن کی تباہی کا تصور کر کے مغموم تو پہلے سے تھا اب ان کو روتا ہوا دیکھ کر آپ بھی رونے لگا۔ جب سب کے دلوں کی بھڑاس نکل چکی تو حاضر نے ناظر سے پوچھا کیوں بھائی اب کرنا کیا چاہیئے۔ ناظر خیر اب آپ فرماتے ہیں اور آپا کا قدم درمیان میں ہے تو میں اس مقدمے میں ہاتھ ڈالتا ہوں مگر مبتلا بھائی نے آج اس رنڈی کے سامنے (آپ برا مانیں یا بھلا مانیں میں تو اس کو ساری عمر بھاوج کہنے والا نہیں) ایسا ذلیل کیا ہے کہ میں اس رنج کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ جب آپا نے میرے بیٹھے پر افیون کھائی تو میں گھبرا کر اس غرض سے ان کے پاس دوڑا ہوا گیا تھا کہ ہم دونوں ہم صلاح ہو کر تدبیر کریں انہوں نے مجھ کو دروازے میں سے دیکھ کر اس طرح دتکارا کہ کوئی کتے کو بھی نہیں دتکارتا مجھ کو رہ رہ کر غصہ آتا ہے کہ انہوں نے تو شرم اور حیا سب کو بالائے طاق رکھ دیا اب آپ کے سامنے منہ کھلواتے ہیں کل کی بات ہے کہ یہی نالائق جو آج بڑا لمبا چوڑا پردہ لگا کر بیٹھی ہے اپنے اختیار جی چاہتا ہے کہ مارے جوتیوں کے بد ذات کے سر پر

ایک بال باقی نہ رکھوں) ٹکے ٹکے پر ماری ماری پڑی پھرتی تھی اور کوئی اس پر تھوکتا بھی نہیں تھا۔ ان ہی سے پوچھئے کہ کئی بار میرے یہاں اس کا مجرا ہوا جب آتی تھی ڈیوڑھی میں سے فرشی سلام یا اب اس کو یہ بھاگ لگے ہیں کہ ہمارے سامنے ہونے سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے۔ عزت بنائے سے نہیں بنتی بلکہ خداداد چیز ہے آج تو یہ پردہ نشین بنی کل کو سیدانی بن کر چاہے گی کہ ہماری ماں بہنوں کے ساتھ بیوی کی صحنک کھائے پرسوں اس کے بال بچے ہوں گے اور کہے گی کہ سیدوں میں رشتہ ناتا کرتی ہوں تو کوئی بھلا مانس اس کو جائز رکھے گا۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب ہماری آپا کا صبر پڑ رہا ہے اور ابھی کیا ہے یہ منظلمہ تو مبتلا بھائی کو ایسے ناچ نچائے گا کہ ہریالی کو ساری عمر ایسا ناچ ناچنے کا اتفاق نہ ہوا ہو گا۔ ناظر تو باتوں باتوں میں گرم ہوتا جاتا تھا اور مبتلا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں کہ اگر اب کے پھر کہیں یہ جن لپٹ پڑا تو ہڈی پسلی ایک کر کے رکھ دیگا. حاضر کے بیٹھے کی ڈھارس نہ ہو تو قریب تھا کہ مبتلا کی گھگھی بندھ جائے بارے حاضر نے کہا بھائی ناظر یہ تو تم پھر بگاڑ کی سی باتیں کرتے ہو۔ سچ ہے کہ مبتلا بھائی کی نادانی نے سارے گھر کو تہ و بالا کر دیا۔ مگر یہ بھی تو نہیں ہو

سکتا کہ ہم غیروں کی طرح دور کھڑے ہوئے تماشا دیکھیں۔ ناظر
یہ تو میں نے وہ حقیقت بیان کی جو میرے دل میں مخفی رہ گیا
مقدمہ اُس سے آپ اطمینان رکھئے۔ مبتلا بھائی کو روپیہ تو بہت
خرچ کرنا پڑے گا ایسا کوئی پانچ چھے ہزار مگر خدا نے چاہا تو ان
پر اور ان کے طفیل میں ہریالی پر کوئی گزند نہیں آنے پائے
گا۔ اس وقت تک مبتلا کو مقدمے کی واقعی روداد اور کوتوالی
کی تحقیقات سے اپنی اور ہریالی دونوں کی طرف سے پورا
اطمینان تھا اور دونوں اپنی جگہ خوش تھے کہ چاہ کن را چاہ
در پیش سنکھیا دہی اس غرض سے کہ ہم دونوں کھائیں اور
مر کر رہ جائیں خدا کی قدرت ہم دونوں کے مُنہ پر رکھنے کی
بھی نوبت نہیں آئی اور اوپر ہی اوپر ماما کے بیٹے نے جا سرکار
میں خبر پہنچائی اب لینے کے دینے پڑے غیرت بیگم کو پھانسی ہو
تو پھانسی ورنہ عمر قید میں تو شک ہی نہیں چلو سنتے چھوٹے اور
روز کا ٹنٹا مٹا۔ ناظر کے منہ سے یہ کلام سن کر کہ پانچ چھے ہزار
روپے خرچ کرو تو تم پر گزند نہیں آنے پائے گا مبتلا تو حیران ہو کر اس کا منہ
دیکھنے لگا اور بے اختیار بول اٹھا کیوں صاحب الٹا چور کوتوال کو
ڈانڈے مجھی کو زہر دیا جائے اور میں ہی گزند سے بچنے کے لئے پانچ چھ
ہزار روپے بھی خرچ کروں کیا انگریزی عملداری میں یہی انصاف ہے
ناظر۔ ہوش بنواؤ تماش بینی اور شے ہے اور مقدمے کی باریکی

کو پہنچیا کچھ اور چیز ہے تم کو اتنا تو معلوم ہی نہیں کہ معاملہ کس کو کہتے
ہیں اور مقدمہ کس جانور کا نام ہے میں تو زبان دے چکا ہوں
اور بدعہدی کسی شریف آدمی کا کام نہیں اس لیئے چند تہ کی باتیں
تم کو سمجھاتا ہوں کوتوالی کی تحقیقات کو عدالت میں کوئی پوچھتا تک
نہیں۔ روداد وہی معتبر ہے جو عدالت کی مثل میں ہو گیا تم نے نہیں دیکھا
کہ کوتوالی کے لوگ زبانی پوچھ گچھ کے سوا کسی کا اظہار تک قلم بند کر نہیں
سکتے اصل بات یہ ہے کہ پہلے کوتوالی اور فوجداری ایک تھی جب یہ لوگ لگے
اظہار کارگزاری کے لیئے ہر واردات بے سراغ کے لیئے مجرم بنانے اور اصل
مجرموں سے سازش کر کے بے گناہوں کو ناحق پھنساتے تو سرکار نے کوتوالی
اور فوجداری کو الگ کر دیا۔ اب تو کوتوالی والوں کا اتنا ہی اختیار ہے کہ
جس کو اپنے نزدیک مجرم سمجھیں حاکم عدالت کے پاس چالان کر دیں
حاکم عدالت مدعی اور مدعا علیہ گواہوں کے اظہار قلم بند کرتا ہے
اور اپنے یہاں کی روداد پر سزا یا رہا کرتا ہے۔ کوتوالی والے
اناپ شناپ جس کو پکڑ پاتے ہیں چالان کر دیتے ہیں عدالت
میں گئے اور رہا ہوئے اور ہمارے صاحب مجسٹریٹ کوتوالی
سے اس قدر بدظن ہیں کہ مجسٹریٹی کا اجلاس کرتے ہوئے پورا
برس نہیں ہوا اتنے ہی دنوں میں کوتوالی والوں سے جیل
خانہ بھر دیا۔ غرض کوتوال اور ان کی تحقیقات کی تو کچھ
بھی حقیقت نہیں اب رہ گئی مقدمہ کی روداد سو اسکا حال یہ

ہے کہ سنکھیا تو حقیقت میں پکڑی گئی ۔ ہریالی کے یہاں پس مدعا علیہ
اول ہوئی ہریالی اور پہلے اسی پر اشتباہ کیا جائے گا کہ اسی
نے فیرینی میں ڈالی یا ڈلوائی ۔ بھلا وہ کم بخت بدنصیب کس
کو سنکھیا دینے اٹھی تھی ۔ اپنے تئیں یا مجھ کو یا اپنی ماما کو جو
سالہا سال سے نوکر ہے اور کبھی اس کو پھٹے منہ تک نہیں
کہا یا اپنے پالے ہوئے جانوروں کو جنہیں وہ بچوں کیطرح
عزیز رکھتی ہے ۔ ناظر۔ جانوروں کی تو بات الگ ہے لیکن
دوسرا احتمالات میں تو کوئی استبعاد[1] کی بات نہیں ۔ ہو سکتا
ہے کہ اس نے خود سنکھیا کھانے کا ارادہ کیا ہو عورتیں
اکثر خودکشی کر بیٹھتی ہیں یا تم کو اس نے زہر دینا چاہا ہو
تو عجب بات نہیں بازاری خلقت کا بھروسا کیا خدا جانے
اس نے کیا سمجھ کر تم سے نکاح پڑھایا اور اب جو اس کی
مراد بر نہ آئی تو اس نے اپنا پنڈ چھڑانے کے لئے یہ تدبیر کی ۔
اگر وہ اپنی حالت سابقہ پر عود کرنے کی آرزومند ہو تو اس
سے کچھ دور نہیں ۔ ماما تم خود کہتے ہو کہ اس کے پاس مدت
سے ہے تو ضرور اس کے پچھلے حالات سے بخوبی واقف ہوگی
اور عداوت کے لئے اتنی بات کافی ہے اور سنکھیا کے لئے تمہاری
اور ہریالی کی اور ماما کی کیا تخصیص ہے معصوم سارے سارے

---

[1] بعید از قیاس ہونا ۱۲۔

دن ہریالی کے یہاں رہتا ہے وہ یقیناً اس کی جان کی دشمن ہے
ان کے علاوہ ایک احتمال اور ہے اور وہ سب میں زیادہ قرین قیاس
ہے کہ آپا کے پھنسانے کے لئے یہ سارا منصوبہ سوچا گیا ہے ورنہ سبب
کیا کہ جانوروں تک کو فیرینی کھلائے اور آپ منہ تک نہ لے جائے اور
بدذات نے کیا چالاکی اور بے رحمی کی ہے کہ بے زبان جانوروں کو
تو اتنی فیرینی کھلائی کہ ایک نہ بچا اور لہو لگا شہیدوں میں داخل
ماما کو بھی ذرا سی چٹا دی کہ دو چار دست آکر اچھی خاصی کی خاصی
مبتلا۔ ہاں لیکن کیا گھوسن کی گواہی پر لحاظ نہ ہوگا۔ ناظر۔ کیا معلوم
کہ عدالت تک پہنچتے پہنچتے گھوسن اپنے بیان پر قائم بھی رہتی ہے یا نہیں
اور فرض کرو کہ قائم رہے تو اس نے تو سنکھیا کا نام تک بھی نہیں لیا بلکہ
میری نظر سے دیکھو تو گھوسن کا بیان ہریالی کے حق میں سم قاتل ہے
وہ کہتی ہے کہ خاتون نے مجھ کو دودھ کی ہنڈیا واپس کر دی بہت
خوب۔ ہریالی نے جب یہ سن لیا تھا کہ بڑے گھر سے دودھ برا سمجھ
کر واپس کیا گیا تو اس نے چپ چپاتے ضرورت سے زیادہ بھری
کی بھری ہنڈیا رکھ کیوں لی۔ بس یہیں تو پانی مرتا ہے اس سے
صاف شبہ ہوتا ہے کہ ہریالی نے گھوسن سے مل کر اسی کے گھر
دودھ میں سنکھیا گھلوائی اور جب خاتون دھوکے میں نہ آئی تو دوسری
چال چلی اور پھر یہ بھی سمجھ لو کہ ہریالی اور تم دو نہیں ہو ہریالی کا کرنا
عین تمہارا کرنا ہے اور ابھی خاتون کے بیان کی تو نوبت آنے دو

دیکھو تو وہ کیا زہر اگلتی ہے۔ کوتوالی والوں کی کارروائی میں فی الواقع ہمیشہ ایک بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ تحقیقات سے پہلے مقدمے کو کسی ایک پہلو پر ڈھال لے جاتے ہیں اور پھر اخیر تک باصرار اسی پہلو کی تائید میں لگے رہتے ہیں جو باتیں میں نے تم سے سرسری طور پر بیان کی ہیں ان میں سے ایک کی طرف بھی کوتوال صاحب کا ذہن منتقل نہ ہوا ہوگا اور ہم لوگوں کو تو باتیں حاکم کی میز پر سوجھتی ہیں عین وقت پر کچھ اس طرح کا بہرہ کھل جاتا ہے کہ خود بخود بات میں سے بات نکلتی چلی آتی ہے۔ مبتلا کی ساری ہمت تمام عمر رہی مصروف حسن و عشق میں مدعی اور مدعا علیہ بننا درکنار اس کو کبھی گواہی دینے کا بھی اتفاق نہیں پڑا۔ بچپن کا لاڈلا جوانی کا چھیلا وہ وکیلوں کے چھل فریب کیا سمجھے ناظر نے جو الٹی سیدھی باتیں سمجھائیں چھکے ہی تو چھوٹ گئے اور سمجھا کہ بس اب نہیں بچتا۔ سنکھیا کا غصہ ہریالی کا رنج اپنی چوٹ اگلے پچھلے گلے شکوے سب کچھ بھلا بسرا ناظر کے گلے سے لپٹ گیا کہ بس اب اوپر خدا ہے اور نیچے تم چاہو مارو چاہو جلاؤ چاہو اجاڑو چاہو بساؤ۔ ناظر۔ مقدمہ تو میری طرف آیا گیا ہوا اور سمجھو کہ مقدمے کا میں بیمہ لے چکا خرچ کا بندوبست تم کرو مبتلا۔ خرچ کا بندوبست بھی تم ہی کو کرنا پڑے گا تم کو تو گھر کا ذرا ذرا حال معلوم ہے۔ ناظر۔ کیا مضائقہ خرچ کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ مگر آخر دینا تو تم ہی کو پڑے گا۔ مبتلا۔ کوڑی کوڑی

ناظر خیر تو آپ دو رقعے میرے نام لکھئے ایک تو کل کی تاریخ میں کہ چوہوں کی جیسی کثرت ہے تم کو معلوم ہے اب تو یہ نوبت پہنچی ہے۔ کہ کھونٹیوں پر ٹنگے ہوئے کپڑے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے کئے ڈالتے ہیں۔ ناچار تھوڑی سنکھیا منگوائی پڑیا چھوٹے گھر کے بیچ والے دالان میں اس خیال سے کہ کسی کا ہاتھ نہ پڑے اونچے پر رکھوائی تھی یہ ذکر کوئی سات یا آٹھ دن پہلے کا ہے کل کیا اتفاق ہو کہ شام کے وقت ایک روپے کی کھانڈ کا پڑا آیا اور جیسا دستور ہے پڑے کے ساتھ نمونے کی پڑیا۔ سنکھیا کا تو خیال نہ تھا کھانڈ کا پڑا اور پڑیا دونوں کو اسی طاق میں رکھوا دیا جس میں سنکھیا کی پڑیا تھی آج خود گھر والی نے اپنے ہاتھ سے فیرینی میں کھانڈ ڈالی تو انہوں نے کہا پڑیا کی کھانڈ بھی کیوں ضائع ہو پڑا اور پڑیا دونوں اوتارتی لائیں مگر پڑیا سنکھیا کی تھی باورچی خانے میں یوں بھی دھوئیں کی وجہ سے کچھ دکھائی نہ دیا اور چوں کہ دل میں کسی طرح کا کھٹکا نہ تھا انہوں نے دیکھا بھی نہیں فیرینی پک کر تیار ہوئی تو تھوڑی جانوروں کو دی جو گھر والی نے اپنے شوق کے لئے پال رکھے تھے اور جو دیگچی میں لگی رہ گئی تھی ماما نے پونچھ کھائی۔ جانور تو مر گئے ماما کو کچھ دست آئے مگر بچ گئی کوتوالی کے لوگ مقدمے کو طول دینا چاہتے ہیں تم مختارکارانہ اس کی خبر گیری کرو اور دوسرا

رقعہ اب سے مہینے سوا مہینے جتنے دن پہلے کا چاہو لکھ دو کہ مجھ کو اتنے روپے کی ضرورت ہے جہاں سے بن پڑے بندوبست کر دو بس اللہ اللہ خیر صلاح اور چین سے پیر پھیلا کر سو رہو سنکھیا کے رقعے کا مضمون سن کر تو مبتلا کی عقل دنگ ہو گئی اور سمجھا کہ ناظر بھی بڑا زہر کا بجھا ہوا ہے دیکھو تو کیا مغز سے بات اتاری ہے میں ایسے شخص سے کیا پار لے جا سکتا ہوں میرا بچاؤ تو اسی میں ہے کہ جو یہ کہے اس میں ذرا کان نہ ہلاؤں غرض اسی وقت دونوں رقعے لکھ ناظر کے ہاتھ دئے اور پوچھا کہ بھلا صاحب اب صبح کو توال صاحب آئیں تو کیا کرنا ہوگا ناظر نے کہا اب بندۂ درگاہ کے رہتے کوتوال صاحب کیا آتے ہیں آب آمد تیمم برخاست اور اگر آئے بھی تو کوتوال بن کر نہیں۔ بلکہ نڈھال بدحال سراپا اضمحلال۔ مبتلا۔ اور کیوں صاحب جیسا اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا اگر اس نے انگریز کو جو کوتوالی کا افسر ہے۔ لا کھڑا کیا۔ ناظر۔ اوہم سگِ زرد برادرِ شغال۔ باوجودے کہ ابھی جھٹ پٹا تھا ناظر فوراً سوار ہو سید صا کوتوال کے پاس پہنچا کوتوال سمجھا کہ ایسے وقت آئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے ضرور کچھ نہ کچھ بوہنی کرائیں گے۔ دور سے ہنس کر بولا آئیے آج تو سویرے ہی سویرے اچھے سمی کے درشن ہوئے میں تو آپ کے یہاں آنے کو

وردی پہن کر تیار لیس بیٹھا ہوں صاحب سپرنٹنڈنٹ سے سات بجے کا وعدہ ہے۔ ناظر۔ کیا تیار بیٹھے ہو وہاں تو رات بڑا غضب ہو گیا۔ کوتوال کیا کوئی اور صاحب سنکھیا کھا کر شہید ہوئے۔ ناظر۔ نہیں سنکھیا تو نہیں مگر آپ تو جانتے ہیں مبتلا کھائی کے گھر میں جو وہ دوسری عورت ہے پورے دنوں سے تھی کل نہیں معلوم آپ کے سپاہیوں نے اس کو کیا کیا ڈرایا دھمکایا طبیعت تو اس کی آپ کے رہتے ہی بگڑ چلی تھی آپ ادھر آئے شاید کوتوالی بھی نہ پہنچے ہوں گے کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا ساری رات اسی کے تردد میں پلک نہیں جھپکی۔ خیر حمل تو حمل اب اسی کی جان کے لالے پڑے ہیں دیکھئے وہ بھی بچتی ہے یا نہیں مبتلا کھائی کو اس عورت کے ساتھ اس درجے کا تعشق ہے کہ جس وقت سے یہ واردات ہوئی ہے سارے گھر میں بولائے بولائے پڑے پھر رہے ہیں وہ تو ڈاکٹر چنبیلی کو بلانے تھے میں نے بہزار مشکل روکا کہ انگریزوں کے کان پڑی ہوئی بات پھر اپنے قابو کی نہیں رہتی ایک چھوڑ دو دو دائیاں بلوادی ہیں بارے اب کہیں جا کر کسی قدر طبیعت سنبھلی تو میں آپ کے پاس بھاگا ہوا آیا ہوں تو رقعہ لکھنے کو تھا پھر خیال آیا کہ خدا جانے کس کے ہاتھ پڑے آپ چل کر کہنا چاہئے۔ یہ کہنا تھا کہ کوتوال کو کاٹو تو بدن میں لہو کی بوند نہیں گڑگڑا کر بولا آپ نے یہاں ہم

تابع داروں کی مجال ہے کہ ڈرائیں دھمکائیں یا کوئی خلاف قاعدہ کارروائی کریں۔ آپ جس وقت تشریف لائیں ہیں آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ مردانے میں صرف دو ہی کانسٹبل میرے ساتھ تھے اور وہ دونوں بھی بے چارے الگ اصطبل کے پاس کھڑے تھے ہیں نے آپ کے آدمی وفادار کے ہاتھ ماماؤں اور لونڈیوں کو بلا بلا کر ہوئے سے دو دو باتیں پوچھ لیں اصل حقیقت تو یہ ہے اور ہم نے تو جس دن پولیس میں نام لکھوایا اسی دن سمجھ لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن ضرور قید ہوں گے یہ ایسی نیسی نوکری اس قسم کی ہے۔ کوئلوں کی دکان داری کہ بے منہ کالا منہ ہوئے نہیں رہتا۔ بڑوں کا کہا اور آنولے کا کھایا پیچھے مزا دیتا ہے لالہ[۱] جی بہتیرا سر ٹپکتے رہے کہ ہم لوگ ٹھہرے لکھنی چند ہم کو سپاہیوں کا بھیس سزاوار نہیں ہر کارے دہر مردے اُس وقت اُن کی بات کچھ دھیان میں نہ آئی سو اپنے کئے کی سزا پائی۔ ناظر۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ نے کوئی بے جا کارروائی نہیں کی ہوگی آدمی کا حال چھپا نہیں رہتا سارا شہر آپ کا مداح ہے اور اگر آپ احتیاط نہ کرتے تو لتنے دن کوتوالی کا چلنا بھی محال تھا۔ خصوصاً صاحب مجسٹریٹ حال کے وقت میں مگر عورتیں تو جیسی ڈرپوک اور کچے دل

---

[۱] مراد ہے کوتوال کے باپ سے کیوں کہ کوتوال قوم کا ہندو تھا۔ ۱۲

کی ہوئی ہیں آپ خوب جانتے ہیں آپ کا ہی آناسن کر اُن کے
ہاتھ پاؤں پھول گئے ہوں گے اور پھر کسی سپاہی نے کوئی
ایک آدھ بات کہہ دی ہوگی حالت تو نازک تھی ہی اد نکھتے کو
ٹھیلنے کا بہانہ ہوگیا۔ چھوٹے گھر ہیں تو خیر ایک واردات بھی ہوئی
تھی کہ جانور مرے ماما کو دست آئے فیرینی میں سنکھیا نکلی بڑا
گھر جس کو واردات سے کچھ بھی تعلق نہیں وہاں کیا حال تھا جا کر
دیکھتا ہوں کہ چولھا تک نہیں سلگا یا وہ تو جب میں نے سمجھایا کہ
یہ کیا اس سے بڑی بڑی اتفاقی اور ناگہانی وارداتیں ہو جاتی
ہیں اور آخر کار مقدمہ داخل دفتر تب سب کو تسلی ہوئی۔ کوتوال
اتفاق کیسی تب ناظر نے مبتلا کا رقعہ دیا کہ وہ خونی دروازے
میں جو ایک شخص نے اپنی آشنا کو دھنورا کھلا کر مار ڈالا تھا اور
شاید آپ ہی نے تو اس مقدمے کی تحقیقات کی تھی کل اس کی
پیشی تھی اور میں مدعا علیہ کا وکیل تھا آپ کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ
بھی سرکار کی طرف سے پیروی کے لئے موجود تھے بڑے بڑے
مباحثے رہے آخر ساڑھے چار بجتے بجتے مدعا علیہ کی رہائی ہوئی
ہاں تو یہ رقعہ مجھ کو عین اجلاس پر ملا تھا اور اسی کو دیکھ کر میں
کچہری سے سیدھا وہیں چلا گیا تھا کوتوال نے رقعہ پڑھا تو مقد
کی طرف سے بھی اُس کی آس ٹوٹ گئی کمر سے کرچ کھول ناظر
کے پیروں پر رکھ دی کہ نوکری تو یہ حاضر ہے خدا واسطے کو

ایک اتنا سلوک کیجئے کہ عزت پر ہاتھ نہ ڈالئے۔ ناظر نے بہت تسلی کی کہ بھلا اتنا تو سمجھئے کہ اگر میرے دل میں کچھ فساد ہوتا تو میں اس قدر سویرے اندھیرے منہ آپ کے پاس دوڑا ہوا کیوں آتا خیر جو کچھ ہونا تھا سو ہوا میں جس طرح سے بن پڑے گا مبتلا بھائی کو سمجھاؤں گا جب سے انہوں نے دوسری عورت کر لی ہے ذرا تنگ دست رہتے ہیں یہی نہ کہ دو اور من کا خرچ اور اوپر سے سو دو سو روپے اور اُن کو دے دیا جائے گا اور ہاں سنکھیا کے مقدمے میں آپ کچھ زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کیجئے گا اس میں کچھ ہونا ہوانا بھی نہیں۔ ناظر چلنے لگا تو کوتوال نے کہا پھر اس کرنچ کو تو آپ اپنے ہاتھ سے باندھ دیں گے تو میں کمر سے لگاؤں گا ورنہ جہاں پڑی ہے پڑی رہے گی۔ ناظر نے جلدی سے کرنچ اٹھا بسم اللہ کر کے کوتوال کی کمر سے باندھی گویا اپنی طرف سے کوتوالی دی۔ کوتوال نے کہا بس اب ہاتھ پکڑے کی لاج آپ کو کرنی ہو گی۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ کو وہاں ایک اور ضرورت پیش آ گئی کہ کسی انگریز کے یہاں سوڈا واٹر کی ایک دو بھی نہیں اکٹھی آدھی درجن خالی بوتلیں چوری گئیں صاحب نے چٹھی لکھی اور سپرنٹنڈنٹ صاحب اس کی تحقیقات کو بھاگے گئے کوتوال سے کہلا بھیجا ہمارا آنا نہیں ہو سکتا پھر کوئی پندرہ بیس دن بعد خود سپرنٹنڈنٹ صاحب ہی کو خیال آیا تو پوچھا کیوں کوتوال صاحب وہ کس وکیل صاحب کے یہاں کی

زہر خورانی کا آپ نے تذکرہ کیا تھا اس کا کیا ہوا۔ کوتوال نے کہا حضور فدوی نے تو اگلے ہی دن ۲۲، ۳ نمبر کا روزنامچۂ خاص بھیج دیا تھا کہ واردات اتفاقی ہے۔ بات رفت و گزشت ہوئی۔ دو چار دن تو مبتلا کو کھٹکا رہا پھر اُس نے دیکھا کہ کوتوالی میں سے کسی نے آکر بھی نہ جھانکا تو اُس کو یقین ہوا کہ ناظر کو حکام کے مزاج میں کچھ اس طرح کا درخور ہے کہ آج جو چاہے سو کر گزرے۔ ناظر نے اس مقدمے میں اچھی بڑو ماری ہزار روپے تو چپکے سے اُس نے دہ اگلوائے جو خانون کٹنی غیرت بیگم کو بہکا پھسلا کر لے اُڑی تھی۔ اور رقعے کے بدلے مبتلا سے اُس کے حصے کی دکانوں کا قطعی بیع نامہ اپنے نام لکھوا لیا اور پھر سب میں سُرخ رُو کا سُرخ رُو اب بے چارے مبتلا کے پاس پینسٹھ روپے ماہوار کی جگہ صرف ستائیس روپے مہینے کی نری تنخواہیں رہ گئیں وہ بھی کس طرح کی کہ کوئی چھٹے مہینے آدھی پاؤ وصول ہوئی تو کوئی برس بھر لعاد اور کوئی ماریں بھی آ گئی اور غیرت بیگم کی یہ تاکید کہ بھلا کوئی ایک لوٹا پانی تو اُس کے گھر میں سے مبتلا کو دے دیکھے غیرت بیگم کے یہاں پہلے ہی مبتلا کی کون سی قدر کی جاتی تھی اب جس دن سے یہ معاملے مقدمے کھڑے ہوئے رہا سہا اور بھی نظر دل سے گر گیا پہلے بے رخی تھی رفتہ رفتہ بدمزاجی ہو گئی بدمزاجی سے بددماغی کی نوبت پہنچ گئی بلکہ طرز مدارات سے ایسا مستنبط ہونے

رگا کہ سیّد حاضر نے جو ایک دن بیچ کے آنے کا معمول باندھ دیا تھا اب مبتلا کا اتنا آنا بھی گوارا نہیں۔ غیرت بیگم کو مبتلا سے بات چیت کئے ہوئے برسوں گزر گئے تھے لونڈیاں ماماہیں میاں کا اتنا لحاظ کرتی تھیں کہ باری کے دن بچھونا صاف کر دیا جب تک گھر میں بیٹھے حقے کی خبر رکھی کھانے کو پوچھ لیا اور اب مقدمے کے بعد سے تو ان باتوں میں بھی مضایقہ ہونے لگا۔ مبتلا لاکھ گیا گزرا تھا مگر آخر تھا تو صاحب خانہ یہ بے قدری دیکھ کر وہ بڑے گھر کی باری کو تپ و لرزہ کی باری سے کم نہیں سمجھتا تھا مگر حاضر ناظر سے اس قدر ڈرتا تھا۔ جیسا مُردہ نکیرین سے نا خواستہ دل آتا اور برخاستہ خاطر رہتا۔ ایسی ایسی سنگین وارداتیں اور کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹے غیرت بیگم اور بھی بے محابا ہو کر لگی بادل کی طرح گرجنے اور بجلی کی طرح کڑکنے سقا اور دھوبی اور حلال خور وغیرہ جتنے اہل خدمت تھے اُن کی تک بندی ہو گئی کہ چھوٹے گھر کا کام نہ کرنے پائیں ناچار گلی کی طرف کا قدیم دروازہ جو مدتوں سے بند تھا تیغا توڑ کر کھولا تب کام چلا۔

چوبیسویں فصل مبتلا اور ہریالی کا بگاڑ

جب تک باتوں کا زبانی جمع و خرچ رہا غیرت بیگم نے اپنے گھر میں کوس کاٹ لیا اور ہریالی نے اپنی جگہ پکار کر تو پکار کر نہیں تو چپکے سے جو کچھ منہ میں آیا کہہ دیا تب تک اگر سچ پوچھو تو ہریالی کی جیت تھی کیوں کہ مبتلا اُس کے پتے پر تھا اور آمدنی کے حساب سے دونوں گھر برابر اب جو پینسٹھ کے رہ گئے ستائیس تو اُس کا ایمان ڈگمگا چلا اور مبتلا سے کہا کیوں صاحب اُدھر اکیلے گھر میں ساٹھ اور ادھر مردانہ زنانہ دو گھر دل میں پینسٹھ نگوڑا پانچ روپے کا بل خدا جانے میں کیا کتر بیونت کرتی تھی کہ خیر گزر ہوئی چلی گئی تم اپنے ہاتھ میں خرچ رکھتے ہوتے تو حقیقت کھلتی اور میں تمہارے بڑے گھر میں جاتی نہیں تو آخر سنتی تو ہوں کہ آدمیوں کو اُبالی دال ملتی ہے اور وہ بھی ایک وقت۔ بچوں کو سودا سلف تو درکنار کبھی ادھی کے چنے لے کے دینے نصیب ہوئے اب تم نے پینسٹھ کے ستائیس کرائے ہیں تو تم ہی خرچ کا انتظام بھی کرو میں کوئی اپنی بوٹیاں کاٹ کاٹ کے تو کھلانے سے رہی۔ مبتلا۔ پینسٹھ کے ستائیس میں نے

کرائے ہیں۔ ہریالی۔ جانے بلا تم نے کرائے ہیں یا انہوں نے جو تمہارے کچھ لگتے ہیں۔ مبتلا۔ تم ہی نے فیرینی پکا کر بیٹھے بٹھائے سارا فساد برپا کیا اور الٹا مجھ کو الاہنا دیتی ہو۔ ہریالی۔ مجھے خبر تھی کہ دشمنوں نے دودھ میں سنکھیا گھول کر میری جان کے لیئے کا سامان کیا ہے۔ مبتلا اسی کا تو پتہ نہ چل سکا کہ کس نے دودھ میں سنکھیا گھولی۔ ہریالی تو کیا میں نے گھولی مبتلا۔ تم نے گھولی تو نہیں مگر تم پر تھپ تو گئی۔ ہریالی تم نے تھپوائی تو تھپی۔ مبتلا۔ ایک نشد دو شد ہمینا میں نے کم کرایا سنکھیا کا الزام تم پر میں نے لگایا میں ہی برا ہوں تو خدا برے کو موت دے۔ ہریالی خدا نہ کرے تم کیوں برے ہونے لگے بری میں کہ تمہارے کارن گھر چھوڑا عیش چھوڑا آرام چھوڑا اس کا یہ انعام ملا کہ تمہارے یہاں آکر کوسنے سنے گالیاں کھائیں بے عزتی کا کوئی درجہ باقی نہ رہا دو دفعہ جان کا خطرہ[۱] اٹھایا۔ مبتلا۔ تم کو تو معلوم تھا کہ میرے بی بی بچے ہیں پھر نہ آئی ہوتیں۔ کس نے زبردستی کی تھی اور اب تمہارا جی چاہے تو اب چلی جاؤ تم سے کسی

---

[۱] یعنی ایک بار غیرت بیگم نے مارتے مارتے ادھ مرا کر دیا تھا اور دوسری بار اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ ۱۲

نے کچھ چھین تو نہیں لیا۔ ہریالی ہاں ہاں کیا یتی بکرنی ہوں میں تمہاری بی بی کو بھی جانتی تھی اور بچوں کا ہونا بھی معلوم تھا مگر مجھے خبر نہ تھی کہ تم اس طرح کے حیز[1] ہو کہ ناظر کی صورت دیکھے سے تمہارے ہوش باختہ ہوتے ہیں اور میں اگر مرجاؤں گی اور جاؤں گی نہیں تو کیا مفت میں اپنی جان گنواؤں گی تو ناظر کو جو دکالت کے گھمنڈ میں بہت اکڑا ہوا پڑا پھرتا ہے اور اس مکار حاضر کو جو ہر مرتبہ بڑا مولوی بن کر وعظ کہنے کو آ بیٹھتا ہے اور تیری بھیا کو توال کی جورو کو اور اُس موئے کو توال کو جس نے رشوتیں لے لے کر خون کے مقدموں کو ملیا میٹ کیا ہے اور سب کے ساتھ دنیا جہان میں الم نشرح[2] کر کے جاؤں گی میرا جانا کیا ایسا ہنسی ٹھٹھا ہے میں نے تیرے پیچھے اپنے تئیں خاک میں ملا دیا اور آج تو نے اُس کا مجھ کو یہ پھل دیا اے اب دیکھ میرا تماشا تیرا تو کیا منہ ہے نگر بلا اپنے حمایتیوں کو کہ مجھے جاتی کو روکیں یہ کہہ کر ہریالی کھڑی ہو سیدھی دروازے کی طرف چلی بارے مبتلا نے ساری عمر میں ایک یہ بہادری تو کی کہ اِس کو کوٹھڑی میں ڈھکیل جھٹ اوپر سے کنڈی لگادی

---

[1] بزدل نامراد۔ ۱۲ [2] مراد ہے مشہور۔ ۱۲

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ مبتلا تو ہریالی کو کوٹھڑی میں بند کر باہر چلا گیا۔ ہریالی کے پاس جو پرانی ماما تھی وہ تھی ایک طرح کی اس کی کٹنی اس نے ہریالی کو سمجھایا بی بی مرد کا مزاج دیکھ کر بات کی جاتی ہے اس کم بخت پر تو آپ ہی مصیبتیں پڑی ٹوٹ رہی ہیں تم اور چلی گھاؤ میں اوپر سے مرچیں لگانے۔ تھوڑے دن صبر کیا ہوتا وہ اپنے تئیں بیچتا چوری کرتا کہیں نہ کہیں سے تمہارا بھرنا بھرتا اور اگر تمہاری مرضی جانے کی ہو گی تو اس کی سو راہیں ہیں ڈھنڈورا پیٹنا اور ڈھول بجانا کیا ضرور ہے اُدھر پان کے جانے مبتلا کے پاس گئی اور اُس سے کہا میاں بُرا کہو فضیحتی کرو سب تم کو پہنچتا ہے پر مُنہ بھر کر یہ کہہ بیٹھنا کہ چلی جا تم ہی انصاف کرو بڑی سخت بات ہے۔ خیر غصہ حرام ہوتا ہے میاں بی بی کی لڑائی کیا اور میاں بی بی بھی تم جیسے کہ وہ تمہاری عاشق زار اور تم اُس پر دل و جان سے نثار۔ اُٹھو گھر میں چلو بیوی کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی اب میں نے اُٹھا کر زبردستی پانی پلایا ہے۔

پچیسویں فصل مبتلا کی خانہ داری دونوں بیبیوں کے ساتھ کس طرح پر تھی

مبتلا اور ہریالی کی یہ لڑائی تو خیر ایک اتفاقی بات تھی مگر دیکھنا چاہئے کہ ان میں باہمی ارتباط کس درجے کا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے سمجھنے میں غلطی کی۔ ہریالی نے سمجھا تھا کہ یہ آدمی ہے حسن پرست بیوی اس کو بھائی نہیں اور مجھ پر ہو رہا ہے لٹو ہیں گئی نہیں اور اس کو بیوی سے تڑا چھڑا اپنے کھونٹے سے باندھا نہیں یہاں آکر دیکھا تو بیوی کو میاں کا خصم پایا کہ وہ اس کو اس طرح لپٹی ہے جیسے مکھی کو شہد یہ بہتیری کوشش کرتا ہے کہ اس سے چھوٹ جاؤں مگر اور لتھڑتا چلا جاتا ہے چاہئے تھا کہ مجبور سمجھ کر معذور رکھے خود غرضی جبر و اختیار میں فرق آنے نہیں دیتی تھی وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اور یہ جانتی تھی کہ اپنے ہیٹے پن سے خود نہیں کرتا وہ داری اور قربان تھی جب تک توقع میں جان تھی ناامیدی کا پیدا ہونا تھا کہ صاف ہتھے سے اکھڑ گئی۔ مبتلا تو اول دن سے حسن صورت کے پیچھے ایسا فریفتہ تھا کہ خوبصورتی کے آگے حسب۔ نسب سلیقہ۔ ہنر۔ عقل۔ نیکی۔ دین داری کسی چیز کو دیکھتا ہی

نہیں تھا بیوی سے تھی اس کو نفرت چوٹوں کی طرح دو چار بار
رات کو ہریالی کے یہاں گیا آنکھوں میں کھپ گئی نہ انجام سوچا
نہ عاقبت کار پر نظر کی گھر میں لا بٹھایا۔ مبتلا کے دل کو جو اچھی
طرح سے ٹٹول کر دیکھا تو گھر میں آئے پیچھے ہریالی کی طرف
اس کا اگلا سا رخ نہ تھا اول تو اس نے ہریالی کے جانچنے اور
آنکنے ہی میں غلطی کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہریالی خوبصورت
تو تھی مگر نہ اس درجے کی کہ مبتلا جیسا حسین آدمی اس پر
مفتوں ہو۔ یونیورسٹی کی ڈگریاں اگر خوبصورتوں کو ملتی ہوتیں
تو ہریالی ہماری نظر میں اس سرے بس۔ ایف۔ اے کے
قابل تھی مگر مبتلا تو اس کو نکاح سے پہلے ایم۔ اے کے درجے
میں سمجھتا تھا۔ دوسری ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ ہریالی کو ویسا
بناؤ سنگار نہ تو اب میسر تھا اور نہ اس کا موقع تھا اور سب
سے بڑا سبب تو ہمارے سمجھنے میں یہ تھا کہ کیسی ہی کوئی نعمت
کیوں نہ ہو اس کی قدر طلب تک رہتی ہے۔ حاصل ہوئی اور
اس کی منزلت گھٹی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انسان کو اس
کا احساس بھی باقی نہیں رہتا کہ یہ نعمت کچھ نعمت بھی ہے یا نہیں
اگر غیرت بیگم کو ذرا بھی عقل ہو کہ خدمت اور اطاعت سے
میاں کو اپنا کرنا چاہیے تو ہریالی کی اتنی بھی قدر نہ ہو یہ اپنی
صورت کو آئینہ لئے بیٹھی چاٹا ہی کرے اور اندر باہر غیرت بیگم

ہی غیرت بیگم رہے مگر وہ چال بُری چلی اس نے چاہا کہ تو ڑ ون سے دباؤ سے بھائیوں کی حمایت سے مبتلا کو زیر کرنا دل پھٹتے گئے اور طبیعتیں ہٹتی گئیں۔ ہریالی نے پایا میدان خالی مبتلا کے دل میں جگہ کر لی نہ خوبصورتی کے برتے پر بلکہ سلیقہ اور رضا جوئی کے بل پر۔ غیرت بیگم کے جھگڑے مبتلا کو چین تو لینے دیتے ہی نہ تھے وہ ہریالی کی خوشی کیا مناتا دونوں میں میل جول رہا مگر عاشق معشوقی کا سا نہیں بلکہ جیسا عام طور پر میاں بیبیوں میں ہوا کرتا ہے۔

چھبیسویں فصل مبتلا نے تنگ ہو کر دونوں گھروں کا رہنا چھوڑا اور اسکی حالت یوماً فیوماً ردی ہوتی گئی یہاں تک کہ ایکدن مر کر رہ گیا

جس شخص کی پینسٹھ کی آمدنی جا کر ستائیس کی رہ جائے اور وہ بھی غیر منقرر اسی کے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ اس پر کیا گذرتی ہوگی۔ تواتر مصائب اور ہجوم افکار نے مبتلا کو اس قدر تنگ مزاج کر دیا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز اس کو بھلی نہیں لگتی تھی

اس کو ہریالی کی لڑائی کا ایک بہانہ مل گیا اور اس نے دونوں گھروں کا جانا قاطبتاً موقوف کر دیا سارے دن رات اٹوانٹی کھٹوانٹی لئے اکیلا مردانے میں پڑا رہتا تھا نہ خود کسی کے پاس جاتا اور نہ اپنے پاس کسی کے آنے کا روادار ہوتا اگر اتفاق سے کوئی آنکلتا تو اس کی طرف مطلق ملتفت نہ ہوتا اس رنج نے اس کو رہا سہا اور بھی اچوڑ کر دیا کہ دو دشمن اس کے اور تیار ہوئے تاظر سے بڑھ کر معصوم اور غیرت بیگم سے زیادہ بتول۔ مبتلا اپنی طرف سے بہتیرا دونو کو لیٹپتا تھا مگر یہ دونوں اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ ہمارا باپ ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا باپ کو سنا برا برا پس دونوں کے ذہن میں اس کی برائی ایسی راسخ ہو گئی تھی کہ ابا یا باوا یا باپ کہنا کیا دونوں خاصی طرح نام لیتے تھے معصوم گالی کے ساتھ اور بتول کوسنے کے ساتھ مبتلا نے جب دونو گھروں سے ملول ہو کر مردانے میں رہنا اختیار کیا تو اس نے یہ خاصی تدبیر سوچی تھی کہ اگر ہو سکے تو معصوم اور بتول دونوں کو ورنہ اکیلے معصوم کو خالی بیٹھا ہوا پڑھاؤں اور اسی طرح اپنا جی بہلاؤں مگر معصوم پٹھے پر ہاتھ تو دھرنے ہی نہیں دیتا تھا[1]۔ مردانے مکان میں بے رونقی

---

[1] یہ مثل گھوڑے کے حق میں کہی جاتی ہے کہ پٹھے پر ہاتھ تو دھرنے ہی نہیں دیتا نعل کیوں کر لگائے جائیں ۱۲

تو ہریالی کے ساتھ آچکی تھی اب تھوڑے ہی دن میں خاک اُڑنے لگی۔ جس مکان میں عمدہ اسباب کے اٹم لگے پڑے تھے اب اس میں کیا رہ گیا بانوں کے چند جھلنگے ایک کی چول ٹوٹی ہوئی ہے تو دوسرے میں ادوان نہیں کسی کی پٹی لٹکی لچکی ہوئی ہے تو کسی کے سیرو ے میں جان نہیں۔ شاید چھوٹی بڑی ملا کر چار یا پانچ چوکیاں وہ بھی بے جوڑ بوسیدہ بے مصرف نوکروں میں صرف ایک وفادار سو بھی کس طرح کہ یہاں سے تو اس کو کھانا تک نہیں ملتا تھا اور ملے کہاں سے دیں نہ دیں میاں سو میاں بے چارے کے پلے ٹکا نہیں دن کو مزدوری کرتا اور رات کو میاں کی پائینتی آکر پڑ رہتا دنیا کا کوئی کام یا دین کا روزہ نماز ہو تو صبح و شام کا تفرقہ اور دن رات کا امتیاز ہو مبتلا کو سب وقت یکساں تھے اس کو سونے جاگنے کھانے پینے کسی بات کا کوئی وقت ہی مقرر نہ تھا جب دیکھو منہ اوندھائے چارپائی پر پڑا ہے معلوم نہیں سوتا ہے یا جاگتا ہے اپنی تباہی کا خیال ہے کہ کسی وقت دل سے نہیں جاتا جاگتا ہے تو اسی کا سوچ ہے اور سوتا ہے تو اسی کا خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ کبھی اپنے پچھلے وقتوں کو یاد کرتا اور اس کے چہرے پر ایک طرح کی بشاشت آجاتی تھوڑی دیر بعد خود بخود یکایک چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا

اور پھر اس کے منہ پر مردنی سی چھا جاتی غیرت بیگم اور اس کے علاقہ داروں سے یہاں تک کہ اپنے بچوں سے تو اس کو مطلق ناامیدی تھی وہ خوب سمجھ چکا تھا کہ اب کسی حالت میں جیتے جی ان لوگوں سے صفائی کا ہونا ممکن نہیں رہ گیا قطع تعلق اس کے لئے چاہئے ہمت جرأت اور یہی باتیں اگر مبتلا میں ہوتیں تو یہاں تک نوبت ہی کیوں پہنچتی۔ قاعدہ ہے کہ جس پر پڑتی ہے اس کی طبیعت خوب لڑتی ہے۔ رنجوں سے بچنے کا کون سا پہلو تھا جو مبتلا نے نہیں سوچا مگر جدھر جاتا تھا راہِ نجات کو مسدود پاتا تھا۔ مارے غم کے وہ اس قدر نحیف وناتواں ہو گیا تھا جیسے کوئی برسوں کا بیمار شاید چھینکنے سے اس کو غش آتا اور کھانسی کے ساتھ اس کا سانس اکھڑ جاتا اللہ رے غیرت بیگم عورت ذات ہو کر اسقدر سخت دلی اور اس بلا کا غصہ کہ مبتلا گھلتے گھلتے چارپائی سے لگ گیا اور اس نے بھول کر بھی خبر نہ لی ہریالی تھی تو رزالی پر خیر دکھاوا ظاہرداری جو چاہو سمجھو بیسوں بار تو اپنی ماما کو بھیجا۔ اور آخر خود ہو گئی ہر چند منت خوشامد کی مگر مبتلا تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھوئے بیٹھا تھا ذرا نہ پنیایا۔ مبتلا خوب سمجھتا تھا کہ میں اس رنج سے جاں بر نہیں ہو سکتا اختلاج قلب تو اس کو مہینوں سے تھا اب کسی کسی وقت دل میں ایک

طرح کا ہلکا ہلکا درد بھی اٹھنے لگا تدبیر کچھ ہوئی نہیں دورے متواتر اور شدید ہونے لگے۔ آخر ایک دن ادھر آفتاب ڈوبتا تھا ادھر یہ بے کس و بے نصیب دل کے درد سے کھری چارپائی پر نہ تکیہ نہ بچھونا تڑپ تڑپ کر سرد ہو گیا۔

ستائیسویں ۲۷ فصل خاتمہ

ایک حسن پرستی کے پیچھے دنیا میں کیا کیا سختیاں اٹھائیں کہ خدا دشمن کو بھی نہ نصیب کرے اپنا یا بیگانہ مرنا تو سبھی کا قابل افسوس ہے مگر نہیں ہے تو مبتلا کا اس کا جینا قابل افسوس تھا اور مرنا قابل خوشی کیوں کہ مر کر وہ دنیا کی مصیبتوں سے چھوٹ تو گیا۔ مصیبتیں تو اس کے دم کے ساتھ تھیں نہ مرتا اور مصیبت بھرتا پھر بھی ہم اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ کہ دنیاوی ایذائیں اس کے گناہوں کا کفارہ ہوں۔ اور بے چارہ مصیبت کا مارا حسن صورت کا بہت فریفتہ تھا خدا اس کو جنت میں بہت سی حوریں دے بشرطیکہ غیرت بیگم اور ہریالی کی طرح آپس میں نہ لڑیں عبرت کا مقام ہے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں موجود بیٹا موجود بیبیوں کے نوکر چاکر موجود اور مرتے وقت منہ میں پانی ٹپکانے کو مبتلا کے پاس

کوئی نہیں۔ کہیں پہر رات گئے وفادار محنت مزدوری سے فارغ ہو کر آیا اور اس نے پکارا تو میاں کو مرا ہوا پایا چیخ اٹھا سارے محلے کو خبر ہوئی اور محلے والوں کے ساتھ محل کے لوگوں کو ہریالی کو دیکھا تو وہ اور اس کی ماما اور اسباب سب ندارد گھر میں جھاڑو دی ہوئی پڑی ہے نہیں معلوم ایسا کون کالا چور اس کو بھگا کر لے گیا کہ پھر اس کا پتہ نہ لگا غیرت بیگم یا تو اس قدر میاں سے بگڑی رہتی تھی یا میاں کا مرنا سنتے ہی ایسا روئی اتنا پیٹی کہ بس جو میاں بیوی کی عاشق زار ہوگی وہ بھی اس سے زیادہ کیا رو سکے بیٹھے گی۔ اب اس کو معلوم ہوا کہ میاں اس کے ظلم سہنے کے لئے سدا کو بیٹھے رہنے والا نہ تھا وہ میاں کے مرنے پر اتنا نہیں روئی تھی جتنا اپنے ظلموں پر جن کی تلافی اب کچھ اس کے اختیار میں نہ تھی۔ روتے روتے دونوں آنکھوں میں ناسور پڑ گئے تھے اور ہنتی جیتا ڈیل ایسا سوکھا تھا کہ جیسے کانٹا ببلا کی چھ ماہی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ غیرت بیگم اسی رنج میں تمام ہوئی مرتے مرتے وصیت کی کہ مجھ کو بتول کے باپ کی پائینتی دفن کرنا تاکہ اگر جیتے جی میں ان کے نہ پڑ سکی تو خیر قبر میں ان کے پاؤں ہوں اور میرا سر۔ ببلا کے مرنے پر تاریخیں اور مرثیے تو بہت لوگوں نے کہے مگر عارف نے مرثیے کے چند بند یاد رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

مرثیہ

دنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہے　　ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے　　جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے
بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لے جائے گی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

ایسا مکاں بتاؤ کہ بن کر گرا نہ ہو　　پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو
ہے کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو　　حادث نہ ہو تو مدخل چون و چرا نہ ہو
فانی ہر ایک چیز ہے فانی جہان ہے
مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہے

اعمال نیک ہیں تو زمرد کے ہیں قصور　　خدمت کو لونڈیوں کی جگہ دست بستہ حور
ہر طور کا ہے عیش تو ہر طرح کا سرور　　یعنی خلاصہ یہ ہے کہ راضی ہوئے حضور
خوشنودیٔ خدا ہی عبادت کا نام ہے
جنت بھی اک رضائے الٰہی کا نام ہے

اور ہیں عمل بُرے تو ہوئی عاقبت خراب　　ایذائیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب
اور سب سے بڑھ کے خالق کونین کا عتاب　　گر پوچھنے پر آئے تو کیا بن پڑے جواب
حق کو جو ناپسند ہو تف ایسے کام پر
مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

توفیق کار نیک ہمیں اے کریم دے دل میں صلاح دے ہمیں طبع سلیم دے
شوقِ سلوکِ جادہ مستقیم دے ایمان درمیانہ امید و بیم دے
ہم کو نہیں ہے بحث عذاب و ثواب سے
تیری رضا لے ہمیں تیری جناب سے

اٹھ جائے دل کی آنکھ سے اسباب کا حجاب دنیا دکھائی دینے لگی نقشِ سطحِ آب
ذرّے میں رونما ہو حقیقت کا آفتاب لاریب فیہ[1] ہو خبر ذالک الکتاب
کھل جائے اصل راز حیات و ممات کا
ہو ایک حال ماضی و مستقبلات کا

دل لوٹ حب دولت دنیا سے پاک ہو دے وہ غنا کہ آنکھ میں اکسیر خاک ہو
لالچ ہو فائدے کا نہ نقصان کا باک ہو دیں سے شغف[2] ہو دین میں ہی انہماک[3] ہو
فرق نیاز فرش زمیں پر پڑا ہوا!!
ہمت کا پاؤں عرش بریں پر گڑا ہوا

ہر دم خیال موت کا پیشِ نظر رہے جب تک جئے جئے جب اجل آئی مر رہے
رہرو ہمیشہ چاہیئے باندھے کمر رہے دنیا وطن نہیں ہے کہ آئے بسر رہے
آئے ہیں ہم جہان میں تو جانا ضرور ہے
سارا ہی قافلہ سرِ راہِ مرور ہے

پھر بعدِ مرگ کیسی بنے کچھ خبر نہیں یہ وہ خطر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں
پر کیا ہی ڈھیٹ ہم ہیں کہ اسکا بھی ڈر نہیں عقل معاد سے ہمیں بہرہ مگر نہیں

---

[1] مراد یہ ہے کہ کلام اللہ کے مضامین کا پورا پورا یقین ہو ۱۲ [2] شیفتگی ۱۲ [3] مصروفیت ۱۲

رب العباد نعمتِ فکر معاد دے
فکرِ معاد دے ہمیں ذکر معاد دے

کیا جانبِ خدا سے ہدایت ہمیں نہیں یا سوچنے کو عقل و درایت ہمیں نہیں
فی الاصل کچھ ضرورت و حاجت ہمیں نہیں پر ہائے غور کرنے کی عادت ہمیں نہیں
ہم دیکھتے نہیں کبھی غائر نگاہ سے
سنتے نہیں ہیں بات کوئی انتباہ سے

غفلت کرا رہی ہے یہ ساری شرارتیں بنوا رہی ہے رہنے کو پکی عمارتیں
اللہ رے دلیریاں بل بے جسارتیں دنیا کمائیں دین کی کر کے خسارتیں
غفلت کا کر علاج کہ اصل مرض ہے یہ
تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض ہے یہ

غفلت نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو رد و کد نہ ہو
بھائی کے پیٹھ پیچھے کبھی ذکر بد نہ ہو انسان مثارکِ صفت دام و دد نہ ہو
غفلت سے اس جہان میں سارا فساد ہے
غفلت کو آؤ مار ہٹائیں جہاد ہے

مخلوق ذی شعور ہے تو ہوشیار رہ مت مستمند زندگی مستعار رہ
دنیا کا کاروبار کر اور دین دار رہ امیدوار رحمتِ پروردگار رہ
کس نے کہا ہے تجھ سے کہ دنیا کو چھوڑ بیٹھ
بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نہ جوڑ بیٹھ

کیا حال تھا رسول علیہ السلام کا اصحابؓ کا ائمہ عالی مقام کا

سر کردہائے امت خیر الانام کا سکہ بٹھا گئے جو محمدؐ کے نام کا
ان میں سے ایک بھی کبھی راہب[1] ہوا کوئی
دنیا کو کھو کے دین کا طالب ہوا کوئی

دنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذلیل گر سو گھروں میں دیکھو تو ننانوے رذیل
روٹی کی با ہزار مشقت ہوئی سبیل کپڑے کے واسطے وہی سنتا رہے کفیل
گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گذر گئے
جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھٹھر گئے

افلاس سے زیادہ جہان میں نہیں وبال افلاس ہے مقدمۂ قہر ذی الجلال
افلاس کر ہی دیتا ہے انسان کو پائمال ڈرپوک پست ہمت و سست و دنی خیال
مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست
مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

اور شاذ اگر ہوا کوئی محتاج دل غنی سمجھا کہ یہ جہان ہے جہان گزشتنی
کے دن کی زندگی کے لئے اتنی سرزنی اس کو نہ دوستی ہے کسی سے نہ دشمنی
ایسا بزرگ شک نہیں اس میں کہ نیک ہے
پر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہے

سوچو تو کچھ بھی نیت کو نسبت ہے ہست سے تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے
کیا خیر ہو سکے گی بھلا تنگ دست سے کوڑی تو لے ادھار کوئی فاقہ مست سے

---

[1] نصاریٰ جو لوگ ہندو جوگیوں سنیاسیوں کی طرح ترک دنیا کرتے تھے ان کو راہب کہتے تھے
اس طرح کے ترک دنیا کی اسلام میں سخت ممانعت ہے۔ لارہبانیت فی الاسلام ۱۲

کیا اس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جس کے پاس
دنیا میں چیل سے کبھی ملا ہے کسی کو ماس

گر مجھ سے پوچھتا ہے حقیقت میں ہم نشیں　　ایصالِ نفع ہے مرے نزدیک اصل دیں
پر چاہیے ہے اس کے لئے نقد آستیں　　خرمن بیار خواجہ کہ بسیار خوشہ چیں
دیں کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہے
دنیا نہیں تو دعوئ دیں مکر و زور ہے

اس واسطے جو معشر خیر القرون[۱] تھے　　اور کلہم عمارت دیں کے ستون تھے
امت کو کالنجوم[۲] سبھی رہ نمون تھے　　اور مرجع ضمیر ھم المھتدون تھے
دنیا میں رہ کے دیں کا برتنا سکھا گئے
دونوں کے جمع کرنے کا رستہ دکھا گئے

راوی نے یوں لکھا ہے جناب عمرؓ کا حال　　جن روز وں آپ امیر تھے باہیبت و جلال
اپنے ہی دست خاص سے پا تھا کئے سفال　　تاریخ میں دکھائیے ایسی کوئی مثال
شاگرد تھے نبی کے پیمبر کے تھے جلیس
دنیا کو جانتے تھے پر پشہ خسیس

پیران کا تھا فراغ عبادت کے واسطے　　کی سلطنت فلاح رعیت کے واسطے
عزت طلب تھے دین کی عزت کے واسطے　　القصہ جو وہ کرتے تھے امت کے واسطے

---

[۱] اس میں حدیث خیر القرون قرنی کی طرف اشارہ ہے۔ معشر بمعنی گروہ پس معشر خیر القرون سے پیغمبر کے اصحاب کرام مراد ہیں ۱۲

[۲] یہ مضمون اس حدیث کا ہے اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم ۱۲

ان کو کسی طرح طمع سیم و زر نہ تھی
ہرگز انہیں مفاد پر اپنے نظر نہ تھی

فیضان صحبت نبوی سے تھے مستفید
دیکھا انہوں نے نورِ رسالت کو چشم دید
پیدا ہوئے سعید جئے اور مرے سعید
تھی ان سے خواستگاری دنیا بہت بعید

لیکن یہ انتظام الہی ہے مہرباں
چڑھتا ہے بام پر کوئی بے وضع نردباں

زاہد تھے اور ملک ستانی کا اہتمام
دیکھو اگر یقین نہ آئے فتوحِ شام
دنیا میں ان کی دین تھا کالملح فی الطعام
دونوں کا پاس کرتے تھے قصہ ہوا تمام

بدلا اسی سبب سے زمانے کا طور ہے
اسلام جب کا اور تھا اور اب کا اور ہے

دنیا سے ان کو ہوتی ذرا بھی اگر گریز
اسلام کی تو ہو ہی چکی ہوتی رست خیز
کھا جاتے لوگ گھور کے آنکھوں سے تیز تیز
تب دیکھتے زمانے کی کج دار اور مریز[1]

پھر کون پوچھتا تھا خدائے یگانہ کو
پاتا نہ کوئی زندگی جاودانہ کو

اب بھی جو دیکھتے ہو ان ہی کا طفیل ہے
کم بیش سب کو جانب توحید میل ہے
اعمال و شرک جیسے خس و خاشاک[2] و سیل ہے
اتنا بھی گر نہ سمجھے تو ان ان بیل ہے

---

[1] کجدار مریز سے مراد ہے تکلیف مالا یطاق کیونکہ ٹیڑھا رکھو اور گرنے نہ دے طلب محال ہے ۱۲
[2] اس میں لف و نشر مرتب ہے یعنی اعمال خس و خاشاک ہیں اور شرک سیل ۱۲

مشرک کی کوئی شے نہیں کرتا خدا قبول
اس کی دعا قبول نہ کچھ التجا قبول

القصہ اک وہ دین تھا دنیا کا دوست دار
واعظ ادیب ناصح مشفق صلاح کار
مونس رفیق موجب تسکین غم گسار
ہم درد بے ریا و ہوا خواہ جاں نثار
وہ کھینچتا تھا بار امیر و فقیر کا
دنیا میں اس میں ربط تھا شاہ و وزیر کا

اب ہم نے اپنے دیں کو بنایا جھوئی موئی
دنیا میں اور دیں میں لگانے لگے دوئی
پھر قاصر اس قدر نظر نارسا ہوئی
شہتیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی
دیں کے عوض تعصب و اوہام رہ گئے
دیں دار اصل مر گئے بد نام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اس کے خواستگار
اور کیوں کہ ہونے مولوی جنت کا جو مدار
مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پہ آشکار
مفلس بھر مومن دوست از طلب بدار
دنیا و دیں کے ربط کی رسی کو کاٹ کے
دھوبی کے کتے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

ادبار کا یہی تو ہے سب سے بڑا سبب
دنیا میں اور دیں میں عداوت وائے غضب
دنیا بغیر سخت مصیبت ہے روز و شب
لازم ہے دین کا بھی کما حقہٗ ادب
خستہ ہوئے خراب ہوئے ہائے مٹ گئے
ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

دل بجھ گیا ہے دیکھ کے دنیا کا انقلاب
افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب

دیں کے خدا پرست وہ دنیا کے فتحیاب آپس میں رحم و لطف عدو کیلئے عذاب

مسجد میں سر بہ سجدہ پڑے ہیں زمین پر

میدان میں ڈٹے ہوئے گھوڑوں کے زین پر

لوگوں کو گر مناسب دنیا گناہ ہوں داخل محرمات میں اعزاز و جاہ ہوں

دنیا کی آبرو سے اگر دیں تباہ ہوں ان کا تو دیں یہی تھا کہ ہم بادشاہ ہوں

اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے

پیشانیوں[1] پر ان کی تھے گٹے نماز کے

معمور ہیں خزائن انعام کردگار بے انتہا و بے حد و بے حصر و بے شمار

وہ چھینتا نہیں ہے کبھی دے کے ایک بار[2] شایاں اسے نہیں ہے کہ بندوں کو دے ادھار

دنیا بدل گئی ہمہ نعمت بدل گئی

اس واسطے کہ قوم کی ہمت بدل گئی

افسوس قوم میں مصیبت نہیں رہی ہم کس طرح کہیں کہ مزیت نہیں رہی

مضبوطی ارادہ و نیت نہیں رہی جرأت کہاں سے ہو کہ حمیت نہیں رہی

---

[1] دو بندوں میں اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ۱۲

[2] اشارہ ہے طرف آیۂ ذالک بان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمھا علیٰ قوم حتی یغیروا ما بانفسھم کے ۱۲

ہم میں ہر اک بشر کے خیالات پست ہیں !!
پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگ دست ہیں

اے قوم یہ تعصب وسواس جائے شرم　　اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم
تقصیر فی مقابلۃ الناس[1] جائے شرم　　اس درجہ ضعفِ قوتِ احساس جائے شرم

تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

لفظ عرب ہیں نحن رجالٌ و ہم رجال[2]　　کیا خوب کہہ گیا ہے کوئی شخص خوش خیال
کیوں آ گیا ہے قوم کی حالت میں اختلال　　اب اے عزیز و تم سے ہمارا ہے یہ سوال

اقوام روزگار میں ہیٹے ہو کس لئے
بے وقعتی کی خاک پہ بیٹھے ہو کس لئے

لوہا تمہارا مانتے جمہور کیوں نہیں　　کثرت سے تم میں صاحب مقدور کیوں نہیں
دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں　　منہ پر تمہارے حسن نہ ہو نور کیوں نہیں

آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا وبال ہے
جس شخص پر خیال کرو خستہ حال ہے

ہم میں کسی کو فکر معیشت نہیں رہا　　جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا
ہر فرد عافیت سے غنا سے قریں رہا　　کس کس کا نام لیں کہ چناں اور چنیں رہا

ہم مالکِ خزائن روئے زمین تھے
اہل زمانہ قاطبتاً خوشہ چین تھے

---

[1] یعنی لوگوں کے مقابلے میں ہیٹا ہونا شرم کی بات ہے ۱۲　[2] ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں ۱۲

یسر و فراغ دولت و حشمت ہزار حیف — وہ شوکت اور لوازم شوکت ہزار حیف
عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف — صد حیف قابلیتِ نعمت ہزار حیف

گو جور بعد کور[1] اشد العذاب ہے
یاد از قبیل[2] نیت لیود الشباب ہے

کیا فائدہ جو تذکرۂ ما مضٰی[3] کریں — کیوں یادِ رفتگان میں ماتم بپا کریں
بے سود اگرچہ تا بہ قیامت بکا کریں — اک امر اختیار سے خارج ہی کیا کریں

فرہاد وار[4] در صدد جوئے شیر کیا
اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

پھر بھی ہے ایک وجہ تسلی بہت بڑی — قسمت ہمارے ملک کی اچھوں سے جا لڑی
جن کو فلاحِ خلق ہے منظور ہر گھڑی — لیکن یہ مشکل ایک بڑی سخت آ پڑی

ناواجب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر
پیاسے تڑپ رہے ہیں کنارِ فرات پر

دروازہ کون سا ہے جو ہم پر کھلا نہیں — ناممکن الحصول کوئی مدعا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں — آزادی اس قدر ہے کہ کچھ انتہا نہیں

---

[1] یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے نعوذ باللہ من الحور بعد الکور یعنی ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اس کمی سے جو زیادتی کے بعد ہو ۱۲ [2] جور بعد کور بڑا عذاب ہے مگر اس کا یاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گئی ہوئی جوانی کی پھر تمنا کرے ۱۲ [3] گزشتہ ۱۲ [4] یہ ایک مشہور قصہ ہے کہ فرہاد اپنی معشوقہ شیریں کی فرمائش سے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لانے کی فکر میں تھا ۱۲

بے جوتے بوئے آپ اُگے گا اناج کیا
ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا

اس ضدِ احمقانہ کو للٰلہ کم کرو
جانوں پر اپنی بہر خدا مت ستم کرو
چاہو ہمیں بُرا کہو یا متہم کرو
پر روٹیوں کا فکر تو بہر شکم کرو

ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

پھر کبھی تم ہی تم ہو اگر دل پہ ٹھان لو
وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
ہے علم عالم پر مدار اسے خوب جان لو
اتنی سی ایک بات ہماری کبھی مان لو

رکھتی ہے اپنا وقتِ مناسب ہر ایک شے
تسویف تا کجا و پس و پیش تا بہ کے

جاگو کہ شرط باندھ کے مردوں سے سو چکے
خارِ قنوط[1] راہِ تمنا میں بو چکے
جو کچھ تمہیں خدانے دیا تھا سو کھو چکے
سن لینا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے

قسمت میں قوم کی ہے لکھی صبح و شام موت
بے حرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

دنیا میں جس قدر ہیں ذریعے معاش کے
ان میں ہمارا حصہ واجب ہو کا شکے
بو دے میں جست جو کے طلب کے تلاش کے
ہاں مبتلا کی وضع کے اس کی قماش کے

گر چاہئے تو لاکھ میں نوّے ہزار ہیں
طوطی چمن میں ایک ہے کوّے ہزار ہیں

---

[1] قنوط بالضم ناامیدی ۱۲

عبرت کی داستان ہے احوالِ مبتلا آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تمثال مبتلا
اللہ رے جمال غدو[1] خال مبتلا اور غفوانِ عمر سن و سالِ مبتلا
جس وقت وہ شراب جوانی سے چور تھا
بے شک و شبہ رو کش غلمان و حور تھا
لیکن وہ حالت ایسی سریع الزوال تھی بس دیکھتے ہی دیکھتے خواب و خیال تھی
وہ زلف جو کبھی دل عاشق کا جال تھی خود دوش مبتلا پہ بلا تھی وبال تھی
دیکھا تو آخرش خورش کرم گور تھا
جس کے جمال و حسن کا عالم میں شور تھا
وہ مبتلا جو ناز و نعم میں پلے کبھی سانچے میں ہاتھ پاؤں تھے جسکے ڈھلے کبھی
خنجر چلیں گر ایک قدم بھی چلے کبھی تیغ ادا سے کٹتے تھے جس کے گلے کبھی
بس جنتری میں قبر کی سب بل نکل گئے
رکھنے کے ساتھ لحد کے سانچے میں ڈھل گئے
آفت ہے موت خاصۃً مبتلا کی موت تکلیف درد و محنت و رنج و عنا کی موت
قہر الٰہی و غضب کبریا کی موت دشمن کو بھی نصیب نہ ہو اس بلا کی موت
انجام کار جو تری مرضی ہو کیجیو
پر ایسی موت بارِ خدایا نہ دیجیو
تھی اس پہ ابتدائے مسلط بلائے حسن طفلی میں تھا وہ آئینہ رونمائے حسن
مضمر ہر ایک وضع میں اس کی ادائے حسن اک عالم اس کا شیفتہ و مبتلائے حسن

---

[1] خد عربی میں رخسارے کو کہتے ہیں۔ خط و خال غلط العام ہے ۱۲

اول سے شوق حسن جو خاطر نشاں ہوا
خواہان روئے خوب ہوا جب جواں ہوا
شامت جو اس کی آئی گیا دوسرا نکاح
سمجھا کہ چار پیمبر میں ہیں مباح
آئی مگر نظر نہ کبھی صورت فلاح
کیا ہی بری بیہ رائے تھی اور کیسی بد صلاح
فرصت نہ دی پھر اس کو نزاع و جدال نے
سب کچھ حرام کر دیا اس اک حلال نے
امن و فراغ و عافیت و راحت قرار
نام و نمود و عزت و توقیر و اعتبار
حسن معاشرت کہ تمدن کا ہے مدار
اور جس سے بے نیاز نہیں کوئی خانہ دار
سب چیز جا کے فوہوا گھر میں جا گزیں
جس چیز کو مکان میں پوچھو نہیں نہیں
جب مبتلا پر آہی گیا وقتِ احتضار
منہ میں چوانے پانی لگی چشم اشک بار
بس ایک پڑہ رہی تھی کھڑی پاس غمگسار
اور دونوں آنکھیں ضعف نے دیں ڈھانک ایکبار
یوں بے کسانہ ہائے جوانی میں جان دے
جنت میں اس کو بار الٰہا مکان دے
جو لوگ ہیں سعادت عظمیٰ سے بہرہ مند
کرتے ہیں بات بات سے وہ اکتساب پند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند
مت ہو لذائذ حیوانی کے پائے بند
میری سنو اگر نہیں سمع قبول کر
دو بیبیاں نہ کیجیو زنہار بھول کر

تمام شد

(شوکت پریس دہلی)

فرہنگ محصنات

اپاہج۔ معذور۔

آپے سے باہر ہونا۔ بے خود ہو جانا۔

اتا پتا۔ نشان۔

اُتو کرنا۔ ادھیڑ دینا اصل میں اُتو اس نقش و نگار کو کہتے ہیں جو کپڑے پر بنایا جاتا ہے۔

اٹل۔ بسیر۔

اٹم۔ ڈھیر

اُچاپت۔ اُدھار۔ قرض۔

اُداس۔ غمگین۔

اَدبدا کر۔ معلّق۔ لٹکا ہوا۔

اَدوان۔ وہ رسّی جو چارپائی کی پائینتی چارپائی کھنچی رہنے کو لگائی جاتی ہے۔

اُدھیڑبن۔ فکر۔

اڑنگا۔ جھگڑا۔ اٹکاؤ۔

اَڑی پر آڑے آنا۔ مصیبت کے وقت کام آنا۔

اضحافہ مضاعفہ۔ چند در چند۔

اکارت۔ ضایع۔

اُکتانا۔ گھبرانا۔ بے زار ہونا۔

اُلاہنا۔ طعنہ۔

اَلکسی۔ سستی۔

اکلوتا۔ صرف ایک ہی۔

اَمچور کر دینا۔ سکھلا دینا۔

اَمرد۔ بے ڈاڑھی مونچھ کا لڑکا۔

انڈا ہوا۔ بھرا ہوا۔ گھرا ہوا۔

اُمنگ۔ ولولہ۔ شوق

اَنابت۔ اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

اناپ شناپ۔ فضول اور مہمل۔ بے تمیزی سے

انٹواٹی کھٹواٹی۔ جب کوئی شخص رنجیدہ ہو کر الگ جا کر پڑ رہتا ہے تو اسے کہتے ہیں کہ انٹواٹی کھٹواٹی لے کر پڑا ہے۔

انوکھا اور نرالا۔ عجیب و غریب۔

ان ہونی۔ ناممکن۔

اودھم۔ دنگا۔ غل۔ غباڑہ۔

اوراد۔ وظائف۔
اہلیت۔ قابلیت۔
ایک بر۔ ایک عرض۔
الیف۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ دو درجے انگریزی استحان کے ہیں۔

ب

بانٹیہ دار۔ حصہ دار۔
بانجھ۔ جس عورت کے بچہ نہ ہوتا ہو۔
بُتّے دینا۔ مغالطہ دینا۔
بٹا لگنا۔ عیب لگنا۔
بَدّھیاں۔ لکڑی یا چھڑی کی مار کے جو نشان پڑ جاتے ہیں۔
برتا۔ بھروسہ
برتن بھانڈا۔ برتن وغیرہ۔
بسائندھی۔ گوشت یا انڈے میں جو بُو ہوتی ہے۔
بطلیموس۔ ایک مشہور حکیم کا نام ہے۔
بغارے۔ بڑے بڑے سوراخ۔
بکھرنا۔ ضد کرنا۔ اڑ جانا۔

بَل۔ زور۔
بلکنا۔ بے تاب ہو کر رونا
بگٹٹ۔ بے تحاشا کھاگنا۔
بوچھاڑ۔ اصل میں پانی کے چھینٹوں کو کہتے ہیں یہاں گالیوں کی بوچھار سے مراد مسلسل گالیاں ہیں۔
بھاری بھرکم۔ باوقار۔
بھاگ۔ خوش قسمتی۔
بھرم بنا رکھنا۔ لوگوں کی نظروں میں معزز بنا رہنا۔
بھڑاس۔ غصہ جو دل میں بھرا ہوا ہو۔
بھلمنساہت۔ شرافت۔
بھنّانا۔ چکرانا۔
بھونرے میں پلنا۔ اگلے زمانے میں بادشاہوں کے بچے بڑے ناز و نعم سے پلا کرتے تھے اور تمازت آفتاب اور تغیرات موسم سے بچانے کے واسطے تہ خانوں وغیرہ میں رکھے جاتے تھے پس جو شخص لاڈ سے پالا جاتا ہے اسکو کہتے ہیں کہ بھونرے میں پلا ہے۔

بیجا۔ بچوں کے ڈرانے کے لئے ایک ہیبتناک صورت بنا دیتے ہیں اس کو بیجا یا اللہ کا فضل یا ہئوا کہتے ہیں۔

بے رُت۔ بے موسم۔ بے فصل۔

بیرسٹر۔ اعلیٰ درجہ کا وکیل۔

بیڑا پار ہونا۔ مطلب حاصل ہونا خاطرخواہ کام ہو جانا۔

پ

پتیانا۔ اعتبار کرنا

پٹکی ڈالنا۔ اندھا کر دینا۔ آنکھیں بند کر دینا۔

پٹنا۔ جھگڑا۔ تم کو اسی کا پٹنا پڑا رہتا ہے یعنی ہر وقت اسی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔

پٹی پڑھانا۔ سکھانا۔

پُختی ہونا۔ جم جانا۔ مضبوط بیٹھ جانا۔

پرتا۔ اوسط۔

پرتل۔ لدّو ٹٹو۔

پرچونئے۔ چھوٹے کم حیثیت بنئے جو متفرق سامان فروخت کرتے ہیں۔

پرنسپل۔ مدرسہ میں سب سے بڑا استاد۔

پروان چڑھانا۔ پھولنا۔ پھلنا۔ جوان ہونا۔

پلے باندھنا۔ حوالے کرنا۔ سپرد کرنا۔

پلتے پر ہونا۔ حمایت لینا۔

پنڈ۔ پیچھا۔

پون بٹھانا۔ جادو کرنا۔ پون ایک قسم کا جادو ہوتا ہے۔

پھٹے منہ۔ زجر و توبیخ کا لفظ ہے۔

پھنڈکا نہ کھائے۔ یعنی فوراً مرجائے۔

پھٹکار۔ لعنت۔

پھٹیل۔ متوّق۔

پھپولا۔ آبلہ۔

پھڑکنا۔ بے قرار ہونا۔

پھوہڑپن۔ بے سلیقگی۔

پیڑھی۔ چھوٹی چارپائی۔ مثل چوکی کے۔

ت

تابڑتوڑ۔ لگاتار۔ متواتر۔

تاڑنا۔ سمجھ جانا۔ پہچاننا۔

تخلص۔ شاعر جو اپنا نام آپ رکھ لیتے ہیں۔
تخمہ۔ بدہضمی۔ ہیضہ۔
تُکّا چلانا۔ اٹکل پچو تیر چلانا
تکلا۔ چرخے میں کاتنے کا سُوا۔
تُوڑا۔ کمی
ٹھپنا۔ ذمے لگ جانا۔ ثابت ہونا۔
تھڑی تھڑی۔ فضیحت۔ بدنامی۔
تھوپ تھاپ دینا۔ رفع دفع کرنا۔ دبایا۔ مٹا دینا۔
تھونی۔ لکڑی کا کھم جو کہ چھت کے سنبھالنے کو لگایا جاتا ہے۔
تھئی۔ روٹیوں کا ڈھیر۔

ٹ

ٹپس جمانا۔ تقریب کر دینا۔ کسی کو کسی جگہ لگا دینا۔
ٹکٹکی۔ کسی چیز کو جمی ہوئی نظر سے دیکھنا
ٹنٹا۔ جھگڑا۔
ٹولی۔ گروہ
ٹوہ۔ سراغ۔ تلاش۔

ٹھاٹھ۔ شان۔ بناؤ۔
ٹھلا۔ مضبوط۔
ٹھوس۔ ضدِ خول۔ پُر۔
ٹیں ہو جانا۔ مرجانے سے مراد ہے۔

ج

جیبو۔ زبان۔ تصغیر ہے۔ یعنی چھوٹی جیب۔
جتھا۔ گروہ۔
جنرل۔ سردار۔
جوکھوں۔ اندیشہ۔ نقصان۔
جھولا۔ (لواد مجہول) ڈھیلا۔
جھٹ پٹ۔ فوراً۔ جلدی۔
جھرڑا۔ یکساں۔ مسلسل۔
جھگڑ۔ ایک بات کے پیچھے پڑ جانا۔
جھلنگا۔ ڈھیلی ٹوٹی ہوئی چارپائی۔
جھیلنا۔ برداشت کرنا۔

چ

چبّا۔ ذرا سی جائے دینا۔ لٹا دینا۔
چچوڑنا۔ چوسنا۔
چکتہ۔ منہ سے کاٹنے کا داغ یا نشان۔

چکٹ - بہت میلا۔

چکوتا - تصفیہ۔

چگی داڑھی - وہ داڑھی جو صرف ٹھوڑی پر ہو۔

چلّو - چلّو بھر پانی سے مراد تھوڑا سا پانی ہے۔

چمچڑ - لیچڑ۔ جم جانے والا۔

چمکار۔ پچکار - لاڈ۔ پیار۔

چوتھی - شادی کے دوسرے دن مستورات آپس میں ترکاری سے کھیلتی ہیں۔ اس رسم کو چوتھی کہتے ہیں۔

چھپٹیاں - لکڑیوں کا چورا۔ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں۔

چھٹکارا - نجات۔

چھچھوری - خفیف الحرکات۔

چھکا - جل کر جو داغ پڑ جاتا ہے۔

چیں چپڑ - فضول بکواس۔

خ

خالصے لگنا - برباد کر دینا۔ لٹا دینا۔

د

دو ٹوک - قطعی

دو جان یا جی سے ہونا - یعنی حاملہ ہونا۔

دو ہتڑ - دونوں ہاتھوں سے مارنا۔

دھت - عادت۔ لت۔

دھتکار - ڈانٹ۔

دھڑکن - اختلاج۔

دھسک - کسک۔ کسر۔

دھما چوکڑی - غل۔ شور۔ ادھم۔

دھیان - خیال۔

ڈ

ڈاڑھیں مار کر رونا - بآواز بلند رونا۔

ڈگمگا کر پینا - بے تاب ہو کر پینا۔ کھینچ کر پینا۔

ڈگری - درجہ مراد سند سے ہے۔

ڈگمگانا - لغزش کرنا۔

ڈنر - انگریزی کھانا۔

ڈھارس - امید۔ توقع۔

ڈھانا - گرانا۔

سوڈا اوالیسڈ۔ یہ دو دوائیں انگریزی ہیں جن کے ملانے سے ابال آتا ہے۔
سڈول۔ خوش وضع۔
سہم جانا۔ خوف زدہ ہو جانا۔
سیرڈا۔ سرہانے کی پٹی چارپائی کی۔

ش

شغف۔ عشق۔

ع

عبودیت۔ بندگی۔

ف

فطری۔ خلقی۔
فیثاغورس۔ ایک مشہور حکیم کا نام ہے۔
فیل کرنا۔ مکر کرنا۔ حیلہ کرنا۔

ک

کارن۔ سبب۔ باعث۔
کاڑھا۔ زچگی کے ایام میں ایک قسم کی مرکب دوا پلائی جاتی ہے۔ اسے کاڑھا کہتے ہیں۔
کرکری۔ خفیف ہونا۔
کریدنا۔ پرچول کرنا۔
کڑاکے کی سردی۔ شدت کی سردی۔
کڑھنا۔ رنج کرنا۔
کسک۔ کسر۔
کفران۔ ناشکری
کلنگ کا ٹیکا۔ کلنگ بمعنی سیاہی یعنی بدنامی کا ٹیکہ۔
کن انکھیوں سے دیکھنا۔ ترچھی نگاہوں سے دیکھنا۔
کنونڈا۔ دبیل۔ دبی ہوئی۔
کنّی دبنا۔ مرعوب ہونا۔
کنّی کاٹنا۔ راستہ بچانا۔
کوتک۔ خراب عادت۔
کوڑیوں۔ بیسیوں۔ کھانچا۔ کونا۔
کہاوت۔ مثل۔
کھرچن۔ کھانے کا وہ جزو جو پتیلی میں لگ جاتا ہے۔
کھسیانی۔ روبنکھی۔
کھل کھیلنا۔ آزاد ہو جانا۔

ڈھرّا۔ راستہ۔

ڈھئی دینا۔ بوجھ دینا۔

ڈیل۔ جسم۔

ر

ربڑ۔ زد۔

رٹنا۔ ایک دم پڑھے جانا۔

رجسٹر۔ کتاب۔

رضاعی۔ دودھ کی۔

رکھانت۔ محفوظ رکھی ہوئی۔

رگیولیٹر۔ اصل معنی انتظام کرنیوالا گھڑی کی رفتار کو درست کرتا ہے۔

رُوڑ۔ مستعمل روئی کے ٹکڑے۔

رونکھی۔ روتی ہوئی۔

ریجھنا۔ فریفتہ ہونا۔

ریس۔ حرص۔

ریں ریں کرنا۔ مریل آواز سے پڑھنا۔

ریزگی۔ پرانے گوٹے کے ٹکڑے۔

س

سالم۔ پوری۔

سبکیاں۔ رونے کے بعد جو دیر تک ایک قسم کی ہچکی لگی رہتی ہے۔

سُتھری۔ پاک صاف۔

سَٹی بھولنا۔ ہوش گم ہو جانا۔

سج دھج۔ طرز و انداز۔

سحاب۔ ابر۔

سُدھارنا۔ بنانا سنوارنا۔

سُراب۔ چمکتا ہوا ریت جو دور سے بہتا ہوا دریا دکھائی دے۔

سرٹیفکٹ۔ سند۔

سرشار۔ لب ریز۔

سفیہ۔ احمق۔

سکالرشپ۔ وظیفہ۔

سِلوَٹ۔ شکن۔

سمِ قاتل۔ زہر مار ڈالنے والا۔

سموچا۔ ثابت۔

سِوانا۔ سرحد۔

سوبھا۔ رونق۔

سپرنٹنڈنٹ۔ پولیس کا افسر۔

گ

گت۔ حالت

گجی مار۔ اندرونی مار۔

گل چھرے اڑانا۔ مزے اڑانا۔

گنڈے دار۔ غیر مسلسل۔

گونتھنا۔ خراب سینا۔

گھات۔ تاک۔

گھٹنا۔ اونچا پائجامہ جو گھٹنوں سے اوپر ہو۔

گھرکنا۔ خفا ہونا۔ ڈانٹنا۔

گھگی بیٹھنا۔ خوف سے آواز بیٹھنا۔

گیڑیاں۔ عوام کے بچے لکڑیوں سے ایک قسم کا کھیل کھیلتے ہیں اسے گیڑیاں کھیلنا کہتے ہیں۔

ل

لاج۔ شرم۔

لایعقل۔ بے عقل۔

لت۔ خراب عادت

لتاڑنا۔ ڈانٹنا۔

لتھیڑنا۔ لپیٹ دینا۔

لٹو ہونا۔ فریفتہ ہونا۔

لچھن۔ آثار۔ علامت۔

لشٹم پشٹم۔ جس طرح ہو سکے برا یا بھلا

للو پتو۔ خوشامد۔

لیترے۔ پرانی جوتیاں۔

م

ماتھا ٹھنکنا۔ اندیشہ ہونا۔

متداول۔ مشہور۔

مٹک چٹک۔ مٹکنا۔ بننا۔

مجسٹریٹ۔ حاکم عدالت۔

مدھم۔ ماند۔ مزامیر۔ باجے۔

مچان۔ کوٹھری میں تختے لگا کر کوئی چیز رکھنے کے واسطے بنا لیتے ہیں۔ اسے مچان کہتے ہیں۔

مساکر۔ مشکل سے۔

مساہلہ۔ سہج۔ آسان۔

مساعدت۔ مدد۔

مشق وتمرین۔ دونوں ہم معنی ہیں۔

مضغہ۔ لوتھڑا۔

مُکّا۔ گھونسا۔
مگرا۔ غانٹا۔ ٹپرا۔
ملاگیری۔ ایک قسم کا خوشبودار رنگ ہے۔
ملبتس۔ مشابہ۔ یکساں۔
ملونی۔ آمیزش۔
ملیامیٹ۔ نیست و نابود۔
منافست۔ ستید۔
منہمک۔ ڈوبا ہوا۔
موکھا۔ سوراخ۔
موسنا۔ مروڑنا۔
مَیّا۔ تصغیر ہے اما کو کہتے ہیں۔

ن

نبھنا۔ گزرنا۔
نڈھال۔ بدحال۔ مضمحل۔
نسوت پانی۔ بالکل پانی۔
نقش فالحجر۔ پتھر کی لکیر۔
نکتور طلا۔ نخرہ
نکّڑ۔ گلی کا کونا۔
نکُو بننا۔ بدنام ہونا۔
نکھٹو۔ بے کار۔ بے مصرف
نگوڑا۔ بے چارہ
نگھری۔ نذری

ہ

ہتھکنڈے۔ چالاکیاں۔
ہٹیلا۔ ضدّی۔
ہدڑا۔ بُرا حال۔
ہردا۔ ہیاؤ۔ دل کھل جانا مراد ہے۔
ہکّا بکّا۔ متحیّر
ہوّا۔ ڈر کی چیز۔
ہول۔ گھبراہٹ۔
ہولے سے۔ آہستہ سے۔
ہیٹا پن۔ کم ہمتی۔

ی

یونیورسٹی۔ دارالعلوم۔

ختم شد

لکچروں کا مجموعہ

سمش العلماء مولانا نذیر احمد صاحب اپنے وقت کے بہترین
مقرر تھے ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ نصیحت کا جیتا جاگتا مرقع
تھا۔ مولوی صاحب کے لکچروں نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے
بیدار کر کے ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ ان موثر
تقاریر کی آج پھر ضرورت ہے تاکہ مسلمانان ہندوستان
کا احساس پستی یک قلم دور ہو سکے۔ وقت کا
یہ اہم تقاضہ ان تقاریر سے پورا ہوگا
لکچروں کا **مجموعہ**
چونکہ پہلے ہی سے پراگندہ
تھا۔ شائقین سب لکچروں کو ایک
جا ایک کتاب کی صورت میں دیکھنا چاہتے تھے کہ
متفرق لکچروں کے سمیٹنے کی زحمت بچیں۔ مرحوم کی موت نے لوگوں کو
چونکا دیا اور وہ ان کی تقریروں کے لطف سے ہمیشہ کے لئے محروم
ہو گئے اس لئے لکچروں کی مانگ بکثرت ہونے لگی۔ الغرض ان سب لکچروں
کو جمع کیا گیا جن کی تعداد چوالیس ہوئی اور ان کو دو جلدوں میں چھپوایا
گیا۔ ہر جلد میں ۲۲۔۲۲ لکچر ہیں۔ جلد اول صفحات ۶۳۲۔ جلد دوم
صفحات ۵۵۹۔ تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت ہر دو جلد۔ سات روپے
لکچروں کی دونوں جلدیں ایک ساتھ فروخت ہوں گی ایک
جلد نہ دی جائے گی۔